تاریخ فاطمیین مصر

سلسلۂ نصابات علمیہ جامعۂ عثمانیہ

نشان (۳۷۱)

تاریخ فاطمیین مصر

تالیف

ڈاکٹر زاہد علی

بی۔ اے، ڈی۔ فل (آکسن)۔

سابق پروفیسر عربی و وائس پرنسپل نظام کالج۔

سنہ ۱۳۶۷ھ سنہ ۱۳۵۷ف سنہ ۱۹۴۸ء

مطبوعہ

دار الطبع جامعہ عثمانیہ سرکار عالی حیدرآباد دکن
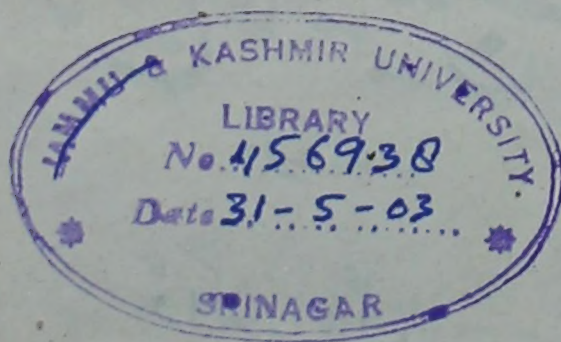
فہرست مضامین تاریخ فاطمیین مصر

ضمیمہ

فصل (۳۱)

اسماعیلی فرقے کی اہم شاخیں
فرقۂ قرامطہ

فرقۂ دروزیہ

فرقۂ نزاریہ یا خوجہ

فصل (۳۲)

اسماعیلیوں کے مخصوص مذہبی علوم

(ا) علم باطن یا تاویل اور اس کی مثالیں

(ب) علم حقیقت یا حقائق

تبصرہ

فہرست تصاویر و نقشہ جات

مقدّمہ

فاطمیین کی ایک مبسوط اور تنقیدی تاریخ کی ضرورت ۔ فاطمیین کے عہد کے تاریخی ماخذ ۔ تاریخ فاطمیین کے لیے ماخذ اسمٰعیلیہ کی ضرورت ۔ عام مورخین کی غلطیاں ۔ فاطمیین کی سیاسی اہمیت اور ان کے دور میں تمدن اسلامی کی ترقی ۔ فاطمیین کی برّی اور بحری قوت ۔ علوم کی اشاعت ۔ صنعت و حرفت کی ترقی ۔ فاطمیین کی دولت و ثروت ۔

فاطمیین کی ایک مبسوط اور تنقیدی تاریخ کی ضرورت

فاطمیین مصر (۲۹۷ھ تا ۵۶۷ھ) کی تاریخ اردو زبان میں اب تک کسی نے نہیں لکھی ۔ اردو تو اردو عربی میں بھی اس موضوع پر کوئی مستقل اور تنقیدی تاریخ موجود نہیں ہے ۔ البتہ مقریزی (احمد بن علی متوفی ۸۴۵ھ) نے اس دولت کے بہت کچھ واقعات اپنی کتاب "المواعظ والاعتبار فی ذکر الخطط والآثار"[1] میں جمع کر دیے ہیں ۔ لیکن وہ سب واقعات جیسا کہ اس کتاب کے نام سے ظاہر ہے خطط و آثار کے ضمن میں بیان کیے گئے ہیں ۔ خاص دولت فاطمیہ کی تاریخ پڑھنے والے کو ان کے مسلسل سمجھنے میں بڑی دشواری لاحق ہوتی ہے ۔ اگر مورخ مذکور کی ایک اہم تاریخ جو خاص دولت فاطمیہ پر بنام

[1] مطبوعہ قاہرہ (۱۳۲۶ھ)

"اتعاظ الحنفاء فی تاریخ الفاطمیین الخلفاء" لکھی گئی تھی موجود ہوتی تو بڑا فائدہ حاصل ہوتا۔ لیکن افسوس کہ اس تاریخ کا بیشتر حصہ ضایع ہوگیا ہے۔ اس کے چند اوراق خود مقریزی کے لکھے ہوئے کتب خانہ گوتھا (Gotha) میں محفوظ ہیں[1]۔ اور ایک کتاب کی شکل میں طبع ہو گئے ہیں جس کا حجم ۱۴۴ صفحے ہے[2]۔ مقریزی کے ہم عصر قلقشندی (ابو العباس احمد متوفی ۸۲۱ھ) نے اپنی کتاب "صبح الاعشیٰ فی صناعۃ الانشاء"[3] میں دولت فاطمیہ کے صرف نظام حکومت اور فاطمیین کی تقریبوں اور مظاہروں کی کیفیت لکھی ہے۔ مقریزی سے بیشتر ابن منجب الصیرفی (تاج الریاسۃ علی متوفی ۵۴۲ھ) نے اپنی تصنیف "الاشارۃ الی من نال الوزارۃ"[4] اور عمارۃ الیمنی (نجم الدین بن علی متوفی ۵۶۹ھ) نے اپنی کتاب "النکت العصریۃ فی اخبار الوزراء المصریۃ"[5] میں صرف وزراء مصر کا ذکر کیا ہے۔ علی ہذا القیاس کندی (محمد بن یوسف متوفی ۳۵۰ھ) اور ابن حجر العسقلانی (شہاب الدین احمد بن علی متوفی ۸۵۲ھ) نے اپنی تصنیفوں "کتاب الولاۃ والقضاۃ"[6] اور "رفع الاصر عن قضاۃ مصر"[7] میں صرف والیوں اور قاضیوں کا حال لکھا ہے۔

---

[1] Clement Huart, A History of Arabic Literature, P. 361.

[2] مطبوعہ قدس شریف ۱۹۰۹ء اس کتاب میں مہدی سے لے کر معز تک کے مختصر حالات ہیں۔ البتہ قرامطہ کا ذکر کچھ تفصیل سے ہے

[3] مطبوعہ قاہرہ (۱۹۱۳ — ۱۹۱۷ء)

[4] مطبوعہ قاہرہ (۱۹۲۴ء) یہ تاریخ خلیفہ آمر کے وزیر المامون البطائحی کے لیے لکھی گئی تھی۔

[5] مطبوعہ پیرس (۱۸۹۷ء)

[6] مطبوعہ بیروت (۱۹۰۸ء)

[7] مطبوعہ بیروت (۱۹۰۸ء)

حال ہی میں میرے ایک مصری دوست ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن مددگار پروفیسر تاریخ جامعۂ مصریہ نے " الفاطمیون فی مصر واعمالھم السیاسیہ والدینیۃ بوجہ خاصٍ" کے نام سے ایک کتاب شایع کی ہے[1]۔ یہ کتاب جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے فاطمیین مصر کی کوئی مفصل تاریخ نہیں کہی جا سکتی ۔ کیونکہ پروفیسر موصوف نے اس میں سیاسی واقعات کی تفصیل بالکل چھوڑ دی ہے ۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ جن خاص امور پر انھوں نے محققانہ بحث کی ہے وہ قابل ستایش و آفریں ہے ۔ میں اپنی اس تاریخ میں جہاں ضرورت ہو گی اس کتاب کا حوالہ دوں گا۔

جرمن زبان میں جو مستشرق " ووسٹن فلٹ " نے فاطمیین مصر کی تاریخ لکھی ہے وہ دولت فاطمیہ کی ایک مستقل تاریخ ہے[2] مگر وہ بھی جامعیت کے رتبے کو نہیں پہنچتی ۔ کیونکہ اس میں یمن کے زمانۂ مابعد کے اسماعیلیوں کی تاریخ نہیں پائی جاتی اور نہ اس میں عقائد اسماعیلیہ پر جن پر دولت فاطمیہ کی بنیاد ہے کوئی مفصل بحث ہے ۔ یہی حال پروفیسر اولیری کی مختصر تاریخ کا ہے جو انگریزی میں طبع ہوئی ہے[3]۔

فاطمیین کے عہد کے تاریخی مآخذ

خود فاطمیین مصر کے بعض ہم عصر مورخوں نے " خطط و آثار مصر" کے بیان کے

---

[1] یہ کتاب پروفیسر مذکور نے لندن یونیورسٹی کے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کرنے کے لیے پہلے انگریزی میں لکھی ہے۔ اس کے بعد اس کا ترجمہ عربی میں کیا جو مصر کے مطبع امیریہ میں شایع ہوا (۱۹۳۲ء)

[2] Gesehichte der Fatimiden-Chalifen nach Arabischen Quellen by F. Wustenfeld (Goltingen, 1881)

[3] A short History of the Fatimid Califate by De Lacy O'Leary, D.D (London 1923)

دوران میں ان کے کچھ واقعات بھی لکھے ہیں۔ ان میں ابن زولاق (الحسن بن ابراہیم بن الحسین المصری متوفی ۳۸۷ھ)۔ قضاعی (الفقیہ الشافعی محمد بن سلامۃ متوفی ۴۵۴ھ) اور ابن ابی البرکات النحوی (محمد متوفی ۵۲۰ھ) قابل ذکر ہیں۔ دولت فاطمیہ کے زوال کے بعد جنھوں نے خطط و آثار مصر کی تاریخیں لکھی ہیں ان میں القاضی الفاضل (عبداللہ بن عبدالظاہر متوفی ۵۹۶ھ[1])۔ جو آنی (محمد بن اسعد متوفی تقریباً ۶۰۰ھ) اور ابن المتوج (محمد بن عبدالوہاب بن المتوج متوفی ۷۳۰ھ) شامل ہیں۔
زمانۂ حال میں جو کتاب اس موضوع پر لکھی گئی ہے اس کا مصنف علی باشا مبارک ہے۔ یہ کتاب خطط و آثار مصر کے معلومات کا ایک بہترین اور نہایت مفید ذخیرہ ہے۔ مصنف نے اس کی تالیف میں بہت جد و جہد کی ہے[2]۔
گو مسبحی (محمد بن عبیداللہ متوفی ۴۲۰ھ) خطط و آثار کے مورخین میں شمار نہیں کیا گیا۔ لیکن اس نے بھی مصر کی ایک ضخیم تاریخ لکھی ہے جو

---

[1] - القاضی الفاضل کی کتاب کا نام "کتاب الروضۃ البہیۃ الزاہرۃ فی خطط المعزیۃ القاہرۃ" ہے۔ لیکن یہ کتاب اب مفقود ہے۔ اس کے متعدد حوالے مقریزی کی خطط میں پائے جاتے ہیں۔ اس قاضی نے اپنے زمانے کے مشہور شاعر القاضی السعید ہبۃ اللہ المعروف بابن سناء الملک متوفی ۶۰۸ھ کو یہ رائے دی تھی کہ وہ موسیٰ بن المامون البطائحی کی تاریخ معروف بہ "تاریخ مامونی" میں جس کا ذکر ابھی آئے گا اضافہ اور توسیع کرے۔ اور اس میں جو عصر فاطمی کے واقعات ہیں ان کی تنقیح بھی کرے۔ لیکن اس بات کا کوئی پتا نہیں چلتا کہ شاعر مذکور نے اپنے مربی کی تجویز کے مطابق کوئی تاریخ مدون کی یا نہیں (مقدمہ دیوان ابن سناء الملک ضمیمہ دوم۔ از افضل العلماء ڈاکٹر عبدالحق۔ پرنسپل و پروفیسر عربی محمڈن کالج۔ مدراس۔ بحوالۂ فصوص الفصول وعقود العقول نسخہ مخطوطہ اوراق ۱ے۔ ۲ے۔ کتب خانہ خدیویہ مصر)

[2] - یہ کتاب خدیو توفیق باشا کے حکم سے مطبع امیریہ (بولاق) میں مابین ۱۳۰۴ھ و ۱۳۰۵ھ میں شایع ہوئی۔ اس کا پورا نام "الخطط التوفیقیہ الجدیدۃ لمصر القاہرۃ ومدنہا وبلادہا القدیمۃ والشہیرۃ" ہے۔

کئی ہزار صفحوں پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ ابن المامون البطائحی (جمال الدین یا جمال الملک موسی بن المامون محمد بن فاتک البطائحی متوفی ۵۸۸ھ) ابن الطویر القیسرانی (عبد السلام بن محمد المصری الخطیب متوفی تقریباً سنہ ۶۱۷ھ) اور ابن میسّر (محمد بن علی بن یوسف متوفی ۶۷۷ھ[2]) بھی مصر کے مورخوں میں شامل ہیں۔ ان میں سے بعض تو بہت اہم ہیں۔ کیونکہ انھیں دولت فاطمیہ سے گہرا تعلق تھا۔ چنانچہ مُسبّحی امام حاکم کے مصاحبین میں شریک تھا۔ اور اس کی جانب سے القیس اور البھنسا کی ولایت پر بھی مامور تھا قضاعی امام مستنصر کے عہد میں قضا کے عہدہ پر مقرر کیا گیا تھا۔ اور موسی بن المامون کا باپ جو المامون البطائحی کے نام سے مشہور رہے ظہور کے آخری امام آمر کا وزیر تھا۔ میں نے ان میں سے اکثر مورخین کے سوانح فصل (۲۹) میں نقل کی ہیں۔ ان مورخین کی اکثر تاریخیں تلف ہوگئیں[3]۔ ان میں سے صرف تین کتابوں کا

---

[1] - اس مورخ نے قصر فاطمی کی تفصیلات بیان کی ہیں۔ اس سلسلے میں مقریزی نے "کتاب الذخائر والتحف" کا بھی حوالہ دیا ہے۔ جس کے مصنف کا نام غالباً مجلہ بن جامع ہے۔ (J. R. A. S.1902, Page 119)

[2] - ابن میسر کا باپ ابو الفرج ہبۃ اللہ شاید آمر کے عہد میں مصر کا قاضی تھا (مقریزی ۲/۳۳۲ دربیان جوسق ابن میسر)

[3] - اس کے مختلف اسباب ہو سکتے ہیں۔ (ا) مستنصر کے عہد میں ترکی فوج کی غارتگری اور لوٹ۔

(ب) صلاح الدین کے لشکر کے ذریعے کتب خانہ فاطمیہ کی بربادی فصل (۲۴) پروفیسر کازیری (Casiri) کی فہرست سے جو ۱۷۷۰ء میں شایع ہوئی۔ معلوم ہوتا ہے کہ مُسبّحی کی "تاریخ مصر" کی چار جلدیں کتب خانہ اسکوریال (اندلس) میں موجود ہیں۔ لیکن دیرنبورج (Derenbourge) کی فہرست میں جو ۱۹۲۸ء میں تیار ہوئی اس تاریخ کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ تاریخ مذکور مانند اور دوسرے

اب تک پتا لگا ہے[1] ۔ مقریزی نے اپنے مقدمے میں تمام کتابوں کا حوالہ دیا ہے[2] ۔ اور خوش قسمتی سے جتنی کتابیں اس کے زمانے تک موجود تھیں ۔ اُن سے فائدہ اٹھا کر ان کی روایتیں اپنی تاریخ "المواعظ والاعتبار" میں نقل کی ہیں ۔ ورنہ آج ہم اس نفیس ذخیرے سے محروم ہو جاتے ۔ اسی سبب سے اس کی تاریخ بہت مفید اور معتبر مانی جاتی ہے۔ مقریزی کے بعد جن مورخوں نے مصر کی تاریخیں لکھی ہیں ۔ ان میں ابن تغری بردی (جمال الدین بن یوسف متوفی ۸۷۴ھ[3]) سیوطی (عبدالرحمن ابن ابی بکر متوفی ۹۱۱ھ[4]) اور اس کا شاگرد ابن ایاس (محمد بن احمد متوفی ۹۳۰ھ[5]) مشہور ہیں[6] ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) مخطوطات کے اسکوریال کے خزانے سے بھی اب مفقود ہو گئی ہے ۔ (محمد عبداللہ عنان ۔ مصر الاسلامیہ و تاریخ الخطط المصریہ صفحہ ۳۷) ایسی ضایع شدہ کتابوں میں ابوالحسن محمد ساکن اسکندریہ کی "سیرۃ المعز" بھی شامل ہے ۔ جو کئی سال پیشتر اسکوریال کے کتب خانے میں موجود تھی ۔ لیکن اب وہاں بھی نہیں ہے ۔ Clement Huart, A History of Arabic Litt .P. 187

[1] (۱) کتاب فضائل مصر و اخبارہا و خواصہا لابن زولاق (نمبر ۱۸۱۷) (Bibliotheque Nationale Paris)

(۲) عیون المعارف و فنون اخبار الخلائف للقضاعی (نمبر ۱۴۹۱) Bibliotheque Nationale Paris)

(Ed:by Henri Masse Cairo1919)

(۳) تاریخ مصر لابن میسر

[2] ۔ مقریزی کی تاریخ میں جتنے مورخوں کا حوالہ ہے اُن کی فہرست پروفیسر گیسٹ (Guest) نے شایع کی ہے ۔ (J. R. A. S. 1902 pp., 103-125)

[3] النجوم الزاہرۃ فی ملوک مصر و القاہرۃ مطبوعہ دارالکتب العربیہ مصر ۱۳۵۵ھ ۔

[4] حسن المحاضرۃ فی اخبار مصر و القاہرۃ مطبوعہ مصر ۱۳۲۷ھ

[5] بدایع الزہور فی وقائع الدہور ۔ مطبوعہ امیریہ مصر ۱۳۱۱ھ ۔

[6] ۔ مصر کی (۵۷) تاریخوں اور ان کے مصنفین کے اسماء کے لیے ملاحظہ ہو:۔

مستشرقین میں اسٹانلی لین پول[1] اور پروفیسر مرجلیوث[2] نے مصر کی تاریخیں لکھی ہیں۔ مصر کی تاریخوں کے علاوہ عام اسلامی تاریخوں میں بھی جن کی فہرست " مآخذ تاریخ فاطمیین مصر میں درج ہے[3]۔ دولت فاطمیہ کے کچھ واقعات ضمناً مذکور ہوئے ہیں۔ کیونکہ اس دولت کا تعلق دوسری اسلامی دولتوں سے بھی تھا۔

۲۹۷ھ سے ۳۵۸ھ تک فاطمیین مصر بلاد مغرب میں رہے۔ اس کے بعد وہ مصر میں منتقل ہوئے اس زمانے کی تاریخ لکھنے والوں میں طبری (ابوجعفر محمد بن جریر متوفی سنہ ۳۱۰ھ) اوتیخا (یحییٰ بن سعید بن البطریق متوفی سنہ ۳۲۸ھ[4]) کندی (ابوعمر متوفی سنہ ۳۵۰ھ) عریب بن سعد القرطبی (متوفی سنہ ۳۶۶ھ[5]) ادرمسکویہ (ابوعلی متوفی سنہ ۴۲۱ھ) شامل ہیں۔ ابن سعید المغربی (علی بن موسی متوفی سنہ ۶۷۳ھ) نے اپنی کتاب " المغرب فی حد المغرب " میں مورخ ابن زولاق کی تاریخ کا صرف ایک جزء نقل کیا ہے[6]۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ W. Ahlwards, Cat. Vol. IX under No. 9845, Berlin Library

۱ (ا) Stanley Lane -Poole, History of Egypt in the Middle Ages, London.1912)

(ب) History of Cairo, London. 9 2

۲ - Prof. D. S. Margoliouth Cairo, Jerusalem and Damascus,

۳ - یہ فہرست اس کتاب کے آخر میں ہے۔

۴ - یحییٰ بن سعید کی تاریخ کا نام التاریخ المجموع علی التحقیق والتصدیق ہے۔ مطبوعہ بیروت سنہ ۱۹۰۹ء (الفاطمیون فی مصر صفحہ ۳۱۸)

۵ صلۃ تاریخ الطبری۔ طبع دی غویہ (De Goeje. Leiden 1897

۶ (الفاطمیون فی مصر صفحہ ۵)

فاطمیین کی تاریخ کے لیے ماٰخذ اسمٰعیلیہ کی ضرورت

مذکورۂ بالا بیان سے معلوم ہوگا کہ یہ تمام ماٰخذ غیر اسماعیلی ہیں اب تک کسی نے کتب فرقۂ "اسماعیلیہ" دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے اسماعیلی داعیوں کی تاریخوں اور ان کی مذہبی کتابوں سے فائدہ نہیں اٹھایا۔ بفضلہ تعالیٰ میرے پاس افتتاح الدعوۃ۔ استتار الامام۔ سیرۃ مؤیدیہ۔ عیون الاخبار[1]۔ نزہۃ الافکار[1] موجود ہیں۔ ان میں دعوت اسمٰعیلیہ کے ارتقا۔ ائمۂ مستورین کے واقعات۔ ایران میں دعوت اسمٰعیلیہ کی ترقی۔ یمن میں اسمٰعیلیوں کی زمانۂ مابعد کی تاریخ۔ ہندوستان میں اسمٰعیلیوں کی ابتدا اور ان کی سرگرمیوں وغیرہ کے متعلق ایسے معلومات ہیں جو عام تاریخوں میں نہیں پائے جاتے۔ اور یہی تاریخیں اسمٰعیلیوں کے پاس بہت معتبر ہیں۔ میں نے ان غیر مطبوعہ تاریخوں کی مدد سے اپنی اس تالیف میں استفادہ کیا ہے۔

علاوہ اس کے دولت فاطمیہ جیسا کہ ہم آئندہ بیان کریں گے ابتدا میں ایک اسمٰعیلی فرقے کی شکل میں تھی۔ رفتہ رفتہ اس کے ائمہ نے میدان سیاست میں قدم رکھا۔ اس لیے جب تک کہ فرقۂ مذکور کا مذہبی نظام سمجھ میں نہ آئے دولت فاطمیہ کی حقیقت سے واقفیت محال ہے۔ اس مقصد کی تکمیل کے لیے میں نے اسمٰعیلیوں کی چند معتبر مذہبی کتابوں مثلاً الرسالۃ الجامعۃ[3]۔ تاویل دعائم الاسلام[4]

---

[1] - اس تاریخ کا ایک کمل نسخہ کتب خانہ آصفیہ سرکار عالی نے حال ہی میں حاصل کیا ہے۔

[2] - ان کتابوں کے مصنفین کے اسما اور ان کی مختصر کیفیتیں "ماٰخذ تاریخ فاطمیین مصر" میں ملیں گی۔ ان میں "موسم بہار" بھی شامل ہے۔ جو حال ہی میں گجراتی زبان میں چھپی ہے۔ یہ الشیخ محمد علی مرحوم کی تصنیف ہے۔ دیکھئے "ماٰخذ تاریخ فاطمیین مصر" جو اس کتاب کے آخر میں درج ہے۔

[3] - یہ رسالہ رسائل اخوان الصفا کے سلسلے کا تریپنواں (۵۳) رسالہ ہے۔ اس کا ایک مخطوطہ نسخہ پیرس (فرانس) کے کتب خانے میں بھی موجود ہے۔ (فصل ۳۴)

[4] - فن تاویل پر قاضی نعمان بن محمد کی مستند کتاب ہے۔ فصل (۲۹)

راحۃ العقل[1] ۔ زہر المعانی[2] ۔ رسالہ مبدء و معاد[3] ۔ کے حوالوں سے فصول (۳۲ - ۳۳ - ۳۴ اور ۳۵) میں اسمٰعیلیوں کے علوم ۔ عقائد اور ان کی دعوت کے مذہبی نظام پر کافی روشنی ڈالی ہے ۔ یہ کتابیں کبھی اب تک شایع نہیں ہوئیں[4] ۔ ان کے مخطوط نسخے میرے پاس موجود ہیں ۔ ان کی مختصر کیفیت "فہرست ماٰخذ تاریخ فاطمیین مصر" میں ملے گی جو اس کتاب کے آخر میں درج ہے ۔

خوش قسمتی سے اسمٰعیلیوں کے مشہور سیّاح ناصر خسرو کی اکثر تصنیفیں مثلاً سفر نامہ ۔ زاد المسافرین ۔ روشنائی نامہ ۔ سعادت نامہ ۔ اور وجہ دین جو موضوع مذکور پر لکھی گئی تھیں ۔ حال ہی میں شہر برلن کے کاویانی پریس میں زیور طبع سے آراستہ ہو کر شایع ہو گئی ہیں[5] ۔

بہر حال میں نے مصری اور عام اسلامی تاریخوں کے علاوہ خاص اسمٰعیلیوں کی تاریخوں اور مذہبی کتابوں اور رسالوں سے معلومات فراہم کر کے دولتِ فاطمیہ کی صحیح جامع اور مفصل تاریخ لکھنے کی کوشش کی ہے ۔ اور ان غلطیوں کو درست کیا ہے جو اکثر مورخین کی ناواقفیت کی وجہ سے واقع ہوئی ہیں ۔ ایسی غلطیوں کے چند نمونے ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں :-

عام مورخین کی غلطیاں

(۱) جہاں کہیں عام مورخین نے سلسلۃ النسل آئمہ کا

---

[1] ۔ توحید ۔ عقل ۔ نفس ۔ ادوار سبعہ ۔ بعث اور قیامت وغیرہ کے مسائل پر داعی احمد حمید الدین کی بہت معتبر تصنیف ہے ۔ (فصل ۲۹)

[2] ۔ یہ کتاب داعی ادریس بن حسن کی ہے ۔ اس میں توحید وغیرہ کے مسائل کے علاوہ أئمۂ فاطمیین کی مختصر تاریخ بھی ہے ۔ فصل (۲۵)

[3] ۔ یہ ستر کے یمنی داعی علی بن حنظلہ کا مختصر رسالہ ہے ۔ اس میں عالم روحانی اور عالم جسمانی کی ابتدا اور انتہا کی کیفیت ہے ۔

[4] ۔ ان کے مصنفین کے نام اور ان کی مختصر سوانح کے لیے ملاحظہ ہو فصل (۲۹)

[5] ۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو فصل (۲۹)

ذکر کیا ہے ۔ وہاں حضرت علیؑ کو امام اول بتایا ہے اور اس طرح سلسلہ قایم کیا ہے ۔ (۱) حضرت امام علیؓ (۲) امام حسنؓ (۳) امام حسینؓ (۴) امام علی زین العابدینؓ (۵) امام محمد الباقرؒ (۶) امام جعفر الصادقؒ (۷) امام اسمٰعیل۔ اس طرح امام اسمٰعیل کو ساتواں امام شمار کیا ہے۔ حالانکہ حضرت علیؓ عقائد اسمٰعیلیہ کے مطابق امام اول نہیں ہیں ۔ اسمٰعیلیوں کے ہاں امامت کا سلسلہ حضرت امام حسنؓ سے شروع ہوتا ہے۔ حضرت علیؓ تو اساس اور وصی ہیں۔ البتہ فرقۂ اثنا عشریہ نے حضرت علیؓ کو بھی ائمہ کے سلسلے میں شریک کیا ہے ۔ اس طرح سے ان کے عقیدے کے مطابق بارھویں امام محمد المنتظر ہیں ۔ مورخین نے اسی پر قیاس کرکے ائمہ فرقۂ اسمٰعیلیہ کے سلسلے میں حضرت علیؓ کو بھی امام اول قرار دیا ہے۔ لیکن اسمٰعیلیہ کے عقیدے کی رو سے یہ بالکل غلط ہے ۔ اِن کے ہاں حضرت امام حسنؓ پہلے امام ہیں ۔ اور ساتویں امام اسمٰعیل کے فرزند محمد ہیں جو سابغ النطقا کہے جاتے ہیں۔ اسمٰعیلی عقائد کا بڑا دارومدار اس عدد پر ہے جیسا کہ ہم آئندہ بیان کریں گے[1]

(۲) اکثر مورخین نے حافظ کو دولتِ فاطمیہ کے ائمہ میں شریک کرلیا ہے اور سلسلۂ ائمہ کو عاضد تک پہنچایا ہے ۔ حالانکہ حافظ اسمٰعیلیوں کے اعتقاد کے لحاظ سے امام نہیں بلکہ کفیلِ امام ہے ۔ کیونکہ آمر کے قتل کے بعد خود حافظ نے جو فرمان دارالخلافہ میں پڑھا اس کا خلاصہ یہ ہے "اِس خاندان (اہلبیتِ رسول اللہؐ) کا کوئی امام منتقل نہیں ہوتا جب تک کہ وہ اپنا جانشین مقرر نہ کرجائے ۔ امامت کا مستحق ایک لڑکا ہے جو عنقریب پیدا ہونے والا ہے"۔ لوگوں نے بھی ابتدا میں جو حافظ سے بیعت کی وہ اس کے کفیل یا نائب ہونے کی حیثیت سے کی نہ کہ امام ہونے کی حیثیت سے ۔ اس کے بعد حافظ کو سلسلۂ ائمہ میں شریک کرنا درست

[1] ۔ فصل (۳۵)

نہیں ہے۔ مورخین نے لکھا ہے کہ آمر کے انتقال کے وقت ان کی ایک بیوی حاملہ تھی۔ جب وضع حمل ہوا تو معلوم ہوا کہ مولود لڑکی ہے۔ لہذا حافظ امام بن گیا[1] مگر اس کے ساتھ ساتھ ایک دوسرا واقعہ یہ بھی ہے جیسے مقریزی نے مسجد الرحمتہ کے ذکر میں اس طرح بیان کیا ہے کہ آمر کا ایک چھوٹا بچہ تھا جو اس کے قتل کے بعد خفیہ طور پر گوشت اور ترکاری کی زنبیل میں قصر سے منتقل کر دیا گیا۔ اس کی پرورش مسجد الرحمتہ میں اس طرح ہوئی کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے پائی[2] مورخ ادریس کی روایت کے مطابق یہ لڑکا سن بلوغ کو پہنچا اور اس کی نسل میں امامت کا سلسلہ جاری رہا۔ حافظ۔ ظافر۔ فائز اور عاضد کفلا کی حیثیت سے حکومت کا کام انجام دیتے رہے۔ یہاں تک کہ عاضد پر کفالت یا نیابت کا عہدہ بھی ختم ہو گیا۔ اس لحاظ سے ائمۂ ظہور کی تعداد دس ہوئی نہ کہ چودہ جیسا کہ اکثر مورخوں نے لکھا ہے۔ غالباً اسی لڑکے کی موجودگی کے باعث مقریزی کو دولت فاطمیہ کے ائمہ کی تعداد میں شک پیدا ہوا جس کی وجہ سے اس نے ائمہ کی پوری تعداد نہیں بتائی اور اس مقام پر لفظ "عشر" کے قبل جگہ خالی چھوڑ دی ہے[3] ورنہ یہ مورخ ایسا گزرا ہے جس نے مصر کے چپے چپے کی تاریخ لکھی ہے۔ اور تفصیل سے ہر گلی کوچے کے جزئیات بیان کیے ہیں۔ اگر اسے کچھ بھی یقین ہوتا تو ضرور ائمہ کی پوری تعداد لکھ دیتا۔

(۳) مہدی باللہ کا نام تمام مورخوں نے "عبید اللہ" لکھا ہے۔ مگر حقیقت میں اس کا نام عبد اللہ ہے۔ تقیہ کے لیے اس نے اپنا نام

۱ـ ابن خلدون $\frac{۴}{۷۱}$ ـ ابن خلکان $\frac{۱}{۳۰۹ - ۳۱۰}$ ۔ ابن الاثیر $\frac{۱۰}{۲۸۳}$

۲ـ مقریزی $\frac{۴}{۳۲۴ - ۳۲۵}$ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو فصل (۲۱)۔

۳ـ ھکذا بیاض بالاصل ولعلہ اربعتہ عشر رجلاً کما یعلم من بعض التواریخ (حاشیہ مقریزی $\frac{۲}{۱۶۰}$)

عبید اللہ رکھا تھا۔[1]

(۴) بعض مورخین مثلاً جمال الدین وغیرہ نے قرامطہ کو فرقہ اسمٰعیلیہ کی اصل قرار دیا ہے۔ اس رائے کی تقلید اسٹانلی لین پول نے بھی کی ہے۔[2] حالانکہ یہ سراسر خلاف واقعہ ہے۔ قرامطہ فرقۂ اسمٰعیلیہ کی منجملہ اور شاخوں کے ایک شاخ ہے جیسا کہ آیندہ معلوم ہوگا۔[3]

یہ غلطیاں ہم نے مثال کے طور پر بتائی ہیں۔ ہم اپنی تاریخ میں ایسی اور غلطیوں کو معرض تنقید میں لاکران کی اصلاح کرنے کی کوشش کریں گے۔ بوجوہ مذکورۂ بالا دولتِ فاطمیہ کی ایک ایسی مکمل اور تنقیدی تاریخ لکھنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے جس میں اس دولت کے ہر پہلو پر کافی روشنی ڈالی جائے اور واقعات کا مقابلہ مختلف ذرایع سے کرکے ان کی تنقید کی جائے۔ اور جتنا بھی مواد اسمٰعیلیوں یا غیر اسمٰعیلیوں یا مستشرقین کی کتابوں سے مل سکے فراہم کیا جائے۔

فاطمیین کی سیاسی اہمیت اور ان کے دور میں تمدن اسلامی کی ترقی

یہ دولت صرف مذہبی حیثیت سے ہی نہیں بلکہ سیاسی حیثیت سے بھی اہم اور توجہ کے قابل ہے۔ اس کی اہمیت اس کی وسعت سے ظاہر ہے مغرب اور مصر کے علاوہ اس کا اثر شام۔ فلسطین۔ حجاز۔ یمن۔ بغداد اور فارس میں بھی پھیل گیا تھا۔ دولت رومیہ کے ساتھ بھی اس دولت کے اہم سیاسی تعلقات تھے۔ چنانچہ ان دونوں دولتوں کے درمیان کئی معرکے ہوئے۔ اس دولت کی دیرپائی یعنی اس کا (۲۷۰) سال باقی رہنا ہی اس کی سیاسی اہمیت کا بیّن ثبوت ہے۔ یہ زمانہ تمام ہم عصر دول اسلامیہ یعنی سامانیہ۔ بویہتیہ۔ غزنویہ۔ حمدانیہ کی

---

[1] ابن خلکان $\frac{1}{۲۷۲}$

[2] (A History of Egypt, p. 94)

[3] فصل (۳۱)

مدتوں سے زیادہ طویل ہے۔ یہاں ہم مختصر طور پر چند امور کی طرف توجہ دلاتے ہیں جن سے واضح ہوگا کہ دولت فاطمیہ منجملہ اور دول اسلامیہ کے ایک اہم ترین دولت تھی۔

فاطمیین کی بری اور بحری قوت

بری افواج میں کتامی۔ زویلی۔ رومی۔ صقلبی و بربری سپاہیوں کے علاوہ جو کثیر تعداد میں شامل تھے صرف سودانی غلاموں کی تعداد مستنصر کے زمانے میں دس ہزار تھی۔[1] بحری قوت کے متعلق مقریزی لکھتا ہے کہ بنو فاطمہ کے زمانے میں جیسا بحری بیڑہ تھا ویسا کسی زمانے میں جب سے کہ اسلام نے مصر پر فتح حاصل کی تھی نہ تھا۔ اساطیل یعنی جنگی جہازوں کی تعداد سولہ ہزار تھی۔[2] اس سے اندازہ ہو سکتا ہے۔ کہ فاطمیین کی بحری قوت کیسی ہوگی۔

علوم کی اشاعت

بنو فاطمہ کے دار العلم کی تعریف مقریزی نے متعدد مقامات پر کی ہے۔ ایک مقام پر مورخ مذکور کے الفاظ یہ ہیں۔ "مالم یر مثلہ مجتمعاً لاحد قط من الملوک"۔ قرأت۔ حدیث۔ فقہ۔ نحو۔ حساب۔ نجوم۔ منطق۔ فلسفہ وغیرہ کی کتابیں لاکھوں کی تعداد میں موجود تھیں۔ ہر کتاب کے متعدد نسخے کتب خانے میں تھے۔ چنانچہ تاریخ طبری کے نسخے باوجود اس کی ضخامت کے تقریباً بیس تھے۔ ایک شخص مُغزّ کے پاس "کتاب الخلیل فی النحو" کا ایک نسخہ بطور ہدیہ لایا۔ مغز نے اپنے خزانے میں دریافت کرایا تو معلوم ہوا کہ خود مصنف کے ہاتھ کا قلمی نسخہ اس کے کتب خانے میں موجود ہے۔

[1] ۔ فوج کی مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو (فصل ۱۸)

[2] ۔ اساطیل کا واحد اسطول ہے جس کے معنے بحری جنگی بیڑے کے ہیں۔ یہ لفظ عجمی ہے جو عصر اول کے بعد عرب میں رائج ہوا۔ مقریزی نے اس کی مفصل تاریخ لکھی ہے۔ (مقریزی ۳ / ۲۰۷ - ۲۱۷ و شفاء العلیل فیما فی کلام العرب من الدخیل تالیف شہاب الدین احمد الخفاجی صفحہ ۳۳)۔ سولہ ہزار کی تعداد جرجی زیدان نے بتائی ہے (تاریخ مصر الحدیث صفحہ ۲۹۶)۔

جملہ کتب کی تعداد چھ لاکھ بتائی جاتی ہے[1] افضل نے جو رصدگاہ بنوائی تھی وہ اسلامی دنیا میں بے نظیر تھی[2]

صنعت و حرفت کی ترقی

صنعتی ترقی کے آثار زمانۂ حال میں بھی مصر اور یورپ کے عجائب خانوں میں موجود ہیں۔ بنو فاطمہ کے زمانے میں قاہرہ اہل صنعت و حرفت کا مرکز بنا ہوا تھا[3]۔ حافظ کے زمانے میں جو طبل درد قولنج کے دفع کرنے کے لیے تیار کیا گیا تھا اس کی حقیقت اب تک کسی کو معلوم نہ ہو سکی[4]۔

فاطمیین کی دولت و ثروت

بنو فاطمہ کے قصر میں چند عمارتیں تھیں جو "خزائن" کے نام سے مشہور تھیں۔ تمام قسم کی ضروریاتِ زندگی کی چیزیں ان میں جمع کی گئی تھیں۔ جواہرات کے خزانوں میں ایسے جواہرات تھے جو اور ممالک کے خزانوں میں کمیاب تھے۔ مستنصر کے زمانے میں جب مصر میں قحط پڑا تو خزانۂ جواہرات کا ایک صندوق کھولا گیا جس میں سات زمرد کے ٹکڑے نکلے۔ جوہریوں سے ان کی قیمت دریافت کی گئی۔ جوہریوں نے جواب دیا کہ "کسی شے کی قیمت اس وقت ہو سکتی ہے جب اس کی نظیر موجود ہو" معز کی بیٹیوں نے جو ترکہ چھوڑا اس کی قیمت کا اندازہ حیرت انگیز ہے[5]

زمانۂ حال کے مورخوں میں جرجی زیدان اپنی کتاب "تاریخ مصر الحدیث" میں لکھتا ہے کہ شاید کسی کو یہ خیال پیدا ہو کہ تاریخی کتابوں میں بنو فاطمہ کی دولت و ثروت کے متعلق جو لکھا گیا ہے وہ مبالغے سے خالی نہیں۔ مگر اس کو

---

[1] ۔ کتب خانے کا مفصل ذکر فصل (۲۹)

[2] ۔ (فصل ۲۰)

[3] ۔ صنعت و حرفت کی ترقی کے لیے ملاحظہ ہو فصل (۲۹)

[4] ۔ حافظ کی وفات (فصل ۲۱)

[5] ۔ فصل (۳۰) ۔

یاد رکھنا چاہیے کہ مصر ہمیشہ اپنی زرخیزی میں مشہور رہا ہے چنانچہ لوگوں کا یہ قول ہے "من دَخَلَ مصر ولم یستغن فلا اغناہ اللّٰہ" (یہ قول ایک بڑھیا کا ہے جو مامون کے زمانے میں مصر میں تھی) دوسری بات توجہ کے قابل یہ ہے کہ بنو فاطمہ کی دولت و ثروت کا ذکر مختلف تاریخوں میں پایا جاتا ہے بلکہ بعض مورخوں نے توچشم دید حالات قلمبند کیے ہیں۔ ان میں سے ایک "ابن الاثیر" بھی ہے جو کہتا ہے:۔ وحُمِلَ الجمیع الی صلاح الدین وکان من کثرتہ یخرج عن الاحصاء وفیہ من الاعلاق النفیسۃ والاشیاء الغریبۃ ما تخلو الدنیا من مثلہ ومن الجواھر التی لم توجد عند غیرھم فمنہ الجبلُ الیاقوتُ وزنہ سبعۃ عشر درھمًا او ۱۷ مثقالاً انا لا اشک فیہ لانی رأیتہ ووزنتہ واللؤلؤ الذی لم یوجد مثلہ ومنہ القضاب الزمرد الذی طولہ اربع اصابع فی عرض عقد کبیر[1]

---

[1] ۔ جرجی زیدان (تاریخ مصر الحدیث ۱/۲۸۱) بحوالہ ابن الاثیر ۱۱/۱۶۵ ۔

جامع ازہر - بیرونی دروازہ -

پروس جامعہ عثمانیہ
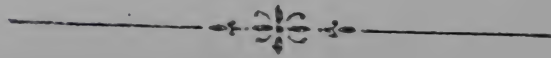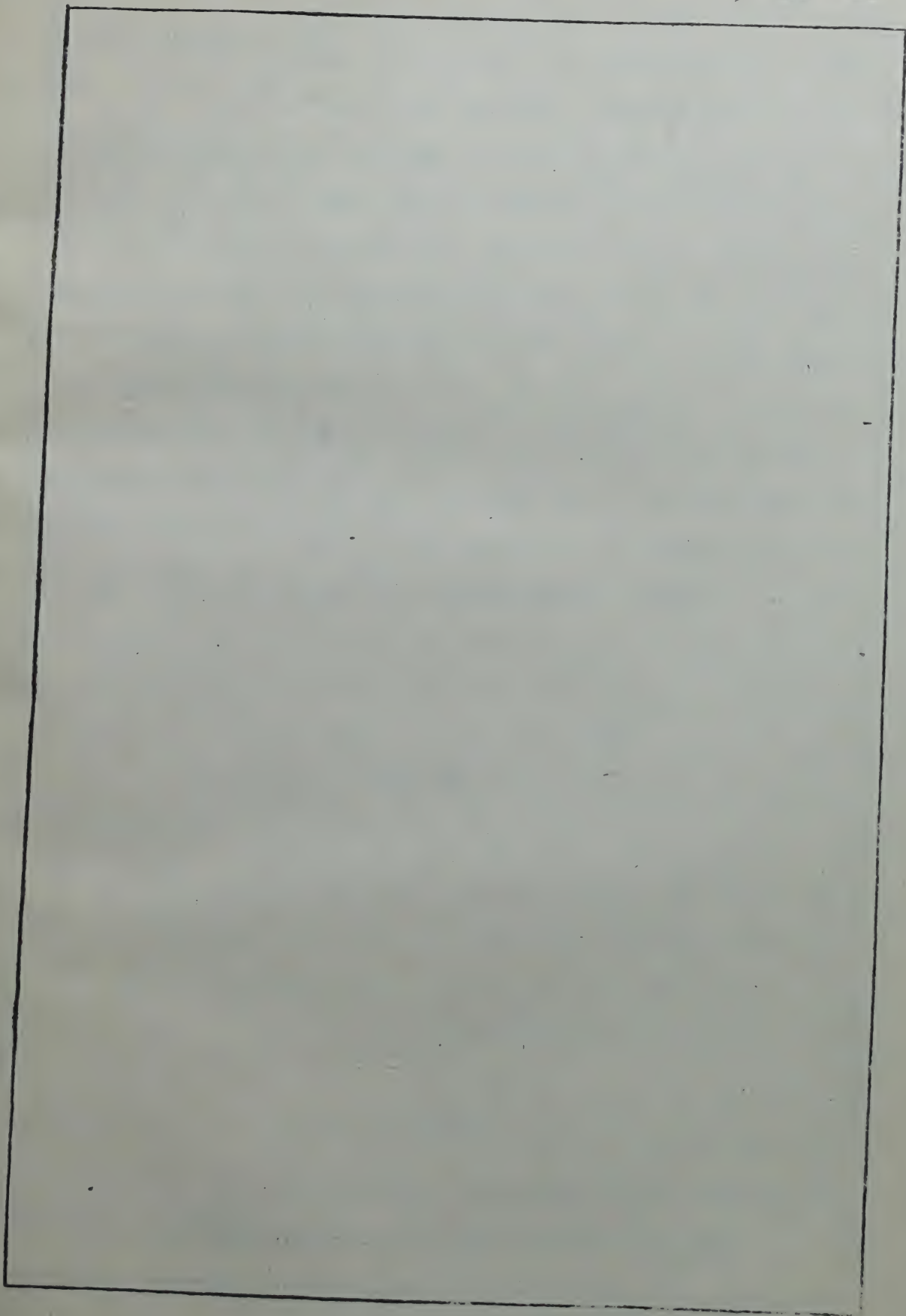
فصل (۱)

دولت فاطمیہ کی تعریف اور اس کی ابتدا

نص و توقیف کا اصول

دولت فاطمیہ کی تعریف اور اس کی ابتدا

جو امام حضرت فاطمہؓ کی نسل سے ہو وہ فاطمی ہے۔ اس لحاظ سے ائمہ زیدیہ اور ائمہ اثنا عشریہ وغیرہ بھی فاطمی کہے جا سکتے ہیں۔ مگر تاریخ میں "دولت فاطمیہ" کے نام سے وہی دولت مشہور ہوگئی ہے جس کی ابتدا افریقیہ[1] میں ۲۹۷ھ میں اور انتہا مصر میں ۵۶۷ھ میں ہوئی۔ اس کے حکمران "خلفائے عبیدیون" یا خلفائے فاطمیون کہلاتے ہیں۔[2]

---

[1] - اس سے مراد افریقہ کا وہ شمالی حصہ ہے جو مراکش اور برقہ کے درمیان ہے۔

[2] - ابن خلدون ۴/۴۸ - مقریزی ۲/۱۶۰ - عُبیدیون اس وجہ سے کہ ان کے جد اکبر کا نام عبید اللہ المہدی تھا۔ لیکن اسمٰعیلیوں کے ہاں ان کا نام عبد اللہ المہدی ہے۔ جیسا کہ ہم نے مقدمے میں بیان کیا ہے۔

گو دولت فاطمیہ کا ۲۹۷ھ میں بمقام رقادہ (افریقیہ) ظہور ہوا لیکن اُس کی ابتدا کا ذکر تاریخ میں تقریباً ڈیڑھ سو سال پیشتر پایا جاتا ہے۔ ۱۴۵ھ ہی میں امام جعفر صادق نے عقائد اہلِ بیت کی تعلیم کے لیے دو داعی حلوانی اور ابو سفیان افریقیہ میں بھیجے اور ان کو ہدایت کی کہ افریقیہ کی زمین غیر مزروعہ پڑی ہے۔ جاؤ اور اس میں ہل چلاؤ جب تک کہ بیج بونے والا وہاں پہنچے[1]۔ ان داعیوں نے قبائل بربر میں عقائد اہلِ بیت کی اشاعت کی اور بہت لوگوں کو اپنا معتقد بنا لیا خصوصاً قبیلہ کتامہ میں ان کو بڑی کامیابی حاصل ہوئی۔ یہی وہ قبیلہ ہے جس کی مدد سے دولت فاطمیہ نے سارے بلادِ مغرب (افریقیہ) پر قبضہ حاصل کر لیا تھا۔ افریقیہ میں دعوت فاطمیہ کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ ابو عبد اللہ شیعی (داعی مہدی) کے افریقیہ جانے سے پیشتر وہاں بنو فاطمہ کی طرف سے ابو حیون معروف بہ مفتش اور احمد بن خلیع موجود تھے[2]۔ مدینہ منورہ میں خود امام جعفر صادق لوگوں کو توحید کی تعلیم دیتے تھے بہت سے مسلمانوں نے آپ کی تعلیم سے فائدہ اٹھایا۔ چنانچہ جعفر بن حیان مشہور صوفی آپ کے شاگردوں میں سے ہیں۔ ان کی تصنیفیں توحید اور دیگر فنون میں مشہور رہی ہیں[3]۔

نص و توقیت کا اصول

دولت فاطمیہ نے اسمٰعیلیہ کی حیثیت سے جو منجملہ شیعی فرقوں کے ایک فرقہ سمجھا جاتا ہے جیسا کہ آئندہ فصل میں معلوم ہوگا۔ ترقی کرتے کرتے تیسری صدی کے

[1] ۔ افتتاح الدعوۃ صفحہ ۲۶ ۔ ابن خلدون ۴/۳۱ ۔ مقریزی نے "الخطط" میں ابو سفیان کی بجائے ابو یوسف لکھا ہے ۔ مگر اسی مورخ کی دوسری کتاب "اتعاظ الحنفاء" میں ابو سفیان ہی ہے جو صحیح ہے (افتتاح الدعوۃ ۲۱ ۔ ۲۶)

[2] ۔ افتتاح الدعوۃ صفحہ ۲۶ ۔ عیون الاخبار ۵/۳۹ و شرح الاخبار (پندرھواں جزو) ۔

[3] ۔ ابن ندیم صفحہ ۴۹۸ ۔ حال ہی میں جرمن مستشرق (P.Graus) نے "مختار رسائل جابر بن حیان" شائع کی ہے ۔

آخر میں سیاست کے میدان میں قدم رکھا۔ فرقۂ شیعہ کی ابتدا۔ اس کے اسباب۔ اس کے اصول و عقائد اور اس کے ارتقا پر متعدد کتابیں شایع ہو چکی ہیں[۱] اُن کو دُہرانا تحصیل حاصل ہے۔ یہاں صرف اتنا بیان کرنا ضروری ہے کہ سب سے بڑا اصول اس مذہب کا یہ ہے کہ خلافت کا قیام اجماعِ امت سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ یعنی خلیفہ کا قایم کرنا امت کے اختیار میں نہیں ہے۔ بلکہ خدائے تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ چنانچہ حضرت رسالت مآب صلعم کو خود اللہ تعالیٰ نے اپنا رسول بنایا۔ آپ نے خدا کے حکم سے حضرت علی کو اپنا خلیفہ مقرر کیا۔ اسی طرح خلفا کا قیام یکے بعد دیگرے جاری رہا اور قیامت تک جاری رہے گا۔ بہر حال کسی خلیفہ کی خلافت بغیر نص و توقیف کے درست نہیں ہو سکتی۔ اسی لیے اس اصول کے ماننے والے اہل نص و توقیف کہلاتے ہیں اور عام طور پر یہ امامیہ کے نام سے مشہور ہیں[۲] ان کے ہاں اجماع و انتخاب کو مذہب میں کوئی دخل نہیں۔ یہی ایک بڑا امتیاز ہے جو ان کے اور اہل سنت و جماعت کے درمیان ہے۔ علاوہ اس اصولی اور بنیادی امتیاز کے حضرت فاطمہ رض کی نسل سے ہر زمانے میں ایک امام کے وجود کی ضرورت خواہ وہ ظاہر ہو یا کسی مصلحت سے مستور۔ قرآن کی

---

[۱] - (ا) عام اسلامی تاریخیں خصوصاً تاریخ الامامۃ والسیاسۃ لابن قتیبہ (ب) رسائل الخوارزمی صفحہ ۱۳۰ - ۱۳۴ - اور رسائل بدیع الزمان الہمدانی۔ صفحہ ۴۲۱ - ۴۲۷ - ابوبکر الخوارزمی متوفی ۳۸۳ھ شیعی تھا اور بدیع الزمان الہمدانی متوفی ۳۹۸ھ سنی تھا۔ دونوں ہم عصر تھے۔ ان کے درمیان مختلف مباحث ہوئے۔ اس موضوع پر یہ رسائل قدیم تصنیفوں میں سے ہیں۔ حسن ابراہیم حسن۔ پروفیسر تاریخ۔ جامعہ مصریہ نے ان کا حوالہ دیا ہے (الفاطمیون فی مصر صفحہ ۲۳ - ۲۴)

[۲] - ابن خلدون $\frac{۴}{۲۸ - ۲۹}$

مخفی تاویل اور قایم القیامہ کا ظہور تمام شیعی فرقوں کی خصوصیتوں میں شامل ہیں ۔ اسمعیلیہ کے مخصوص عقائد، تاویل (علم باطن) ۔ حقیقت (علم مبدء و معاد) کے اہم مسائل ہم آئندہ فصلوں میں علٰحدہ علٰحدہ بیان کریں گے جیساکہ ہم نے اپنے مقدمے میں وعدہ کیا ہے ۔ تاکہ دولت فاطمیہ کے مذہبی نظام کی حقیقت جس پر ان کا سیاسی نظام قایم ہے منکشف ہو جائے اور اس کے مقاصد و مطالب سمجھ میں آجائیں[1]

---

[1] ۔ فصول ۔ ۳۲ ۔ ۳۳ ۔ ۳۴ ۔ ۳۵ ۔

فصل (۲)

شیعوں کے چند مشہور اور اہم فرقے

فرقہ کیسانیہ - فرقہ زیدیہ - فرقہ اسمٰعیلیہ - فرقہ موسویہ یا اثنا عشریہ - حضرت امام حسن رض کی اولاد - شجرۂ خاندان حضرت علی رض -

اب ہم یہاں صرف چند مشہور شیعی فرقوں کی مختصر کیفیت بترتیب سنین کے لحاظ سے بیان کرتے ہیں جو تاریخی حیثیت سے اہمیت رکھتے ہیں اور جن کا اجمالی علم اس تاریخ کے پڑھنے والوں کے لیے ضروری ہے - جو شخص ان کی تفصیلی تاریخ معلوم کرنا چاہتا ہے اُسے چاہیے کہ "الفرق بین الفرق"[1] - "الفصل فی الملل والاہواء والنحل"[2] - "الملل والنحل"[3] اور فہرست ابن ندیم[4] کا مطالعہ کرے -

---

[1] - بغدادی (متوفی ۴۲۹ھ) صفحہ ۲۶۵ - ۲۹۹ - [2] - ابن حزم (متوفی ۴۵۶ھ) $\frac{۴}{۱۷۹ - ۱۸۸}$
[3] - شہرستانی (متوفی ۵۴۸ھ) صفحہ ۴ - ۷ - ۹۴ - [4] - صفحہ ۲۴۹ - ۲۵۴ - ۲۶۴ - ۲۶۷ -

(۱) فرقہ کیسانیہ سب سے پہلا فرقہ کیسانیہ ہے جو حضرت امام حسینؓ کی شہادت کے بعد محمد بن الحنفیہ کو چوتھا امام مانتا ہے۔ یہ حضرت علیؓ کی دوسری بیوی حنفیہ کے بطن سے ہیں۔ اسی وجہ سے ابن الحنفیہ کہلاتے ہیں۔ اس فرقے کا بانی حضرت علیؓ کا ایک آزاد کردہ غلام ہے جس کا نام کیسان ہے۔ کہا جاتا ہے کہ خود محمد بن الحنفیہ نے امامت کا کبھی دعویٰ نہیں کیا۔ بلکہ اپنے امام ہونے سے انکار کیا۔[۱] ان کے اتباع نے نہ مانا اور ان کو امام مانتے رہے۔ ان کے انتقال کے بعد ان کے فرزند ابو ہاشم عبد اللہ کو اپنا پانچواں امام بنا لیا جن کو ہشام ابن عبد الملک (خلیفۂ اموی) نے ۹۶ھ میں زہر سے مروا ڈالا۔ چونکہ ابو ہاشم کے کوئی بیٹا نہ تھا جو ان کی امامت کا وارث ہوتا لہٰذا انھوں نے اپنے انتقال کے وقت اپنا حق امامت بنو عباس کے ایک فرد محمد بن علی ابن عبد اللہ بن عباس کو بخش دیا۔ اس کے اسباب ہم آئندہ فصل چہارم میں بیان کریں گے۔ ابو ہاشم کے اتباع ہاشمیہ کہلانے لگے۔ ان کا اعتقاد یہ ہے کہ محمد بن الحنفیہ کی وفات کے بعد حق امامت ان کے فرزند ابو ہاشم کی طرف منتقل ہوا۔ ابو ہاشم کی وفات کے بعد ان کے اتباع میں پانچ فرقے ہو گئے۔[۲] ایک نے تو محمد بن علی بن عبد اللہ بن عباس کی امامت تسلیم کی۔ دوسرے نے ان کی امامت سے انکار کیا اور کہا کہ ابو ہاشم کے بعد ان کا بھتیجا حسن بن علی بن محمد بن الحنفیہ امام ہے۔ محمد بن علی کے بعد حق امامت کا وارث اس کا بیٹا ابراہیم ہوا جو امام ابراہیم کہلاتا ہے۔ اس کے بعد اس کا بھائی ابو العباس عبد اللہ اس کا جانشین ہوا جو سفاح کے لقب سے مشہور ہے اور بنو عباس کا پہلا خلیفہ ہے۔[۳] اسی حق کے ملنے سے بنو عباس اپنے کو خلافت کے مستحق سمجھتے تھے۔

[۱] - ابن خلدون ۲/۱ - شہرستانی ۶۷ -
[۲] - ان فرقوں کے نام تاریخ میں نہیں پائے جاتے۔ (شہرستانی صفحہ ۶۹)
[۳] - خلافت بنو عباس کا قیام ۱۳۲ھ میں ہوا۔

یہ ظاہر ہے کہ محمد بن علی کو خاندانِ حضرت علیؓ سے کوئی تعلق نہ تھا۔ ابوہاشم کی وجہ سے جن کا ذکر ابھی ہو چکا ہے اس فرقے کا نام کیسانیہ سے ہاشمیہ ہوگیا۔ رفتہ رفتہ اس فرقے کا زور بڑھتا گیا۔ خلافت بنو امیہ کی بیخ کنی میں جن لوگوں نے زیادہ حصہ لیا اُن میں اس فرقے کے افراد زیادہ شامل تھے۔

(۲) فرقہ زیدیہ دوسرا فرقہ زیدیہ کہلاتا ہے۔ یہ فرقہ زید بن حضرت امام علی زین العابدینؑ کی امامت کا قائل ہے۔ زید نے ہشام بن عبدالملک (خلیفہ اموی) کے عہد میں صوبہ عراق میں لشکرکشی کی اور مارے گئے۔ ان کے بعد ان کے اتباع شمالی فارس میں جا بسے۔ آج کل بھی یہ لوگ کثرت سے یمن میں موجود ہیں۔ یمن کا موجودہ والی یحییٰ حمید الدین اسی فرقے سے تعلق رکھتا ہے۔ شیعی فرقوں میں یہ پہلا فرقہ ہے جو باوجود حضرت علی کو جملہ صحابہ سے افضل ماننے کے اصول نص و توقیف سے الگ ہوگیا۔ اس فرقے کے نزدیک مفضول کی امامت باوجود فاضل کے جائز ہے[۱]۔

(۳) فرقہ اسمٰعیلیہ تیسرا فرقہ اسمٰعیلیہ ہے جو حضرت امام جعفر صادقؑ کے بعد ان کے بڑے فرزند اسمٰعیل کو امام مانتا ہے۔ امام جعفر صادقؑ کے سات فرزند تھے جن کے نام ان کی ترتیب عمر کے لحاظ سے یہ ہیں:— (۱) اسمٰعیل (۲) عبداللہ افطح (۳) موسیٰ کاظم (۴) محمد معروف بہ دیباج (۵) اسحاق (۶) عباس (۷) علی عریضی۔ ان میں سے پہلے چار فرزندوں نے امامت کا دعویٰ کیا جس کی وجہ سے متعدد فرقے پیدا ہوگئے[۲]۔ ان میں مشہور اور اہم فرقہ اسمٰعیلیہ اور فرقہ موسویہ ہیں۔ امام اسمٰعیل اور امام موسیٰ کاظم کی امامت کے متعلق

۱۔ ابن خلدون $\frac{۲}{۲۸ - ۲۹}$ ۔

۲۔ (ا) داعی جعفر بن منصور الیمن۔ کتاب اسرار النطقاء صفحہ ۲۲۶ - ۲۳۱۔

(ب) داعی ادریس بن حسن۔ کتاب زہر المعانی ۵۵۳ - ۵۵۷۔

جو اختلاف واقع ہوا اس کی کیفیت شہرستانی نے اس طرح بیان کی ہے:-

"ہم نے ذکر کیا ہے کہ فرقۂ اسمٰعیلیہ فرقۂ موسویہ (یا اثنا عشریہ) سے علیحدہ ہے۔ کیونکہ وہ اسمٰعیل بن جعفر کی امامت کا قائل ہے۔ جعفر کے بڑے بیٹے اسمٰعیل ہیں جن پر جعفر نے شروع میں نص کی تھی۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ جعفر صادق نے اسمٰعیل کی والدہ کی موجودگی میں کسی دوسری بیوی سے نکاح نہیں کیا اور نہ کوئی لونڈی خریدی جس طرح رسول اللہ کا خدیجہؓ کی موجودگی میں اور علیؑ کا فاطمہؓ کی زندگی میں عمل رہا۔ اسمٰعیل کی موت کے متعلق ان میں اختلاف ہے۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اسمٰعیل بے شک (جعفر صادق کی زندگی میں) انتقال کر گئے۔ مگر فائدہ ان پر نص ہونے کا یہ ہوا کہ امامت ان کی اولاد میں منتقل ہوئی جس طرح موسیٰ نے ہارون پر نص کی تھی۔ اس کے بعد ہارون کا موسیٰ کی زندگی ہی میں انتقال ہو گیا۔ مگر فائدہ ان کے منصوص ہونے کا یہ ہوا کہ امامت ان کی ذریت میں منتقل ہوئی۔ کیونکہ نص اُلٹی واپس نہیں ہو سکتی اور "بدا علی اللہ" محال ہے[1] اور ایک امام دوسرے امام پر نص نہیں کرتا جب تک کہ وہ اپنے منصوص کے متعلق اپنے آبا سے نہ سُن لے اور تعیین میں ابہام و جہالت کو کوئی دخل نہیں۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اسمٰعیل کا انتقال ہی نہیں ہوا انھوں نے تقیہ کر کے اپنی موت مشہور کرائی تاکہ قتل سے بچ جائیں[2]"

علامہ مجلسی نے روایت کی ہے کہ امام جعفر صادق نے اسمٰعیل کو اپنا

---

[1]- بدا لہ فی الامر بدوا و بدا و بداءً - قال الشماخ لعلك والموعود حق لقاؤه - بدا لك فی تلك القلوص بداءُ" و قولہ تعالیٰ "ثم بدا لھم من بعد ما رأوا الآیات لیسجننه" ای بدا لھم بداءٌ ای ظھر لھم رأیٌ (اللسان)

[2]- چنانچہ اسمٰعیل اپنی موت کی خبر مشہور ہونے کے بعد بصرہ میں دکھائی دیے (شہرستانی صفحہ ۹۰)۔

جانشین بنایا تھا۔ لیکن ایک موقع پر وہ خلاف شرع عمل کے مرتکب ہوئے۔ یہ دیکھ کر ان کے والد برافروختہ ہوئے اور امامت کا عہدہ موسی کاظم کی طرف منتقل کر دیا[1] فرقۂ اسمٰعیلیہ نے اُسے نہ مانا[2]۔

بہرحال فرقۂ اسمٰعیلیہ کا یہ دعویٰ ہے کہ اسمٰعیل نے جن کی وفات ۱۳۳ھ میں ہوئی اپنے انتقال کے وقت اپنے بیٹے محمد پر نص کی جو اُس وقت موجود تھے اور جن کی عمر (۲۶) سال کی تھی[3] اور امامت کا سلسلہ اسمٰعیل کی نسل میں جاری رہا۔ لیکن فرقۂ اثنا عشریہ یہ کہتا ہے کہ اسمٰعیل کے انتقال کے بعد امام جعفر صادق نے اپنے تیسرے فرزند موسی کاظم پر نص کی اور ان کو اپنا جانشین بنایا۔ غرض امام جعفر صادق کے بعد شیعوں میں دو گروہ پیدا ہو گئے۔ ایک گروہ نے اسمٰعیل کی پیروی کی اور اسمٰعیلیہ کہلانے لگا۔ یہی گروہ آگے چل کر دولت فاطمیہ کا بانی ہوا۔ دوسرے گروہ نے جو پہلے گروہ سے تعداد میں بہت زیادہ تھا موسی کاظم کی پیروی کی اور موسویہ یا اثنا عشریہ کے نام سے مشہور ہو گیا۔

(۴) فرقہ موسویہ یا اثنا عشریہ

چوتھا فرقہ موسویہ ہے جس کی ابتدا ہم نے فرقۂ اسمٰعیلیہ کے ضمن میں

۱ھ یعنی شراب پی (بحار الانوار $\frac{11}{179}$)

۲ھ اور یہ تاویل کی کہ اسمٰعیل کا ایسا عمل کرنا ان کی اعلیٰ روحانیت کا ایک ثبوت ہے کیونکہ وہ ظاہر شریعت کے پابند نہ تھے بلکہ باطن کے قائل تھے۔ یہ شیعوں کے اس رجحان کی ایک مثال ہے جو تاویل یعنی باطن شریعت کی طرف ہے۔ D. B. Macdonald, Devel. of Muslim Theology Etc. P. 42.

۳ھ زہر المعانی (ذکر محمد بن اسمٰعیل) لیکن داعی جعفر بن منصور الیمن کی روایت کے مطابق امام محمد کی عمر اس وقت چودہ سال تھی (اسرار النطقا صفحہ ۲۲۵ - ۲۴۸) عام مورخین کے بیان سے یہ ظاہر ہے کہ وہ اس وقت پانچ سال کے تھے Prince Mamour. امام موسی کاظم کی عمر بھی اس وقت پانچ سال تھی (ابن خلکان $\frac{2}{131}$)۔

بیان کر دی ہے۔ چونکہ یہ فرقہ بارہ اماموں کو مانتا ہے لہذا بارھویں امام حضرت محمد منتظر کے ۲۶۰ھ میں غائب ہونے کے بعد اثنا عشریہ کے نام سے موسوم ہو گیا۔

حضرت امام حسنؓ کی اولاد

اوپر ہم نے جن فرقوں کا ذکر کیا ہے ان کے ائمہ حضرت امام حسینؓ کی اولاد سے ہیں۔ سوائے فرقۂ اول کے جو کیسانیہ کہلاتا ہے اور جو محمد بن الحنفیہ کی امامت کا قائل ہے۔ حضرت امام حسنؓ کی اولاد میں بھی بعض ائمہ ایسے گزرے ہیں جن کے ہاتھ پر بہت سے مسلمانوں نے بیعت کی۔ تاریخ میں ان کا کوئی خاص نام نہیں پایا جاتا۔ چنانچہ ۱۶۹ھ میں ایک حسنی جن کا نام ادریس تھا مغرب اقصیٰ چلے گئے اور وہاں قوم بربر کی مدد سے ایک سلطنت کی بنیاد ڈالی جو بنو ادریس یا ادارسہ کہلاتی ہے۔ ان کی حکومت ڈیڑھ سو سال تک مغرب اقصیٰ میں قائم رہی۔ ۳۰۹ھ میں اس دولت کے آخری حکمران یحییٰ کو ایک شخص نے جو بنو فاطمہ کی طرف سے مکناسہ پر والی مقرر کیا گیا تھا مغرب سے نکال دیا۔ یحییٰ کے بعد اس کے رشتہ داروں کی کچھ زمانے تک مغرب اقصیٰ کے شہروں پر حکومت رہی۔ آخر کار ۳۱۱ھ میں عبدالرحمٰن ثالث الناصر لدین اللہ اموی خلیفۂ اندلس نے مغرب پر حملہ کر کے اس دولت کا خاتمہ کر دیا۔ اس کے بعد مغرب اقصیٰ پر بنو امیہ کا قبضہ رہا اور مغرب ادنیٰ پر بنو فاطمہ کا۔ فرقِ مذکورۂ بالا کے باہمی تعلقات سمجھنے کے لیے ایک شجرہ کی ضرورت ہے جو حسبِ ذیل ہے:۔

شجرۂ خاندان حضرت علیؓ
حضرت علیؓ (وفات) ۴۰ھ
(۱) فاطمہؓ (زوجہ)
(۲) حنفیہ (زوجہ)
محمد
(بانی فرقۂ کیسانیہ)
حسنؓ (وفات) ۵۰ھ
حسینؓ (وفات) ۶۱ھ
حسن مثنیٰ
عبداللہ
ادریس
بنی ادریس یا ادارسہ
(امراء مغرب اقصیٰ)
جن کی حکومت ۱۶۹ھ میں قایم ہوئی اور
جن کا خاتمہ ۳۱۹ھ میں ہوا۔
علی زین العابدین (وفات) ۹۴ھ
زید (وفات) ۱۲۲ھ بانی فرقۂ زیدیہ
ائمہ زیدیہ
(یمن)
محمد باقر (وفات) ۱۱۴ھ
جعفر صادق (وفات) ۱۴۸ھ
اسمٰعیل (بانی فرقۂ اسمٰعیلیہ) وفات ۱۳۳ھ
۱۳۸ھ (اتعاظ الحنفاء)
محمد (وفات) ۱۸۳ھ ولادت ۱۲۸ھ (پی ایچ-ہمور)
عبداللہ (وفات) ۲۱۰ھ
احمد (وفات) ۲۴۰ھ
حسین (وفات) ۲۶۸ھ
مہدی باللہ (وفات) ۳۲۲ھ
جن کا ظہور رقادہ (مغرب) ۲۹۶ھ میں ہوا۔
اور جو خلفاء فاطمیین کے ظہور کے پہلے خلیفہ ہیں۔
موسیٰ کاظم (وفات) ۱۸۳ھ ولادت ۱۲۸ھ
بانی فرقۂ موسویہ یا اثنا عشریہ
علی رضا (وفات) ۲۰۲ھ
محمد جواد (وفات) ۲۲۰ھ
علی ہادی (وفات) ۲۵۴ھ
حسن عسکری (وفات) ۲۶۰ھ
محمد منتظر (۲۶۰ھ میں مستور ہو گئے)
ولادت ۲۵۴ھ
عمر بوقت غیبت ۶ یا
۷ یا ۹ سال

بنو اُمیّہ کے زمانے میں علویوں کی امامت کا حق حاصل کرنے کے لیے پوشیدہ مذہبی تحریکیں

تحریک مذہبی کا ابتدائی درجہ - بنو اُمیّہ اور بنو ہاشم کا باہمی نزاع - توّابین کا قیام - مختار بن ابی عبید کا بنو اُمیّہ سے انتقام لینا - زید بن علی کا خروج اور ان کا قتل - فاطمیوں اور علویوں کی کوششوں کے باوجود عباسیوں کو خلافت کس طرح ملی - عباسی امام محمد بن علی بن عبداللہ کا اپنے داعیوں کو خراسان کی طرف بھیجنا - امام مذکور کا انتقال اور اس کے بیٹے سفاح کی خلافت - عباسی اور علوی داعیوں کی آپس میں جھڑپ اور عباسی داعیوں کی کامیابی - حکومت بنو اُمیّہ کا زوال ۱۳۲ھ -

شیعوں کے مختلف فرقوں کی تفصیل کے بعد اس فصل میں ہم ان کی ایسی تحریکیں بیان کریں گے جن کا اثر امویوں اور عباسیوں کی سیاسی تاریخ پر پڑا - ان تحریکوں کی ابتدا اور ان کے نتائج کا سمجھنا دولتِ فاطمیہ کی تاریخ پڑھنے والے کے لیے ضروری ہے - اس فصل میں ہم اموی زمانے کی تحریکیں

قلمبند کرتے ہیں۔ اس کے بعد کی فصل میں عباسی عہد کی تحریکیں بیان کریں گے۔

تحریک مذہبی کا ابتدائی درجہ

ہر تحریک خواہ مذہبی ہو یا سیاسی اپنے ابتدائی درجے میں مخالفین کے خوف سے مخفی رکھی جاتی ہے۔ کچھ دنوں بعد جب اُسے کافی قوت حاصل ہو جاتی ہے تو وہ پبلک میں ظاہر کی جاتی ہے۔ خصوصاً جتنی مذہبی تحریکیں دنیا میں نمود میں آئیں ان کے مختلف مدارج پر اگر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ اپنی ابتدائی حالت میں بہت پوشیدہ رکھی گئیں۔ چنانچہ خود حضرت رسول اللہ صلعم نے جب دعوت اسلام شروع کی تو آپ ابن ارقم کے گھر میں بہت پوشیدہ طور پر تبلیغ فرماتے تھے۔ اہل بیت کے افراد نے بھی امویوں اور عباسیوں کے زمانے میں اسی اصول پر عمل کیا۔ ان کی مذہبی تحریکیں ابتدا میں بہت ہی پوشیدہ ہوتی تھیں۔ آہستہ آہستہ یہ تحریکیں قوت حاصل کر کے سیاسی بن جاتی تھیں جو عام اسلامی تحریکوں کا خاصہ ہے۔ کیونکہ اسلام میں مذہب اور سیاست دو الگ الگ چیزیں نہیں۔ مذہب ہمیشہ سیاست کا رنگ اختیار کر لیتا ہے۔

بنو امیہ اور بنو ہاشم کا تنازع

بنو امیہ اور بنو ہاشم کے درمیان زمانہ دراز سے تنازع کا سلسلہ جاری تھا۔ جب کبھی کسی ایک فریق کو موقع ملتا تھا تو وہ دوسرے فریق پر غالب آجاتا تھا۔ جاہلیت کے زمانے میں بنو امیہ کو غلبہ حاصل تھا۔ اشاعت اسلام کے بعد بنو ہاشم ان پر غالب آگئے کیونکہ حضرت رسول خدا صلعم ہاشمی تھے۔ حضرت علیؑ کی شہادت کے بعد جو ماہ رمضان سنہ ۴۰ھ میں واقع ہوئی لوگوں نے حضرت حسنؓ سے بیعت کی مگر امیر شام معاویہ نے اس بیعت کی مخالفت کی۔ حضرت امام حسنؓ نے مسلمانوں کے کشت و خون کو روکنے کے لیے صلح کر لی اور خلافت سے دست بردار ہو گئے۔ اس وقت یعنی ماہ ربیع الاول سنہ ۴۱ھ سے بنو امیہ کا دور

شروع ہوا۔ اور بنو ہاشم جو اب اہل بیت کے نام سے مشہور ہو گئے تھے میدان حکومت سے پیچھے ہٹ گئے۔ اس دور کا سب سے زیادہ افسوسناک واقعہ حضرت امام حسینؓ کی شہادت ہے جو اس قدر مشہور ہے کہ اس کا تفصیلی بیان اس مقام پر غیر ضروری ہے۔ اس واقعے میں گو بنو امیہ کو بظاہر کامیابی حاصل ہوئی لیکن اس کا رد عمل یہ ہوا کہ شیعوں (اہل بیت کے تابعین) کے جذبات بنو امیہ کے خلاف بھڑک اٹھے اور ان کی تحریکوں کو ایک زبردست قوت حاصل ہو گئی۔ یہی تحریکیں تھیں جو آئندہ چل کر زوال بنو امیہ کے اور اسباب میں سب سے بڑا سبب ثابت ہوئیں۔ ان میں سے چند مشہور تحریکیں جو تاریخی اہمیت رکھتی ہیں ہم یہاں سنین کے لحاظ سے قلمبند کرتے ہیں۔

توابین کا قیام۔ مختار بن ابی عبید کا بنو امیہ سے انتقام لینا۔

حضرت امام حسینؓ کی شہادت کے کچھ دن بعد ہی چند کوفیوں کو بڑی ندامت ہوئی کہ انھوں نے ناحق آپ کو ہدیت کے لیے کوفہ بلایا اور عین موقع پر آپ کی ترک یاری کی۔ یہاں تک کہ دشمنوں نے آپ کو شہید کر دیا۔ ان لوگوں نے اپنے کیے پر توبہ کی جس کی وجہ سے وہ توابین کہلانے لگے انھوں نے آپس میں متفق ہو کر حضرت رسول اللہ صلعم کے ایک صحابی سلیمان بن صرد کو اپنا سردار بنایا۔ اور بنو امیہ کے مقابلے کے لیے تیار ہو گئے کچھ عرصے کے بعد ۶۵ھ میں جبکہ عبدالملک ابن مروان خلیفہ تھا مختار بن ابی عبید نے بھی اسی ارادے سے خروج کیا۔[۱] یہ نہایت بہادر اور دلیر آدمی تھا۔ موالی عجم کثیر تعداد میں اس کے ساتھ ہو گئے۔ یہ اپنے ارادے میں کامیاب ہوا۔ اور کوفے کے والی کو قتل کر کے اس پر قابض ہو گیا۔ اس کے ساتھی کیسانیہ کہلاتے ہیں جن کا ذکر اوپر گزر چکا ہے۔ ان لوگوں نے اپنے امام محمد بن حنفیہ کے انتقال کے بعد ان کے فرزند ابو ہاشم عبداللہ سے بیعت کی جو نہایت

[۱] - ابن الاثیر ۴/۲۸۲ -

عالم فاضل۔ فصیح اور بلیغ تھے۔ اِن کی تبلیغ ایسی موثر تھی کہ بہت سے مسلمان ان کے گرویدہ ہو گئے۔ یہ خبر سُن کر خلیفہ اموی سلیمان بن عبد الملک (۹۶-۹۹ھ) نے انھیں دمشق بلوایا اور جیسا سنا کرتا تھا انھیں ویسا ہی پایا۔ بہت احترام کے ساتھ چند روز انھیں اپنا مہمان رکھ کر مدینہ واپس کیا۔ اس خوف سے کہ کہیں وہ بنو امیہ کے مقابلے میں کامیاب نہ ہوں سلیمان نے ایک غلام کو تیار کیا کہ واپسی میں انھیں کسی مقام پر زہر دیدے۔ غرض موضع حمیمہ میں اس غلام نے بہت ہی عقیدت مندی کے ساتھ کچھ شربت ابو ہاشم کی خدمت میں پیش کیا جس کے اثر سے اُن کا انتقال ہو گیا۔ ابو ہاشم نے اپنے انتقال سے پیشتر اپنا حق امامت اپنے خاندان علوی کو چھوڑ کر خاندان عباسی کے ایک بزرگ محمد بن علی بن عبد اللہ بن عباس کو دیدیا۔ اس کے اسباب آئندہ بیان کیے جائیں گے۔

مختار بن ابی عبید کی کامیابی زیادہ دیرپا نہ ہوئی۔ عبد اللہ بن زبیر کا بلاد عرب اور عراق پر قبضہ تھا۔ اُن کا بھائی مصعب بن زبیر بصرے کا حاکم تھا۔ اہل کوفہ نے مختار کی زیادتیوں کی شکایت مصعب سے کی جس نے کوفے پر حملہ کیا۔ جنگ میں مختار کام آیا۔ لیکن مصعب بھی فتح سے پورا فائدہ نہ اٹھا سکا۔ عبد الملک نے کوفے پر چڑھائی کی۔ لڑائی میں مصعب مارا گیا۔ اب عبد الملک نے حجاج بن یوسف کو ایک فوج دے کر عبد اللہ بن زبیر کے خلاف مکہ بھیجا۔ انجام یہ ہوا کہ عبد اللہ بھی مارا گیا اور بنو امیہ نے پھر اپنی کھوئی ہوئی قوت حاصل کر لی۔

زید بن علی کا خروج اور ان کا قتل

۱۲۲ھ میں زید بن علی (زین العابدینؓ) نے اپنے تابعین کو لیکر خلیفہ اموی ہشام بن عبد الملک (۱۰۵-۱۲۵ھ) پر خروج کیا لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔ جنگ میں مارے گئے اور ان کا جسہ مصلوب کیا گیا۔ ان کے بعد ان کے فرقے میں جو زیدیہ کہلاتا ہے اختلاف پڑ گیا۔ بعض لوگوں نے ان کے فرزند یحییٰ بن زید سے بیعت کی۔ انھوں نے خراسان کے والی کے ساتھ

سنہ ۱۲۵ میں لڑائی کی لیکن ان کا بھی وہی حشر ہوا جو ان کے والد کا ہوا[۱]۔

فاطمیوں اور علویوں کی کوششوں کے باوجود عباسیوں کو حکومت کس طرح ملی

جس طرح بنو فاطمہؓ اور بنو علیؓ اپنا حق امامت حاصل کرنے کی کوششوں میں مصروف تھے۔ اسی طرح بنو عباس بھی سرگرم تھے۔ یہ لوگ عباس بن عبدالمطلب کی نسل سے ہیں جو حضرت رسول خدا صلعم کے چچا تھے اور جنہوں نے فتح مکہ کے دن اسلام قبول کیا تھا۔ ان کے ایک بیٹے عبداللہ بن عباس تھے جو علم و فضل میں بہت مشہور تھے۔ ان کے پوتے محمد بن علی بن عبداللہ ہیں جن کو ابوہاشم عبداللہ نے اپنا خلیفہ بنایا اور جن کا انتقال سنہ ۱۲۵ میں ہوا۔ جس طرح اس شجرے سے معلوم ہوگا۔

شجرۂ خاندان حضرت علیؓ و عباسؓ

ہاشم
|
عبدالمطلب
|
- عباسؓ
  - عبداللہؓ
    - علیؒ
      - محمد (وفات سنہ ۱۲۵)
        - ابراہیم
        - سفاح (خلیفہ اول عباسی)
        - منصور (خلیفہ دوم عباسی)
- ابوطالب
  - حضرت علیؓ
    - محمد (بن حنفیہ) وفات سنہ ۸۱ (فرقۂ کیسانیہ)
      - ابوہاشم عبداللہ (وفات سنہ ۹۸) (فرقۂ ہاشمیہ) — حق امامت ← محمد
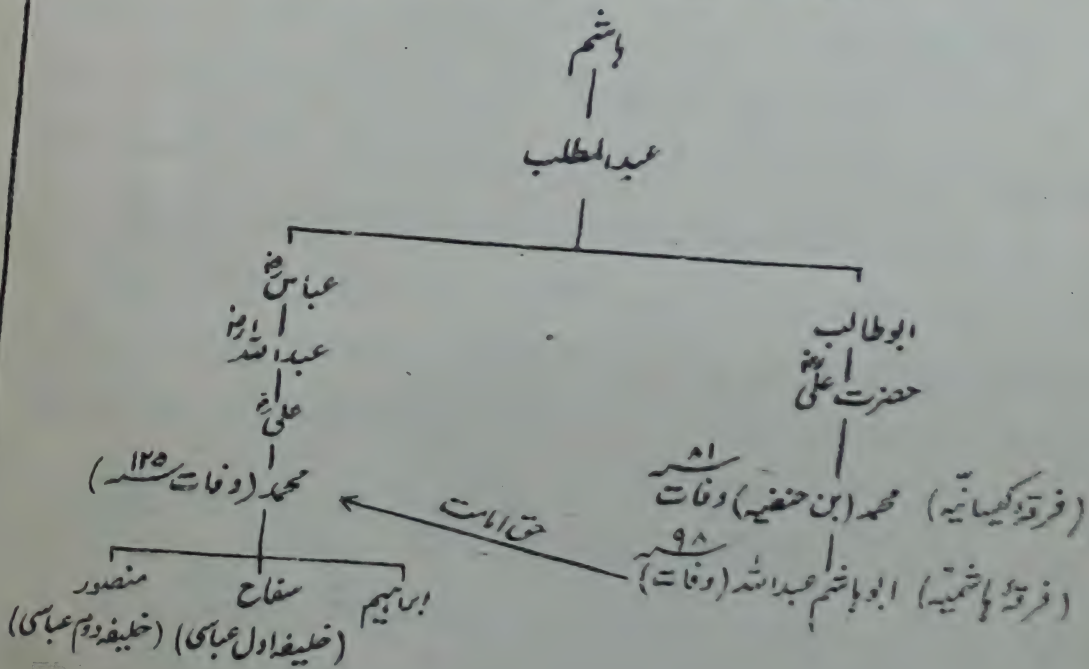
[۱] - ابن الاثیر ۵/۱۲۷ - فرقۂ زیدیہ کی تفصیل گذر چکی ہے فصل (۲)۔

اس خاندان کے سردار موضع حمیمہ میں رہتے تھے جو بحیرہ مُردار[۱] کے جنوب میں واقع ہے[۲]۔ گو یہ مقام بظاہر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اسلامی دنیا سے دور ہے۔ لیکن چونکہ یہ ایسے راستے سے قریب تھا جس پر سے شامی لوگ حج کے لیے گذرا کرتے تھے اس لیے عباسیوں کو یہاں سے اسلامی شہروں کے ساتھ مراسلت کرنے کا بہت اچھا موقع تھا۔ اور بہت ممکن ہے کہ انھوں نے اسی وجہ سے یہ مقام اختیار کیا ہو تاکہ مخفی طور پر وہ اپنی دعوت کی اشاعت کر سکیں[۳]۔ ان کے امام محمد بن علی کا ابو ہاشم عبد اللہ کی خلافت کو قبول کر لینا اس جانب اشارہ کرتا ہے کہ وہ بھی بنو فاطمہ کی طرح ابتدا سے اس امر میں کوشاں تھے کہ اسلامی حکومت کا حق انھیں حاصل ہو جائے صحیح طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ عوام میں ان کی دعوت کا ظہور امام مذکور کے زمانے سے ہوا۔ صرف بنو امیہ کے خوف سے ان لوگوں نے اپنی دعوت کا اعلان نہیں کیا۔ اسی لیے اکثر مورخین نے لکھا ہے کہ یہ لوگ بہت دنوں تک عالمِ تاریکی میں رہے۔ بہر حال امام مذکور کے زمانے سے اُن کے داعی ممالک اسلامیہ میں بھیجے جانے لگے۔ بڑی ہوشیاری انھوں نے یہ کی کہ اپنے داعیوں کو حکم دیا کہ وہ بنو فاطمہ کے داعیوں کی طرح "اہل بیت" کے لیے دعوت کریں۔ کیونکہ لوگ خصوصاً عجمی مسلمان اہل بیت کی طرف زیادہ مائل تھے۔ اہل بیت ایک ایسا لفظ ہے جس کے مفہوم میں بنو فاطمہ کے ساتھ ساتھ بنو عباس بھی شامل ہو سکتے ہیں جیسا کہ شجرۂ ذیل سے واضح ہو گا:—

ہاشم
عبد المطلب

عبد اللہ	ابو طالب	عباس (بنو عباس کے جد اکبر)
حضرت رسول خدا	حضرت علیؓ (شوہر حضرت فاطمہ)	

[۱] The dead Sea   [۲] حمیمہ زمین شراۃ (شام) میں واقع ہے (معجم البلدان ۳۴۲/۲)

[۳] Noldeke, Sketches from Eastern History Translated by J. S. Black, P. 108 sqq.

حالانکہ اہل بیت کے لفظ سے عرف عام میں صرف حضرت فاطمہ ہی کی اولاد مراد لی جاسکتی تھی لیکن عباسیوں نے عام لوگوں کو یہ باور کرایا کہ وہ "اہل بیت" کی طرف دعوت کرتے ہیں۔ اپنی دعوت کا نام ہاشمیہ رکھا جس سے مراد ان کے امام ابو ہاشم عبد اللہ کی تھی۔ مگر لوگ یہ سمجھتے تھے کہ اس سے مراد بنو ہاشم بن عبد المطلب ہیں جن میں فاطمی بھی شامل ہیں۔ جس طرح اوپر کے شجرے سے معلوم ہوتا ہے۔ اس سے لوگ دھوکے میں آگئے اور عباسیوں نے اپنی قوت بڑھائی۔ ان کے داعیوں نے جن حکمت آمیز طریقوں سے اپنی دعوت کی اشاعت کی ان کو فان فلوتن نے مفصل طور پر اپنی تاریخ میں بیان کیا ہے[1]۔ حقیقت میں ان کی کامیابی زیادہ تر ان شیعوں کی کوششوں کے سبب سے ہوئی جو مختار بن ابی عبید کے وقت سے اہل بیت کے لیے دعوت کر رہے تھے اور جنھوں نے موالی (عجمی غلاموں) کی ایک کثیر تعداد کو اپنے زیر اثر کر لیا تھا۔ اور ان کے دلوں میں اہل بیت کی گہری محبت پیدا کر دی تھی۔ اس زمانے میں شیعوں کی دو جماعتیں تھیں ایک تو محمد بن حنفیہ کے اتباع جو کیسانیہ یا ہاشمیہ کہلاتے تھے اور دوسری وہ جماعت جو حضرت فاطمہؓ کی اولاد کے پیرو تھی اور جس کا نام آئندہ چل کر امامیہ پڑ گیا جس میں اسمٰعیلیہ اور اثنا عشریہ دونوں شامل ہیں[2]۔

ہم نے اس سے پیشتر یہ بیان کیا ہے کہ امام ابو ہاشم عبد اللہ بن محمد بن حنفیہ نے موضع حمیمہ میں زہر سے انتقال کیا۔ انھوں نے انتقال کے وقت اپنے خاندان علوی کے افراد کو چھوڑ کر خاندان عباسی کے ایک شخص محمد بن علی بن عبد اللہ بن عباس بن عبد المطلب کو وصیت کی اور اُسے اپنا قایم مقام بناتے ہوئے دعوت کے تمام اسرار اُسے

[1] ۔ الفاطمیون فی مصر ۔ صفحہ ۲۰ ۔ بحوالہ Van Vloten

[2] ۔ فصل (۲) ۔

بتائے اور دعوت کی جتنی کتابیں ان کے پاس تھیں وہ سب اس کے حوالے کر دیں۔ اس دن سے خلافت حضرت علیؓ کے خاندان سے نکل کر عباس بن عبد المطلب کے خاندان میں منتقل ہوئی۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ابو ہاشم نے کس وجہ سے خاندان عباس کو اپنے خاندان پر ترجیح دی اور کیوں اپنا حق امامت غیروں کو دیدیا۔ بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ ابو ہاشم کے انتقال کے وقت خاندان علوی کا کوئی ایسا قابل شخص وہاں موجود نہ تھا جسے وہ اپنا جانشین بناتے۔ اس لیے انھیں بنو عباس کی طرف توجہ کرنا پڑی۔ لیکن یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ابو ہاشم کو ایسے موقع پر لازم تھا کہ وہ عارضی طور پر خاندان عباسی کے کسی شخص کو جو حمیمہ میں موجود تھا اپنا جانشین بنا دیتے اور اسے یہ وصیت کرتے کہ وہ حق امامت خاندان علوی کے فلاں شخص کو سپرد کر دے۔ اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ ابو ہاشم خوب جانتے تھے کہ کیسانیہ اور امامیہ کے اصول میں بڑا اختلاف ہے جس کی وجہ سے خاندان علوی کی کامیابی مشکل ہے[1]۔ اس لیے اس نے خاندان عباسی کو اپنے علوی خاندان پر ترجیح دی اور محمد بن علی کو حق امامت سپرد کر کے اُسے اپنا جانشین بنایا۔

محمد بن علی بڑا مدبر اور سیاست داں آدمی تھا۔ سیاسی معاملات میں اس کی نظر بہت تیز تھی۔ جس کا ثبوت اس کے ایک خطبے سے ملتا ہے۔ جسے مقدسی نے اپنی کتاب "احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم" میں نقل کیا ہے۔ اس میں امام مذکور اپنے داعیوں کو مخاطب کر کے کہتا ہے:۔ "کوفہ اور اس کے علاقے جات میں علی کے شیعہ ہیں۔ بصرہ عثمانیہ ہے۔ الجزیرۃ میں پکے حروری ہیں اور جاہل بدوی عرب ہیں۔ اخلاق میں یہ نصاریٰ کی

---

[1] الفاطمیون فی مصر صفحہ (۳۹)

طرح ہیں - اہل شام سوائے معاویہ کے کسی کو نہیں جانتے - بنو امیہ کی طاعت اور اہل بیت کی عداوت نے ان کے دلوں میں گہری جگہ کر لی ہے - جہالت میں ڈوبے ہوئے ہیں - اہل مکہ اور مدینہ پر ابو بکر و عمر کی محبت غالب ہے - اس لیے تم کو چاہیے کہ تم خراسان کی طرف توجہ کرو - وہاں بہت سے ایسے لوگ ہیں جن کی قوت تازہ ہے جن کے سینے تعصب سے صاف ہیں - جن کے دل فرقہ وارانہ جھگڑوں کی بیماری سے بری ہیں - اختلاف عقائد نے ان کی جماعت کو ابھی منتشر نہیں کیا ہے - وہ ایک ایسے لشکر کے سپاہی ہیں جن کے جسم قوی اور جن کی آواز ہیبتناک ہے - اس کے علاوہ میں مشرق کو نیک فال سمجھتا ہوں اور اسے دنیا کے چراغ کا مطلع پاتا ہوں[1]

عباسی امام محمد بن علی بن عبداللہ کا اپنے داعیوں کو خراسان کی طرف بھیجنا

خطبہ مذکورہ بالا سے امام محمد بن علی کا اپنی دعوت کی اشاعت کے لیے خراسان کو اختیار کرنے کا سبب معلوم ہو گیا ہوگا - خراسانی بنو امیہ کے ظلم و ستم سے سخت ناراض تھے - عجمی ہونے کی وجہ سے وہ اس بات کو گوارا نہیں کرتے تھے کہ عرب ان سے ایسا ظالمانہ سلوک کریں - ان کے دلوں میں بنو فاطمہ کے داعیوں نے اہل بیت کی ایسی محبت پیدا کر دی تھی کہ وہ بنو امیہ سے مقابلہ کرنے کا موقع تلاش کر رہے تھے - یہ تو خراسانیوں کی حالت تھی - عرب جو وہاں جا کر بس گئے تھے وہ بھی بڑی حد تک ان ہی کی طرح ہو گئے تھے - عجمی عورتوں سے شادیاں کرنے لگے تھے - لباس ان کا اختیار کر لیا تھا - نبیذ شروع کر دی تھی - نوروز اور مہرجان کی عیدیں منانے لگے تھے - فارسی عام طور پر سمجھتے تھے بلکہ اس میں اچھی طرح گفتگو بھی کرنے لگے تھے[2] - بہر حال وہ ہر پہلو سے عجمی بن گئے تھے اور

۱ - المقدسی $\frac{۳}{۲۹۳}$

۲ - Nicholson, Hist. of Arabic Litt. P. 250 (بقیہ حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

عجمیوں کے خیالات میں رنگ گئے تھے۔ ان اسباب کی بنا پر بنو عباس کے داعیوں کو خراسان میں بہت کامیابی حاصل ہوئی۔ یہ لوگ ظاہر میں "اہل بیت" کی طرف دعوت کرنے لگے اور اس مبہم لفظ سے انھوں نے بہت فائدہ اٹھایا جیسا کہ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں۔

بہر حال امام محمد بن علی نے سنہ ۱۰۰ھ سے عوام میں اپنی دعوت کا سلسلہ شروع کیا۔ اور عراق کی طرف اپنے داعی میسرہ کو روانہ کیا[1]۔ کوفے کو دعوت عباسیہ کا مرکز قرار دیا گیا جہاں سے اکثر داعی بھیجے جاتے تھے۔ متعدد داعی جن میں مشہور ابو عکرمہ ہے خراسان کو بھیجے گئے۔ عکرمہ نے اپنی دعوت کی زبردست تنظیم کی۔ ستر مددگار اپنے ماتحت تیار کیے جن میں سے بارہ نقیب کہلاتے تھے۔ ان لوگوں نے باوجود سخت ترین دشواریوں اور مصیبتوں کے بے انتہا محنت اور سرگرمی سے تبلیغ شروع کی۔ بعض قتل کیے گئے۔ بعض سولی پر چڑھائے گئے۔ بعض کو سخت سزائیں دی گئیں مگر انھوں نے مطلق پروانہ کی۔ بہت صبر اور استقلال سے تمام آفتوں کا مقابلہ کیا اور لگاتار اپنی کوششوں کا سلسلہ جاری رکھا۔ سنہ ۱۰۵ھ میں میسرہ نے انتقال کیا۔ اس کے بعد اس کا جانشین بکیر بن ہامان ہوا۔ یہ بھی بہت شان و شوکت والا داعی گذرا ہے[2]۔

عباسی اور علوی داعیوں کی آپس میں جھڑپ اور عباسی داعیوں کی کامیابی

گو عباسی داعی بھی علوی داعیوں کی طرح ظاہر میں بنو ہاشم اور اہل بیت کی طرف دعوت کرتے تھے مگر بعض وقت عباسیوں کا راز فاش ہو جاتا تھا جس کی وجہ سے ان میں اور

(بقیہ حاشیہ گزشتہ) ان خراسانی عربوں کے حالات اور سیاسیات پر مفصل بحث کی گئی ہے۔ ملاحظہ کیجیے:۔ The Arab Kingdom and its fall by Wellhausen

[1] ابن الاثیر ۵/۲ [2] الطبری ۲/۱۳۶۷ و الدینوری ۲۳۶

علوی داعیوں میں جھڑپ ہو جایا کرتی تھی - چنانچہ ایک علوی داعی نے جس کا نام غالب تھا ایک دفعہ عباسی داعیوں کو مغلوب کرنے کی کوشش کی جس سے عباسی دعوت معرض خطر میں پڑ گئی یہ خبر جب امام محمد بن علی کو پہنچی تو اس نے سنہ ۱۱۸ھ میں ابو محمد زیاد (مولی بنی حمدان) کو خراسان روانہ کیا اور اُسے یہ وصیت کی کہ وہ داعی غالب سے جہاں تک ہو سکے پرہیز کرے لیکن جب غالب کو اس بات کا پتا لگ گیا تو وہ زیاد کے ساتھ مناظرے کے لیے تیار ہو گیا - دونوں کے درمیان مناظرے ہوتے رہے - غالب علوی خاندان کا حق ثابت کرنے لگا اور زیاد عباسی خاندان کی طرف داری کرنے لگا - اس کے بعد ایک عرصے تک عباسی داعی تاجروں یا حاجیوں کے بھیس میں بہت خفیہ طور پر دعوت کرتے رہے - اپنے امام کا نام جس کی طرف حقیقت میں ان کی دعوت تھی سوائے اپنے خاص نقباء (یعنی مددگاروں) کے کسی اور کو نہیں بتاتے تھے - آہستہ آہستہ انھوں نے اپنی قوت بہت بڑھالی اور علوی داعیوں پر غلبہ حاصل کر لیا - ان کے دائرۂ دعوت میں ابومسلم خراسانی اور سلیمان بن کثیر جیسے اہل سیاست اور تدبیر داخل ہو گئے - اور خراسان میں بنو امیّہ کی حکومت کا زور بالکل ٹوٹ گیا -

عباسی امام محمد بن علی کا انتقال اور اس کے بیٹے سفّاح کی حکومت

سنہ ۱۲۵ھ میں امام محمد بن علی کا انتقال ہوا - اس کے تین بیٹے تھے - ابراہیم - عبداللہ اور منصور - ان میں سے بڑا بیٹا جو سفّاح کے لقب سے مشہور ہے - ابراہیم اس کا جانشین ہوا - اس نے اپنے باپ کی دعوت کو جو پہلے ہی سے بہت شد و مد کے ساتھ خراسان میں جاری تھی اور ترقی دی - مگر خلیفہ مروان نے اسے قتل کرا دیا - اس کے بعد امامت اس کے بھائی سفّاح کو ملی جو عباسیوں کا پہلا خلیفہ ہوا اور جس کے زمانے میں بنو امیّہ کی حکومت کا بالکل خاتمہ ہو گیا جس کا ذکر آئندہ آئے گا -

ماخوذ از "الفاطميون فى مصر" — مقابل صفحه (۲۲) — پروسس ڈپارٹمنٹ جامعۂ عثمانیہ

حکومت بنو امیہ کا زوال ۱۳۲ھ

اس حکومت کے زوال کی کیفیت عام تاریخوں میں تفصیل سے بیان کی گئی ہے۔ یہاں صرف اتنا بتا دینا کافی ہوگا کہ جیسا کہ ہم نے ابھی بیان کیا، عباسی داعیوں نے اہل خراسان کو مسخر کر لیا تھا۔ اس صوبے کے والی نصر بن سیار نے جو دولت اموی کی طرف سے مامور تھا خلیفہ مروان الجعدی سے مدد مانگی اور عباسیوں کے مقابلے میں لشکر خراسان کی کمزوری بتائی۔ مگر چونکہ شام میں خود بنو امیہ کی حکومت متزلزل ہو گئی تھی اس لیے مروان اس کی کچھ مدد نہ کر سکا۔ ادھر عباسی شیعوں نے ابو مسلم خراسانی کی ماتحتی میں کافی لشکر تیار کر لیا اور خراسان میں جو عرب تھے اُن میں پھوٹ ڈال دی۔ یمنی اور مضری آپس میں ایسے لڑے جھگڑے کہ پھر کبھی ایک نہ ہو سکے۔ یمن اور حضرموت میں خوارج نے سر اٹھایا عراق میں عباسی شیعہ کافی تعداد میں تیار ہو گئے تھے۔ بہر حال بنو عباس کی کامیابی کے اسباب اکثر بلاد اسلامیہ میں پیدا ہو گئے تھے سنہ ۱۲۸ھ میں چند معمولی لڑائیوں کے بعد ابو مسلم نے خراسان فتح کر لیا۔ اس کے بعد وہ لشکر لے کر عراق کی طرف روانہ ہوا۔ سنہ ۱۳۲ھ میں نہر زاب پر بنو امیہ اور بنو عباس کے درمیان ایک فیصلہ کن جنگ ہوئی۔ جس میں بنو امیہ کا خاتمہ ہو گیا۔ اُن کا آخری خلیفہ مروان بن محمد بن مروان مصر بھاگ گیا۔ لیکن بچ نہ سکا۔ بوصیر کے ایک گرجا میں مارا گیا۔ اموی خلافت جس کا دور تقریباً (۹۱) سال رہا زائل ہو گئی۔ بلاد اسلامیہ پر کالے پھریرے جو خاص عباسیوں کا شعار تھا اُڑنے لگے۔ عبداللہ نے جو عباسیوں کا پہلا خلیفہ ہوا بنو امیہ سے ایسا انتقام لیا کہ اس کا لقب ہی سفّاح پڑ گیا[1]۔

---

[1] سفّاح کے معنی کثرت سے خون بہانے والے کے ہیں۔ اسی وجہ سے حمید بن بجدل کی تلوار کا نام سفّاح رکھا گیا۔ لغت میں سفّاح اُس آدمی کو بھی کہتے ہیں (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

بنو عباس کے زمانے میں بنو فاطمہ کی پوشیدہ تحریکیں اور ان کے نتائج۔ نفس زکیہ اور ان کے بھائی ابراہیم (قتیل باخمری) کا خروج حسین بن علی کا قتل۔ واقعۂ فخ کا اثر اور یحییٰ بن عبداللہ کی بغاوت۔ دولت ادریسیہ کا قیام۔ دعوت علویہ کی ناکامیابی مشرق میں اور اس کا مغرب میں منتقل ہونا۔ فاطمی دعوتوں کا قیام مغرب میں۔

بنو عباس کے زمانے میں بنو فاطمہ کی پوشیدہ تحریکیں

بنو فاطمہ۔ بنو امیہ اور بنو عباس دونوں کو غاصبین اور متغلبین سمجھتے تھے۔ کیونکہ ان کے اعتقاد کے مطابق امامت بغیر نص اور توقیف کے جائز نہیں۔ اسی بنا پر انھوں نے عباسیوں کی بھی مخالفت کی۔ عباسیوں کو ہمیشہ ان کی طرف سے خطرہ لگا رہتا تھا۔ خلیفہ منصور نے

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گذشتہ) جو بہت فیاض ہو۔ پروفیسر De Gocje کا خیال ہے کہ ابوالعباس عبداللہ کو سفاح اس لیے کہتے ہوں گے کہ اس نے لوگوں کو بہت مال و دولت دی۔ کیونکہ یہ بعید از قیاس ہے کہ ایسے نازک موقع پر وہ اپنی سفاکی کا اعلان کرکے کوفے کی تمام آبادی کو اپنا دشمن بنا لیتا۔ بلکہ اس کی بجائے اس نے کثیر الانعام و اکرام کا یقین دلایا۔ جاہلیت میں سلامہ بن خالد کو اسی لیے سفاح کہتے تھے کہ اس نے ایک جنگ کے موقع پر اپنی مشکوں کے منہ کھول دیے تھے

(نکلسن۔ ہسٹری آف عربک لٹریچر صفحہ ۲۵۳)

جو سفاح کا جانشین ہوا ان کا بہت پیچھا کیا۔ اس کی وجہ "الفخری" میں یہ بتائی گئی ہے کہ بنو امیہ کے آخری زمانے میں علویوں اور عباسیوں کی ایک مجلس منعقد ہوئی جس میں علویوں کی طرف سے حضرت امام جعفر صادقؓ اور عبداللہ المحض بن حسن بن حسنؓ بن حضرت علیؓ اور عبداللہ المحض کے دونوں فرزند محمد (نفس زکیہ) اور ابراہیم (قتیل باخمری) اور عباسیوں کی جانب سے سفاح (خلیفہ عباسی اول) اور اس کا بھائی منصور وغیرہ شریک ہوئے۔ ان لوگوں نے بنو امیہ کے زمانے میں جو مظالم ان پر گذرے ان کا تذکرہ کیا اور یہ تجویز کی کہ اب ہمیں اپنا حق حاصل کرنا چاہیے۔ انھوں نے یہ بھی محسوس کیا کہ اب بنو امیہ کمزور ہو گئے ہیں اور لوگ ان کی طرف زیادہ مائل ہیں اس لیے انھوں نے یہ رائے پیش کی کہ ایک مخفی دعوت قایم کی جائے اور اس کے صدر نفس زکیہ قرار دیے جائیں کیونکہ وہ علم۔ فضل اور شرف کے لحاظ سے سب سے اعلیٰ درجہ رکھتے ہیں۔ اس رائے سے سوائے حضرت امام جعفر صادقؓ کے تمام حاضرین نے اتفاق کیا۔ آپ نے نفس زکیہ کے والد عبداللہ المحض سے مخاطب ہو کر کہا کہ یہ تجویز ہرگز کامیاب نہ ہوگی۔ خلافت سوائے پیلی قبا والے (یعنی منصور) کے کسی کو نہیں ملے گی[1]۔ حضرت کی یہ پیشینگوئی آگے چل کر سچی ثابت ہوئی۔ کیونکہ منصور کو خلافت ملی اور نفس زکیہ اور ان کے بھائی ابراہیم دونوں مارے گئے مگر اس وقت حاضرین نے آپ کی بات پر توجہ نہ کی۔

اب چونکہ منصور کو اس مجلس کی کارروائی کا علم تھا اور وہ خود اس کا ایک رکن تھا اس لیے جب وہ خلیفہ ہوا تو وہ نفس زکیہ کی تلاش میں رہا جس سے حاضرین مجلس نے بیعت کی تھی تاکہ وہ اسے قتل کرے یا کم از کم اس کو خلع کرے۔ منصور کا یہ ارادہ اور پختہ ہو گیا جب اسے اس بات کا علم ہوا کہ

---

[1] - الفخری صفحہ ۱۴۶

لوگوں کا رجحان نفس زکیہؒ کی طرف زیادہ ہے اور لوگ سادات بنی ہاشم میں اُسے سب سے بزرگ مانتے ہیں۔ اس نے ان کے والد عبداللہ المحض کو یہ حکم دیا کہ وہ ان کو اور اُن کے بھائی ابراہیم کو جو عباسیوں کے خوف سے چھپ گئے تھے فوراً حاضر کریں۔ عبداللہ نے اس حکم کی تعمیل سے انکار کیا اور اپنی لاعلمی ظاہر کی[1]۔ حضرت امام حسنؓ کی اولاد کے گذشتہ اور آئندہ واقعات سمجھنے کے لیے ایک شجرے کی ضرورت ہے جو حسب ذیل ہے:-

حضرت امام حسنؓ بن حضرت علیؓ
|
حسن (مثنیٰ)
|
عبداللہ المحض — حسن مثلث — علی — حسین (قتیل فخ)
|
- محمد (نفس زکیہؒ)
- ابراہیم (قتیل باخمریٰ)
- یحییٰ (صاحب الدیلم)
- ادریس (اول الادارسۃ بالمغرب الاقصیٰ)

نفس زکیہ اور ان کے بھائی ابراہیم (قتیل باخمریٰ) کا خروج

کچھ دنوں بعد نفس زکیہ نے اپنے باپ کی مدد سے مدینۂ منورہ پر قبضہ کر کے عباسی والی کو وہاں سے نکال دیا اور امیر المومنین کا لقب اختیار کیا۔ یہ خبر منصور کو پہنچی۔ اس نے اپنے چچازاد بھائی عیسیٰ بن موسیٰ کو اُن کے مقابلے کے لیے بھیجا۔ ۱۴۵ھ میں مدینۂ منورہ کے قریب ایک مقام پر لڑائی ہوئی جس میں نفس زکیہؒ مارے گئے۔ اس کے بعد منصور اُن کے بھائی ابراہیم کی طرف متوجہ ہوا۔ اس شخص نے بصرے میں اپنی دعوت قایم کی۔ بہت سے عراقیوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی جن میں

[1] - الفخری صفحہ ۱۴۷ - ۱۴۸ -

بڑے بڑے فقہا بھی شامل تھے۔ اکثر معتزلی اور زیدی بھی ان کی دعوت میں داخل ہوگئے۔ کہا جاتا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے مخفی طور پر ان سے مراسلت کی بلکہ انھیں مدد بھی دی جس طرح امام مالک نے نفس زکیہ کی مدینۂ منورہ میں تائید کی تھی اور منصور کی بیعت کو نسخ کرنے کا فتویٰ بھی جاری کیا تھا اس بنا پر کہ وہ بیعت لوگوں سے جبراً لی گئی تھی[1]۔

حسین بن علی بن حسن بن حسن بن حسن بن حضرت علیؓ کا قتل

خلیفہ ہادی کے زمانہ ۱۶۹ھ میں ایک علوی حسین بن علی نے اپنی ایک علیحدہ دعوت جاری کی۔ اتفاقاً اس زمانے میں عباسی عامل مدینۂ منورہ نے علوی خاندان کے ایک شخص سے بُرا سلوک کیا تھا۔ جس کے باعث اکثر علوی سادات اس سے برگشتہ ہوگئے۔ ان لوگوں نے مدینۂ منورہ کے رہنے والوں کو جمع کرکے حسین بن علی سے بیعت کی اور عامل کا محاصرہ کیا۔ خلیفہ نے ان کے مقابلے کے لیے محمد بن سلیمان کو روانہ کیا۔ موضع "فخ"[2] میں عباسیوں اور علویوں کے درمیان سخت لڑائی ہوئی۔ جس میں علویوں کو شکست ہوئی اور حسین بن علی اور متعدد سادات مارے گئے[3]۔ بعض مورخین نے اس واقعے کے متعلق یہ کہا ہے کہ "کربلا کے بعد فخ کی مصیبت سے زیادہ کوئی مصیبت سخت اور دردناک نہیں گذری۔ شیعہ شعرا نے اس واقعے پر بہت سے مرثیے کہے ہیں[4]۔

واقعۂ فخ کا اثر اور یحییٰ بن عبداللہ کی بغاوت

واقعۂ فخ کا ایک اہم اثر جو عباسیوں کے حق میں مضر ثابت ہوا یہ تھا کہ اس کے بعد اکثر علوی اِدھر اُدھر منتشر ہوگئے۔ ان میں سے دو شخص یعنی

---

۱ - الفاطمیون فی مصر بحوالہ "یحییٰ بن الحسین۔ لیدن۔ مخطوطہ نمبرہ (۱۹۷۴) ورقہ (۱۵۱)"

۲ - وادی فخ مکے اور مدینے کے درمیان واقع ہے۔ (معجم البلدان)

۳ - ابن خلدون $\frac{۳}{۲۱۵}$

۴ - یہ مرثیے "معجم البلدان" میں ملیں گے (دیکھیے لفظ "فخ")

نفس زکیہ اور ابراہیم قتیل باخمریٰ کے بھائی یحییٰ بن عبداللہ بن حسن بن حسن بن حضرت علیؓ بن ابی طالب اور ادریس بن عبداللہ عراق سے بھاگ کر دور نکل گئے۔ یحییٰ نے ہارون رشید کی خلافت ۱۷۶ھ میں بلاد دیلم میں امامت کا دعویٰ کیا۔ اہل دیلم نے اس کا ساتھ دیا۔ یمن کے لوگوں نے بھی کچھ مدد کی آہستہ آہستہ اس نے اپنی قوت اس قدر بڑھالی کہ خلیفہ اس سے بہت خوفزدہ ہوگیا اور فضل بن یحییٰ برمکی کو پچاس ہزار کا لشکر دے کر دیلم روانہ کیا تاکہ وہ یحییٰ کا مقابلہ کرے۔ فضل نے کچھ لالچ اور کچھ خوف دلاکر یحییٰ کو صلح پر آمادہ کیا اور اُسے بغداد بھجوادیا۔ ہارون الرشید ابتدا میں اس کے ساتھ بہت احترام سے پیش آیا اور اسے امان دیا۔ اس کے بعد زبیر بن عوام کے خاندان کے ایک شخص نے یہ خبر دی کہ یحییٰ نے شرایط امان کی خلاف ورزی کی کیونکہ اس نے مخفی طور پر پھر دعوت شروع کردی۔ اس بنا پر رشید نے اُسے قتل کروادیا[۱]

دولت ادریسیہ کا قیام

یحییٰ کے بھائی ادریس بن عبداللہ نے ۱۶۹ھ میں شمالی افریقیہ میں ایک نئی دولت عباسیوں کے خلاف قایم کی اور مغرب اقصیٰ کے اکثر شہر ان کے قبضے سے چھین لیے۔ یہ دولت جو ادریسیہ کے نام سے مشہور ہے تقریباً ڈیڑھ سو سال تک قایم رہی۔ ۳۰۷ھ میں دولت فاطمیہ نے اسے مغلوب کرکے تمام بلاد مغرب کو فتح کرلیا جس کی تفصیل ہم آئندہ فصل میں بیان کریں گے۔[۲]

مشرق میں دعوت علویہ کی ناکامیابی اور اس کا مغرب میں منتقل ہونا

گذشتہ واقعات سے ظاہر ہوگیا ہوگا کہ بلاد مشرق میں حضرت علیؓ کے فرزندوں نے اپنی دعوتیں قایم کرنے میں جان توڑ کوششیں کیں۔ مگر ان کو ایسی کامیابی حاصل نہ ہوئی

۱۔ الفخری ۱۷۶-۱۷۷

۲۔ ادارسہ کی تسخیر (فصل ۱۱)

جس سے وہ سیاسی دنیا میں کوئی نمایاں درجہ حاصل کرتے۔ یکے بعد دیگرے وہ اپنی دعوتوں کے سلسلے جاری کرتے رہے تاکہ بنو اُمیہ سے اور ان کے بعد بنو عباس سے مقابلہ کرکے اپنی امامت ثابت کریں۔ طرح طرح کی مصیبتیں جھیلیں۔ چند در چند آفتوں کا سامنا کیا۔ یہاں تک کہ بعض ان میں کے مارے گئے اور بعض قید کرلیے گئے۔ مگر پھر بھی ناکامی کے سوا کوئی نتیجہ نہ نکلا ممالک اسلامیہ کا کوئی حصہ فتح نہ ہو سکا۔ اس میں ذرا شک نہیں کہ ان کا صبر۔ استقلال اور جانفشانی قابل تحسین ہے۔ باوجود ان تمام مصیبتوں کے انھوں نے اپنی کوششوں کا سلسلہ جاری رکھا۔ عباسیوں کے خوف سے پوشیدہ اور گمنام مقامات کو "ہجرت گھر" بنایا اور وہاں جاکر تاجروں کے بھیس میں بہت ہی خفیہ طور پر تبلیغ کا کام انجام دیتے رہے۔ عباسیوں نے ان کو گرفتار کرنے کی بے انتہا کوششیں کیں مگر جس قدر ان پر سختی کی جاتی تھی اسی قدر ان کا جوش بڑھتا جاتا تھا۔ انھیں جانی اور مالی نقصانات کی کوئی پروانہ تھی۔ جب کبھی کافی قوت حاصل ہو جاتی وہ اپنی دعوت ظاہر کرتے اور بہت دلیری کے ساتھ عباسیوں کا مقابلہ کرتے[۱]

فاطمی دعوتوں کا قیام مغرب میں

بنو فاطمہ نے جب یہ دیکھا کہ مشرق میں ان کو بارہا ناکامی ہوتی رہی اور آئندہ کامیابی کی کوئی امید بھی نہیں ہے تو انھوں نے بلاد مغرب کی طرف توجہ کی۔ اس ملک کو انتخاب کرنے کی وجہ بظاہر یہی معلوم ہوتی ہے کہ یہ ملک دار الخلافہ بغداد سے دور تھا۔ سب سے پہلے فاطمی دولت جو ۱۶۹ھ میں مغرب اقصیٰ میں قایم ہوئی وہ دولت ادارسہ ہے جس کا ذکر گذر چکا ہے۔ یہ دولت گو تقریباً ڈیڑھ سو سال قایم رہی مگر اتنی ترقی نہ کرسکی کہ

---

[۱] - الفاطمیون فی مصر للاستاذ حسن ابراہیم حسن صفحہ ۴۷ (بحوالہ کتاب الافادۃ فی تاریخ الائمۃ السادۃ علی مذہب الزیدیہ۔ یحیٰی بن الحسین المتوفی سنہ ۳۶۰ھ لیدن مخطوطہ ۱۹۷۴ - ورقہ ۳۴ -

اس کا شمار اسلام کی اہم ترین دولتوں میں ہو سکے۔ قاسم بن ابراہیم جیسے داعیوں کو بھی زیادہ فروغ حاصل نہ ہوا۔ چند ہی سال میں ان کی دعوت کا خاتمہ ہو گیا۔ جیسا کہ ابھی ہم نے بیان کیا ہے۔ البتہ جو دولت ایک طویل مدت تک باقی رہی وہ تاریخ میں "دولت فاطمیہ" کے نام سے مشہور ہے جس کے پہلے خلیفہ کا ظہور رقادہ (مغرب) میں ۲۹۷ھ میں ہوا۔ اس کی ابتدا بھی ایک فرقے سے ہوئی جو "اسمٰعیلیہ" کہلاتا ہے۔ لیکن اس فرقے نے ترقی کرتے کرتے سیاست کے میدان میں قدم رکھا اور مغرب۔ مصر اور شام فتح کر لیے۔ اس کے ساتھ کا دوسرا فرقہ اثنا عشریہ فرقے ہی کی حالت میں رہا۔ اس نے کبھی اسمٰعیلیہ کی طرح سیاسی شکل اختیار نہیں کی۔ ۱۸۳ھ میں اس فرقے کے ساتویں امام حضرت موسیٰ کاظم کے انتقال کے بعد ان کے جانشین حضرت امام علی رضا ہوئے جن کے بعد اور چار امام گذرے۔ بارھویں امام حضرت محمد منتظر ہیں جو اپنے بچپن ہی میں جبکہ ان کی عمر (۵) سال کی تھی سامرا[۱] کے ایک سرداب میں چھپ گئے۔ یہی امام قیامت کے دن ظاہر ہوں گے۔

اسمٰعیلیہ کے ائمہ کا سلسلہ اس سے بیشتر بیان کیا جا چکا ہے[۲]۔ حضرت امام محمد کے انتقال کے بعد تین ائمہ عبداللہ۔ احمد اور حسین ہوئے۔ یہ تینوں مستورین کہلاتے ہیں۔ ان کے مستور ہونے کے یہ معنی ہیں کہ یہ بہت پوشیدہ طور پر اپنی زندگی بسر کرتے تھے۔ ان کے خاص خاص نقیبوں کے سوا کسی کو ان کا پتا نہ تھا۔ عباسیوں کے خوف سے انھوں نے اپنی دعوت ظاہر نہیں کی۔ یہی وجہ ہے ان کے ناموں میں بھی تاریخوں میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ان کی تفصیلی تاریخ سوائے داعی ادریس بن حسن کے جو ایک اسمٰعیلی داعی گذرے ہیں کسی دوسرے مورخ نے نہیں لکھی اس کا خلاصہ ہم اب بیان کرتے ہیں۔

---

[۱] شہرستانی صفحہ (۸۰) سامرہ ایک مقام ہے جو بغداد سے تقریباً (۷۸) میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ اس کا اصلی نام "سُرَّ مَن رَأیٰ" ہے۔ [۲] فصل (۲)

فصل (۵)

ائمۂ مستورین ۔ مہدی کے ظہور کی تیاریاں اور امام مستور حسین کی ابوالقاسم حسن بن فرح بن حوشب (منصور الیمن) سے ملاقات ۔ یمن میں دعوت اسمٰعیلیہ کی اشاعت ۔ عبداللہ المہدی پر نص ۔

ائمۂ مستورین اسمٰعیل بن جعفر صادق نے ۱۳۳ھ میں انتقال کیا اور مدینۂ منورہ کے بقیع میں دفن کیے گئے ۔ انھوں نے اپنے انتقال سے پیشتر اپنے بیٹے محمد پر جس کی عمر اس وقت (۲۶) سال کی تھی نص کی اور انھیں اپنا جانشین بنایا۔[1] اسمٰعیل کے انتقال کے بعد امام جعفر صادق نے اپنے دونوں پوتوں محمد اور علی کو چھپا دیا ۔ کسی کو ان کی بود و باش کا پتا نہ چلا ۔ دونوں نے اپنی زندگی کا زیادہ حصہ سیاحت میں گذارا اور بنو عباس کے خوف سے کسی شہر میں مستقل طور پر سکونت اختیار نہ کر سکے ۔ بعض مورخین نے یہ لکھا ہے کہ " محمد اپنی جان بچانے کے لیے مدینۂ منورہ چھوڑ کر ہندوستان[2] چلے گئے تھے کیونکہ

---

[1] ۔ زہر المعانی (ذکر امام محمد) داعی جعفر بن منصور الیمن نے محمد کی عمر چودہ سال بتائی ہے (اسرار النطقاء صفحہ ۲۲۵ - ۲۴۰) مزید تفصیل کے لیے دیکھیے فصل (۲) ذکر " فرقۂ اسمٰعیلیہ "۔

[2] ۔ دستور المنجمین ۔ نسخۂ خطیہ جس کا حوالہ Degoeie نے اپنی کتاب " القرامطہ " میں دیا ہے۔ اس نسخے کا مالک Schefer ہے O, Leary, P.36.

بنو فاطمہ اور بنو عباس کے درمیان حکومت کی رقابت کی وجہ سے سخت مخالفت تھی۔" خلیفہ عباسی ابو جعفر منصور نے عبد اللہ بن حسن بن حسن بن علی بن ابی طالب پر جبر کیا تھا کہ وہ اپنے دونوں بیٹوں محمد (جو نفس زکیہؒ سے مشہور ہیں) اور ابراہیم کو حکومت کے سپرد کر دے۔ عبد اللہ نے اس حکم پر عمل کرنے سے انکار کر دیا۔ اسی طرح امام جعفر صادق کے نام احکام جاری کیے گئے تھے کہ وہ اپنے بیٹے اسمٰعیل کو حوالے کر دیں۱۔ اس اثنا میں اسمٰعیل کا انتقال ہو گیا۔ خلیفہ مذکور کو ان کی موت کا یقین دلانے کے لیے امام جعفر صادق نے مدینۂ منورہ کے سربرآوردہ لوگوں کو اس واقعے کا گواہ بنایا جن میں عامل مدینہ بھی شامل تھا۔ جو شخص آتا اس کے سامنے اسمٰعیل کے کفن کے بند کھولے جاتے اور اس کا چہرہ دکھایا جاتا۔ عامل مدینہ نے خلیفہ کو اس واقعے کی اطلاع دی۔ غرض محمد بن اسمٰعیل نے بنو عباس کے خوف سے اپنے آپ کو اتنا پوشیدہ رکھا کہ ان کا نام "محمد مکتوم" پڑ گیا۔ محمد کی نسل سے جو ائمہ مستورین گذرے ان کی پوشیدگی کے متعلق ابن خلدون نے ایک شاعر کا شعر نقل کیا ہے:-

ولو تسألي الايامَ ماسمِيَ مادَرَتْ
واين مكاني ماعرفن مكانيا۲

سنہ ۱۳۲ھ سے لے کر سنہ ۱۷۰ھ تک محمد کی نقل و حرکت کا علم کسی کو نہ ہوا۔ ان کے خاص خاص اتباع کے سوا کوئی نہیں جانتا تھا کہ وہ کہاں رہتے ہیں۔ سنہ ۱۷۰ھ کے بعد خلیفہ ہارون رشید کو ان کا کچھ پتا لگا۔ فوراً ان کی طلبی ہوئی۔ اتفاق سے ہارون کی بیوی زبیدہ بنو فاطمہ کی طرف

۱۔ ابن خلدون ۴/۳

۲۔ مقدمۂ ابن خلدون صفحہ ۲۲۔ اس کا ترجمہ یہ ہے:- اگر تو (اے میری بیوی) زمانے سے میرا نام پوچھے تو زمانہ بتا نہ سکے گا اور اگر تو میرا مکان دریافت کرے تو زمانہ اس سے بے خبر ہوگا۔

مائل تھی۔ اس نے محمد کو خلیفہ کے ارادے سے مطلع کر دیا۔ محمد اپنے بھائی علی کے ساتھ کوفہ چلے گئے ان دونوں نے اپنے آپ کو کوفے میں بہت پوشیدہ رکھا۔ یہاں محمد کے گھر ایک بیٹا پیدا ہوا جس کا نام عبداللہ رکھا گیا اور جو آئندہ محمد کا جانشین ہوا۔ کچھ عرصے کے بعد محمد کو کوفہ بھی چھوڑنا پڑا۔ کوفے سے نکل کر محمد مع اپنے بھائی علی اور بیٹے عبداللہ کے رہیے کو روانہ ہوئے اور والی رے اسحٰق بن عباس الفارسی کے پاس جو ان کی بیوی فاطمہ کا ماموں تھا مقیم رہے۔ یہ والی اسمٰعیلی دعوت قبول کر چکا تھا۔ اور خفیہ طور پر تبلیغ کا کام بھی کرتا تھا۔ جب خلیفہ کو یہ خبر پہنچی کہ محمد اسحاق کے پاس مقیم ہیں تو اس نے اسحٰق سے اس کے متعلق دریافت کیا اسحٰق نے محمد کا پتا بتانے سے انکار کیا۔ لہٰذا اسحٰق قید کر لیا گیا اور گو اسے طرح طرح کی سزائیں دی گئیں کہ وہ گھبرا کر محمد کا پتا بتا دے۔ مگر اس نے پتا ہرگز نہ بتایا۔ کہا جاتا ہے کہ سزا کی سختیوں سے وہ قید خانہ ہی میں مر گیا۔ اسحٰق نے قید ہونے سے پیشتر محمد کو یہ رائے دی تھی کہ وہ قلعۂ نہاوند چلے جائیں جہاں ان کا ایک ذی اقتدار دوست منصور بن حوشب رہتا تھا۔ اس شخص کے قبضے میں نہاوند کی بہت سی زمینیں تھیں۔ ان میں سے اسحٰق نے چند قطعے خرید کر کے محمد کی نذر کیے تھے اور اپنے دوست منصور بن حوشب کو لکھا تھا کہ وہ محمد سے اچھا سلوک کرے اور ان کی نہایت حفاظت کرے۔ محمد قلعۂ نہاوند میں چند سال مقیم رہے اور اس قلعہ کے اطراف داکناف میں تبلیغ دعوت اسمٰعیلیہ کے لیے اپنے داعی ہرمز کو بھیجا۔ ہارون الرشید نے اس دفعہ محمد بن علی خراسانی کو متعدد ترکی سپاہیوں کے ساتھ خفیہ طور پر نہاوند روانہ کیا تاکہ وہ محمد کو اچانک گرفتار کر کے لائے۔ یہ شخص محمد کو گرفتار نہ کر سکا بلکہ محمد کے داعیوں نے اسے اپنا معتقد بنا لیا اور وہ محمد کے ساتھ فرغانہ روانہ ہوا جہاں ۱۸۲ھ میں محمد کا انتقال ہوا۔

محمد نے اپنے لڑکے عبداللہ پر نص کی۔ عبداللہ اپنے والد کے انتقال کے بعد فرغانہ کو خیرباد کہکر دیلم روانہ ہوئے۔ مگر اپنے بھائی

حسین بن مکتوم کو فرغانہ ہی میں چھوڑ دیا تاکہ وہ اس شہر میں دعوت اسمٰعیلیہ کی تبلیغ کریں۔ حسین نے بڑی سرگرمی سے تبلیغ کا کام انجام دیا۔ عبداللہ نے اپنے اور ایک بیٹے کو جس کا نام علی اور لقب لیث تھا نہاوند بھیجا۔ لیث نے بھی نہاوند میں دعوت اسمٰعیلیہ کی اشاعت میں بہت کوشش کی۔ آخرکار حسین بن مکتوم اور لیث دونوں تبلیغ ہی کے کام میں مارے گئے۔

عبداللہ دیلم سے نکل کر اہواز اور سامرہ وغیرہ کا دورہ کرتے ہوئے سلمیہ پہنچے۔ یہ شہر شام میں حمص کے قریب واقع ہے یہاں پہنچنے سے قبل عبداللہ نے اپنے آپ کو بہت پوشیدہ رکھا تھا۔ جس شہر میں رہتے تاجر کے بھیس میں رہتے اور اپنے کو عباسی ظاہر کرتے۔ ایک موقع پر وہ اس طرح پوشیدہ ہو گئے کہ اُن کے داعیوں کو بھی معلوم نہ ہوا کہ وہ کہاں ہیں۔ چاروں طرف کے داعی جمع ہوئے اور ایک جلسہ منعقد کیا تاکہ امام کا پتا لگانے کی تدبیر سوچیں۔ سب کا اتفاق اس بات پر ہوا کہ ہر داعی تاجر کے بھیس میں ایک گاؤں کا دورہ کرے اور اس میں امام کی تلاش کرے۔ ایک ایسا مقام مقرر کیا گیا جہاں وہ سب کچھ دنوں بعد جمع ہوں اور ہر داعی اپنی سرگذشت بیان کرے۔ ایک سال تک یہ جستجو جاری رہی۔ آخرکار داعیوں کے صدر کو جس کا نام ابوغفیر تھا۔ سلمیہ کے قریب ایک گاؤں دیر عصفور میں عبداللہ کا پتا لگا۔ اس کی کیفیت یہ ہے کہ ابوغفیر اپنی عادت کے مطابق عورتوں کی ضروریات بیچا کرتا تھا۔ عورتیں اور بچے اس کے گرد جمع ہو جاتے تھے۔ وہ ان سے پوچھا کرتا کیا تم نے فلاں فلاں صفت کا آدمی دیکھا ہے۔ ایک دن ایک عورت اور ایک بچے کے ذریعے اُسے عبداللہ کا پتا لگا۔ اس مقام پر دو باتیں غور کے قابل ہیں۔ پہلی تو یہ کہ خود داعی ابوغفیر عبداللہ کو پہچانتا نہ تھا۔ صرف حلیہ اور شکل سے اس نے اسے پہچانا۔ دوسری یہ کہ دیگر داعیوں میں سے کون عبداللہ کو پہچانتا تھا اس کا کوئی حوالہ نہیں ہے بہرحال ابوغفیر نے دوسرے داعیوں کو عبداللہ سے ملایا اور سب انھیں سلمیہ لے گئے۔[۱] اس وقت سے

۱؎ - استتار الامام صفحہ ۹۴۔

لے کر ظہور مہدی تک اسی شہر کو اسمٰعیلیوں نے اپنا مستقر بنایا۔ یہاں عبداللہ تاجروں کی طرح رہنے لگا۔ پھر اس نے شادی کی اور ایک عالی شان محل بنوایا۔ ۲۱۲ھ میں اپنے لڑکے احمد کو امامت کا عہدہ تفویض کر کے انتقال کر گیا۔ اس کی قبر سلمیہ میں ہے۔

عبداللہ کے بعد اُن کا بیٹا احمد امام ہوا۔ اسی احمد کے عہد میں پچھلے یمنی اسمٰعیلیوں کی روایت کے مطابق رسائل اخوان الصفا شایع ہوئے۔ ان کی اشاعت کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ خلیفہ مامون متوفی ۲۱۸ھ کے زمانے میں یونانی اور سنسکرت سے بہت سے علوم و فنون کا ترجمہ عربی میں کیا گیا۔ فلسفہ۔ منطق۔ طب۔ کیمیا وغیرہ کی تصنیفیں عربی میں منتقل کی گئیں۔ اس سے قبل مانی۔ ابن دیصان ثنوی وغیرہ کی کتابوں کا ترجمہ بھی عربی میں شایع ہو چکا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں کے مذہبی خیالات میں ایک عظیم تغیر پیدا ہو گیا۔ عقائد کمزور ہو گئے۔ شریعت میں اضمحلال پڑ گیا[1]۔ احمد بن عبداللہ نے جب یہ حالت دیکھی تو ایسے رسائل تیار کیے جن کے ذریعے مسلمان اسلام کی سچی تعلیم سے واقف ہو سکیں۔ ان رسائل میں اس بات کے ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ فلسفے کی تعلیم اسلام کی تعلیم سے علیحدہ نہیں ہے۔ دونوں اپنے اصول میں ایک دوسرے سے متفق ہیں۔ دونوں کا مقصد نفوس انسانیہ کو عالم ہیولیٰ سے نجات دلانا ہے۔ بہت قلیل مدت میں یہ رسالے تیار ہوئے اور مختلف شہروں کی مسجدوں میں رکھوا دیے گئے۔ ان کا نام رسائل اخوان الصفا رکھا گیا۔ ان کے مصنف احمد بن عبداللہ نے اپنا نام ظاہر نہیں کیا[2]۔ اخوان الصفا کی تعلیم کے اصول اور ان کے مصنفین کی تحقیق وغیرہ ہم آئندہ بیان کریں گے[3]۔ ان کے شایع ہونے کے بعد احمد کو اپنا نام اور پتا بہت پوشیدہ رکھنا پڑا۔ زیادہ دنوں تک

۱۔ مسعودی $\frac{۳}{۲۹۳}$ ۔ ۲۔ عیون الاخبار $\frac{۴}{۵۵۱-۵۹۷}$ و زہر المعانی ۱۸۵۔

۳۔ فصل ۳۴۔

سلمیہ میں ٹھہر نہ سکا۔ تاجروں کے بھیس میں مختلف شہروں میں پناہ لینی پڑی۔ کبھی کوفے میں رہتا تو کبھی عسکر مکرم میں۔ سنہ ۲۴۰ھ میں اپنے بیٹے حسین پر نص کر کے سلمیہ میں اس نے انتقال کیا[1]۔ اس کی تبلیغ رہے[2]۔ طبرستان۔ خراسان۔ یمن۔ احساء۔ قطیف اور قدس میں کامیاب ہوئی۔

مہدی کے ظہور کی تیاریاں اور حسین کی ملاقات ابوالقاسم حسن بن فرح بن حوشب (منصور الیمن) سے

حسین تین ائمہ مستورین کا آخری امام ہے۔ اس نے اپنے بیٹے عبداللہ ملقب بہ مہدی کے ظہور کی تیاریاں کیں۔ ابوالقاسم حسن ابن فرح بن حوشب[3] کو دعوت اسمٰعیلیہ کی اشاعت کے لیے یمن بھیجا۔ یہ شخص دعوت اسمٰعیلیہ قبول کرنے سے پیشتر کوفے کا ایک دولتمند اور بارسوخ باشندہ تھا۔ دولت و ثروت کے ساتھ علم و معرفت بھی رکھتا تھا۔ اس کی ملاقات حسین سے کوفے میں ہوئی۔ خود اس شخص کا بیان ہے کہ میں ایک دن فرات کے کنارے ٹہل رہا تھا۔ اتنے میں نماز کا وقت آگیا۔ میں نے وضو کیا اور نماز پڑھی۔ نماز سے فارغ ہو کر میں نے کلام اللہ کی تلاوت شروع کی۔ اتنے میں دیکھتا کیا ہوں کہ ایک عمر رسیدہ شیخ مجھ سے کچھ فاصلے پر آکر بیٹھا۔ اس کے ساتھ ایک اور آدمی بھی تھا۔ اتنے میں ایک کم سن لڑکا شیخ کے سامنے سے خراماں خراماں گذرا۔ اس لڑکے کی یہ بے باکی مجھے ناگوار گذری۔ جب وہ میرے قریب پہنچا۔ تو میں نے اس سے پوچھا تو کون ہے جو شیخ کے سامنے ایسی جسارت کرتا ہے۔ لڑکے نے کہا میں حسینی ہوں۔ حسین کا نام سنتے ہی میرا دل بھر آیا اور میری آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈبا گئیں۔ میں نے کہا قربان اس حسین[رض] کے جو خون میں نہایا اور جس پر اس نہر کا پانی بند کیا گیا۔ شیخ نے میری یہ حالت دیکھ کر اپنے رفیق سے کچھ کہا

---

[1] عیون الاخبار $\frac{4}{60}$ ۔ [2] ابن ندیم ۲۵۶ - عیون الاخبار $\frac{4}{523 - 61}$

[3] ۔ رستم بن حسین بن حوشب بن زادان النجار (ابوالفدا $\frac{2}{64}$)

جس میں سمجھ نہ سکا۔ شیخ کا رفیق میرے پاس آیا اور کہا آئیے۔ ہمارے ساتھ بیٹھئے یہ کہکر وہ مجھے شیخ کے پاس لے گیا۔ شیخ نے مجھ سے پوچھا تم کون ہو جو حسین کو یاد کرتے ہو۔ میں نے کہا ایک شیعی ہوں۔ شیخ نے کہا تمھارا نام کیا ہے میں نے کہا میرا نام ابو القاسم حسن بن فرح ہے۔ شیخ نے کہا میں تمھارے والد کو جانتا ہوں وہ مذہب امامیہ رکھتے تھے۔ کیا تمھارا ابھی وہی مذہب ہے۔ میں نے کہا ہاں پھر شیخ نے مجھ سے پوچھا تم کلام مجید پڑھتے پڑھتے کیوں رک گئے۔ جہاں سے تم نے چھوڑا تھا وہاں سے شروع کرو۔ میں سورۃ الکہف پڑھ رہا تھا۔ جب میں آیۂ "فانطلقا حتی اذا القیا غلاما فقتلہ قال أقتلت نفسا زکیۃ بغیر نفس لقد جئت شیئا نکرا"[۱] پہنچا تو شیخ نے مجھ سے اس آیت کی تفسیر پوچھی اور کہا کیا تم عدل و توحید کے قائل ہو۔ میں نے کہا ہاں وہ میرا مذہب ہے۔ شیخ نے کہا اس قصے سے عدل و توحید کس طرح ثابت ہو سکتے ہیں۔ اس سوال سے مجھے ایک گونہ پریشانی ہوئی اور میں اس کا جواب نہ دے سکا۔ پھر خود میں نے شیخ سے اس کی تفسیر پوچھی۔ شیخ نے کہا یہ راز کی بات ہے۔ ہم آئندہ کسی اور موقع پر ظاہر کریں گے۔ کچھ دیر تک دیگر امور پر گفتگو جاری رہی۔ جب شیخ نے رخصت ہونے کا ارادہ ظاہر کیا تو میں نے ان کا پتا دریافت کیا۔ شیخ نے کہا پتے کی کیا ضرورت ہے۔ ممکن ہے کہ ہم کل پھر یہاں جمع ہوں۔ دوسرے روز میں اس مقام پر گیا۔ مگر شیخ کو وہاں نہ پایا۔ میں بہت پچھتایا اور جواب کے اشتیاق میں ہر روز وہاں جایا کرتا تھا۔ اتفاق سے ایک دن شیخ کا رفیق نظر آیا۔ میں نے اسے پہلے دن کا واقعہ یاد دلایا اور شیخ کے پاس لے جانے پر اصرار کیا۔ رفیق نے مجھ سے کہا کہ ہم یہاں تھوڑی دیر بیٹھ کر چلیں گے۔ غرض ہم دونوں بیٹھے اور چند اہم مذہبی مسائل پر بحث کرتے رہے۔ جس سے مجھے پتا لگا کہ شیخ کا رفیق

---

[۱] - القرآن ۱۸/۷۴

ایک عالم متبحر ہے۔ اس سے شیخ کی ملاقات کا شوق اور بھی بڑھ گیا۔ آخر میں شیخ کے رفیق نے مجھ سے عہد و پیمان لے کر مجھے شیخ سے ملا دیا اور میں اسمعیلیہ میں شریک ہو گیا۔ اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ شیخ کا نام حسین ہے۔ اور وہ امام مستور ہے۔ جو شخص اس کا رفیق تھا۔ وہ اس کا داعی ہے[1]۔

حسین نے حسن بن فرح کو باضابطہ تعلیم دی اور مذہبی عقاید سکھائے۔ جب وہ تبلیغ کے قابل ہو گیا تو اس سے پوچھا کیا تم سفر کرو گے۔ حسن نے کہا "میں ہر طرح تیار ہوں آپ حکم دیں" حسین نے کہا میں تمھیں تبلیغ کے لیے یمن بھیجنے والا ہوں۔ صنعاء تمھارے ہی ہاتھ پر فتح ہو گا۔ مجھے انتظار صرف ایک شخص کا ہے جو یمن سے آنے والا ہے۔ یہ شخص ۲۶۶ھ میں کربلا پہنچا۔ کوفے میں اس کی ملاقات حسین کے ایک داعی سے ہوئی جس نے اسے رفتہ رفتہ اپنا معتقد بنا لیا۔ اس کا نام علی بن فضل تھا[2]۔ اور یہ کوفے کے سربرآوردہ لوگوں میں سے تھا۔ جب یہ بھی تبلیغ کے قابل ہو گیا تو حسین نے ابو القاسم حسن بن فرح سے کہا میں علی بن فضل کا منتظر تھا۔ اب وہ آگیا ہے۔ لہٰذا تم اور وہ دونوں مل کر یمن جاؤ اور عدن لاعہ[3] میں ٹھیرو۔ ہمارے شیعہ جو اپنے آپ کو بنو عباس کے ہمدرد اور طرفدار ظاہر کرتے ہیں وہاں موجود ہیں۔ وہیں سے ہماری دعوت کا ظہور ہو گا۔ اور وہیں سے ہمارے داعی دیگر ممالک میں بھیجے جائیں گے۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ فرقۂ اسمٰعیلیہ کے ہاں یمن بہت مبارک بقعہ سمجھا جاتا ہے۔

---

[1] ۔ افتتاح الدعوۃ ۴-۷

[2] ۔ ابن الاثیر (ج ۸ صفحہ ۱۱) نے اس کا نام محمد بن فضل بتایا ہے لیکن افتتاح الدعوۃ (صفحہ ۱۰) میں علی بن فضل ہے۔

[3] ۔ لاعہ ایک شہر ہے جو صنعاء کے اعمال میں داخل ہے۔ اس کے پہلو میں ایک چھوٹا سا گاؤں ہے جو عدن لاعہ کہلاتا ہے۔ یہ عدن ابین (ساحلیہ) سے علیحدہ ہے۔ عمارہ کہتا ہے کہ یہ یمن میں پہلا مقام ہے جہاں سے دعوت علویہ ظاہر ہوئی (معجم البلدان ۳/۶۲۲)

یمن میں دعوت اسمٰعیلیہ کی اشاعت

داعی ابو القاسم حسن بن فرح اور داعی علی بن فضل دونوں مل کر ۲۶۸ھ میں یمن کی جانب روانہ ہوئے اور وہاں پہنچ کر حسین کے حکم کے مطابق عدن لاعہ میں قیام کیا جہاں بنو موسیٰ رہتے تھے۔ پہلے دو سال تک خفیہ طور پر دعوت کی۔ آہستہ آہستہ کئی شخصوں کو اپنا ہم خیال بنا لیا۔ یہاں تک کہ اسمٰعیلیوں کی تعداد روز بروز بڑھنے لگی اور انھوں نے اپنی حفاظت کے لیے عدن لاعہ میں ایک قلعہ بنایا اور کچھ لشکر بھی جمع کیا۔ دو سال بعد ۲۷۰ھ میں جب ان کو کافی قوت حاصل ہوگئی تو انھوں نے اپنی دعوت کا اعلان کر دیا[1]۔ اور یکے بعد دیگرے یمن کے اکثر شہر فتح کر لیے۔ یہاں تک کہ صنعاء پر جو یمن کا صدر مقام تھا ان کا قبضہ ہو گیا اور بنو یعفر وہاں سے نکال دیے گئے۔ کہا جاتا ہے کہ صنعاء کا والی جس کا نام یعفر تھا اس بات کو محسوس کر کے کہ عنقریب اسمٰعیلی اس کے ملک پر قبضہ کر لیں گے اپنا ملک خود ہی چھوڑ کر چلا گیا۔ ابو القاسم نے یمن کے علاوہ دیگر ملکوں مثلاً یمامہ۔ بحرین۔ سند۔ ہند۔ مصر۔ مغرب وغیرہ میں بھی داعی بھیجے۔ ان داعیوں میں جن کو نمایاں کامیابی حاصل ہوئی ابو عبد اللہ حسین بن احمد بن محمد بن زکریا ہے جو شیعی کے لقب سے مشہور ہے۔ یہ شخص صنعاء کا باشندہ تھا۔ کچھ عرصے تک یہ بغداد کے بعض علاقوں میں عہدۂ احتساب پر مامور رہا۔ اس کی ملاقات ابو القاسم سے عدن لاعہ میں ہوئی۔ یہ اس کے بڑے اصحاب میں شمار کیا جاتا ہے۔ اسے ابو القاسم نے تبلیغ کے لیے بلاد مغرب بھیجا[2]۔

مہدی کی ولادت اور اس پر نص

حسین نے اپنی عمر کا آخری حصہ

۱ھ - ابن خلدون اور ابن الاثیر یہ کہتے ہیں کہ یمن پر پورا قبضہ ہونے تک ظاہر میں دعوت اثناعشریوں کے آٹھویں امام علی رضا کے نام سے اور باطن میں مہدی کے نام سے جاری رہی (ابن خلدون ۴/۴۱ - ابن الاثیر ۴/۲۴)

۲ھ - مقریزی ۳/۱۵

عسکر مکرم میں گذارا اور اسی شہر میں ۲۶۶ھ میں وفات پائی۔ اس وقت اس کا بیٹا عبد اللہ جو ۲۹۶ھ میں مہدی کی حیثیت سے بلاد مغرب میں ظاہر ہوا آٹھ سالہ بچہ تھا۔[1] اس لیے اس نے انتقال کے وقت اپنے بھائی ابوعلی محمد بن احمد کو جسے سعید الخیر بھی کہتے تھے اس کا مستودع یعنی ولی مقرر کیا۔ ولایت ملتے ہی محمد نے خود امامت غصب کر لی اور اپنے بیٹے پر نص کر دی۔ یہ لڑکا انتقال کر گیا۔ پھر دوسرے لڑکے پر نص کی۔ وہ بھی مر گیا۔ اس طرح جملہ دس[1] لڑکوں پر نص کی اور وہ یکے بعد دیگرے مرتے چلے گئے۔ آخر کار محمد نے توبہ کی اور تمام دعاۃ کو جمع کر کے مطلع کیا کہ وہ تو صرف مستودع تھا۔ پھر اس نے عبد اللہ المہدی کو امامت سپرد کر دی۔[2]

۱۔ مہدی کی ولادت ۲۶۰ھ میں عسکر مکرم میں ہوئی۔ پھر اس کا باپ اسے سلمیہ لے گیا جو ائمۂ مستورین کا مستقر تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ ان کا مستقر کوفہ تھا (عیون الاخبار ۴/۲۹۰؛ ابن خلکان ۱/۲۷۲) طبری نے مہدی کو "ابن البصری" کہا ہے۔ ممکن ہے کہ اس کا باپ حسین ایک مدت تک بصرے میں رہا ہو جس کی وجہ سے اس کا نام "ابن البصری" پڑ گیا ہو (طبری ۳/۲۲۹۱)

۲۔ استتار الامام ۹۵-۹۶۔ مہدی کا نام عبد اللہ بن الحسین تھا حالانکہ مہدی موعود کی بشارت میں قاضی نعمان بن محمد نے جو احادیث اور اقوال نقل کیے ہیں ان سے ظاہر ہے کہ مہدی موعود کا نام محمد بن عبد اللہ ہوگا۔ لیکن قاضی مذکور نے "اسمہ اسمی و اسم ابیہ اسم ابی" سے مراد محمد القایم کی لی ہے جو مہدی کا بیٹا تھا۔ (شرح الاخبار ۵/۱۶-۱۹-۴۲ و افتتاح الدعوۃ صفحہ ۵۶) ابن خلدون نے بھی جو شیعی حدیثیں نقل کی ہیں ان میں "المہدی اسمہ اسمی و اسم ابیہ اسم ابی" ہی ہے (مقدمہ ۳۱۱-۳۳۰)

فصل (۶)

ائمۂ مستورین کے اسماء اسماعیلی روایت کے مطابق۔ ائمۂ مستورین کے مختلف شجرے اور ان شجروں میں اختلاف کے اسباب۔ مہدی کی نسبت عبداللہ بن میمون القداح کی طرف اور اس کا سبب۔ میمون القداح اور محمد بن اسمٰعیل کا باہمی تعلق۔ اماموں۔ اور کفیلوں کا شجرہ۔ فاطمیین کا نسب۔ خود فاطمیین اور ان کے مشہور داعیوں کی مسئلہ نسب کی طرف عدم توجہ۔ بحث نسب کا خلاصہ۔

ائمۂ مستورین کے اسماء اسمٰعیلی روایت کے مطابق

اوپر کے بیان سے معلوم ہوا ہوگا کہ محمد مکتوم کے بعد مہدی تک تین امام گذرے جو اس لیے مستورین کہلاتے ہیں کہ انھوں نے اپنے آپ کو عوام کی نظروں سے پوشیدہ رکھا۔ ان کے نام عبداللہ الرضی۔ احمد الوفی اور حسین التقی ہیں۔ اکثر تاریخوں میں ان کے اسماء۔ تعداد اور ترتیب میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ایک تاریخ کی فہرست دوسری تاریخ کی فہرست سے نہیں ملتی۔ ابن خلکان ہی صرف ایسا مصنّف ہے جس کی روایت اسمٰعیلی تاریخوں کے مطابق ہے۔ مقابلے کے لیے ہم مختلف تاریخوں کی روایتیں نقل کرتے ہیں۔

ائمۂ مستورین کے مختلف شجرے

(۱)

ابن خلکان کی ایک روایت } در ترجمہ مہدی ۱/۲۷۲

- جعفر (الصادق)
- اسمٰعیل
- محمد (المکتوم)
- عبداللہ (الرضی)
- احمد (الوفی)
- الحسین (التقی)
- عبیداللہ (المہدی)

(۲)

استتار الامام صفحہ ۹۵

- جعفر (الصادق)
- اسمٰعیل
- محمد (المکتوم)
- عبداللہ
- احمد — ابراہیم
- الحسین — سعید الخیر
- عبداللہ (المہدی)

(۳)

عیون الاخبار ۴/۵۲۳ — ۶۱۷

- جعفر (الصادق) ۱۴۸ھ
- اسمٰعیل ۱۳۳ھ
- محمد (المکتوم) ۱۸۳ھ
- عبداللہ (الرضی) ۲۱۰ھ
- احمد (الوفی) ۲۴۲ھ
- الحسین (التقی) ۲۶۸ھ
- عبداللہ (المہدی)

(۴)

مقریزی الخطط والآثار ۲/۱۹۰ } و ابن خلدون ۴/۳۰

- جعفر (الصادق)
- اسمٰعیل
- محمد (المکتوم)
- جعفر (الصادق)
- محمد (الحبیب)
- عبیداللہ (المہدی)

(۵)

ابن الاثیر ۸/۸

- جعفر (الصادق)
- اسمٰعیل
- محمد (المکتوم)
- اسمٰعیل (الثانی)
- احمد
- عبیداللہ (المہدی)

(۶)

ابن خلکان کی دوسری روایت $\frac{۱}{۲۷۲}$

میمون القداح
|
عبداللہ
|
محمد
|
احمد
|
الحسین
|
سعید (عبیداللہ المہدی)

(۷)

مقریزی (الخطط) $\frac{۲}{۱۲۸-۱۳۰، ۲۲۳}$
مقریزی (اتعاظ الحنفاء) ۱۲
ابن ندیم (فہرست) ۲۶۵

دیصان (الثنوی الاہوازی)
|
میمون القداح
|
عبداللہ
|
احمد
|
الحسین — محمد ابو الشلعلع
|
سعید (عبیداللہ المہدی)

(۸)

ابو الفداء $\frac{۲}{۹۳}$

جعفر الصادق
|
اسمٰعیل
|
محمد (المکتوم)
|
میمون
|
عبداللہ
|
محمد
|
عبیداللہ (المہدی)

(۹)

رسائل دروزیہ O'Leary, P. 37

اسمٰعیل
|
محمد (المکتوم)
|
اسمٰعیل (الثانی)
|
محمد
|
احمد
|
عبداللہ
|
محمد
|
حسین
|
احمد (یا عبداللہ)
|
عبیداللہ (المہدی)

ان شجروں میں اختلاف کے اسباب

مذکورہ بالا فہرستوں میں نمبر (۱) اسمٰعیلیوں کی فہرست کے مطابق ہے۔ فہرستوں میں جو اختلاف واقع ہوا ہے اس کا سبب یہ ہے کہ اسمٰعیل بن جعفر صادق کے بعد جو ائمہ گذرے وہ ہمیشہ بنو عباس کے خوف سے اپنے آپ کو چھپایا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ محمد بن اسمٰعیل کا نام جیسا کہ ابن خلدون نے بیان کیا ہے "محمد مکتوم" پڑگیا[1] خلافت فاطمیہ کے ظاہر ہونے کے بعد بھی ان لوگوں نے بعض دفعہ اپنے نام چھپائے ہیں۔ چنانچہ مقریزی نے لکھا ہے کہ مہدی کے لڑکے قایم بامراللہ کا نام اصل میں محمد تھا۔ مگر مشرق میں وہ عبدالرحمٰن کے نام سے مشہور تھا[2] ائمہ مستورین کے داعی بھی اپنے اماموں کے نام بتانے میں بہت احتیاط کرتے تھے۔ جب تک یمن پر پورا قبضہ نہ ہوا۔ اس وقت تک داعی ابو القاسم حسن بن فرح نے یہ ظاہر نہیں کیا کہ وہ حسین یا اس کے بیٹے مہدی کی طرف دعوت کرتا ہے۔ بلکہ یہ ظاہر کیا کہ وہ امام علی رضا کی طرف جو ائمہ اثنا عشریہ کے آٹھویں امام ہیں دعوت کرتا ہے[3]

مہدی کی نسبت عبداللہ بن میمون القداح کی طرف اور اس کا سبب

اکثر مورخین نے مہدی کو عبداللہ بن میمون القداح کی طرف منسوب کیا ہے۔ ان کی مختلف روایتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ میمون ایران کا ایک باشندہ تھا جس کے باپ کا نام دیصان تھا۔ یہ شخص مختلف ادیان و مذاہب کے اصول سے خوب واقف تھا۔ اس نے زنادقہ کی تائید میں "کتاب المیزان" لکھی ہے۔ جس کے پڑھنے سے آدمی لامذہب ہو جاتا ہے۔ یہ ظاہر میں اپنے مریدوں سے

---

[1] ۔ مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۲۲

[2] ۔ مقریزی $\frac{۲}{۱۶۲}$ اسمٰعیل بن امام جعفر صادق کا حقیقی نام عبداللہ تھا۔ لیکن تقیے کے لحاظ سے انھوں نے اپنا نام اسمٰعیل رکھ لیا تھا (الفرائض وحدود الدین للداعی جعفر بن منصور الیمن صفحہ ۱۶)

[3] ۔ ابن خلدون $\frac{۴}{۴۱}$ ابن الاثیر $\frac{۸}{۱۲}$

محمد بن اسمٰعیل کے نام پر بیعت لیتا تھا لیکن حقیقت میں یہ خود ملحد و زندیق تھا۔ آخرت کا قائل نہ تھا۔ اس کا جانشین اس کا بیٹا عبد اللہ ہوا جس نے اپنے باپ سے اسرار دعوت اسمٰعیلیہ سیکھے۔ اس نے اپنا پیشہ آنکھوں کا معالجہ اختیار کیا۔ اس لیے یہ "قداح" کے نام سے مشہور ہو گیا۔ اسی نے دعوت اسمٰعیلیہ کے نو ۹ مدارج فری میسنری کے مدارج کے مانند مرتب کیے[1] جن کو سلسلے سے طے کرنے کے بعد آدمی معطل اور اباحی بن جاتا ہے یعنی اعمال شریعت چھوڑ دیتا ہے۔ اور محرمات کو مباح سمجھتا ہے[2]۔ یہ اپنے وطن "قورزح العباس" سے جو اہواز میں ایک موضع ہے عسکر مکرم کو روانہ ہوا جہاں اس نے اپنے باپ کی طرح اپنا کفر چھپانے کے لیے تشیع ظاہر کیا[3]۔ اس حیلے سے اس نے بڑی شہرت حاصل کی اور زرِ کثیر بھی جمع کیا۔ یہاں کے شیعہ باشندوں پر جب اس کا راز کھل گیا تو وہ بصرہ ہوتا ہوا سلمیہ پہنچا جسے اس نے اپنا مستقر بنایا۔ مہدی کے ظاہر ہونے تک یہ اور اس کے جانشین یہیں رہے۔ عبد اللہ کے انتقال کے بعد اس کے لڑکے احمد نے اس کی جگہ لی۔

اس خاندان میں احمد ہی پہلا شخص ہے جس نے یہ دعویٰ کیا کہ میں عقیل بن ابی طالب کی نسل سے ہوں۔ کچھ دنوں بعد یہ کہنے لگا کہ میں حضرت علیؓ کی اولاد میں شامل ہوں۔ اس نے دعوت اسمٰعیلیہ کی اشاعت میں بہت کوشش کی اور مختلف شہروں میں کئی داعی بھیجے۔ جن میں مشہور حسین اہوازی ہے جو عراق کی طرف روانہ کیا گیا۔ اس داعی کی ملاقات حمدان بن اشعث (قرمط) سے ہوئی جو فرقۂ قرامطہ کا بانی ہے[4]۔ یہ اتنا اہم فرقہ گذرا ہے کہ بعض مورخین مثلاً جمال الدین وغیرہ نے اسمٰعیلیہ کو اس کی ایک شاخ سمجھا ہے۔ حالانکہ قرامطہ

---

[1] Macdonald, P. 41.

[2] ان نو ۹ مدارج کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو فصل (۳۳)

[3] مقریزی ۲/۱۵۸

[4] اتعاظ الحنفاء ۱۱-۱۴۔ اس فرقے کے تفصیلی واقعات کے لیے ملاحظہ ہو فصل (۳۱)

ابتدا میں اسمٰعیلیہ میں شامل تھے۔ جیسا کہ ہم آئندہ بیان کریں گے۔[1] پھر انھیں ایسے مواقع ہاتھ لگے جن سے وہ سیاسی میدان میں اُتر آئے۔ اور عراق و شام کے چند شہروں پر قبضہ کر لیا۔ خود مختاری حاصل ہو جانے سے انھوں نے علانیہ اپنے اصلی عقائد ظاہر کیے۔ مزید برآں ان کے اکثر افراد زراعت پیشہ تھے۔ جس کی وجہ سے انھوں نے ترکِ اعمالِ شریعت کے متعلق ایک "کثیف شکل" اختیار کی۔ بخلاف اس کے ان کی اصلی جماعت کو افریقیہ اور مصر میں حکومت ملی جہاں رعیت کا بیشتر حصہ تعلیم یافتہ اور متعصب تھا۔ اس لیے یہ اپنے اصلی عقائد کو عوام میں ظاہر نہ کر سکے اور مجبوراً انھیں اپنے رعایا کے عقائد کی مشابہت اختیار کرنی پڑی۔[2]

احمد کے انتقال کے بعد اس کے دو بیٹوں حسین اور ابو شلعلع محمد الجبیب میں سے حسین اس کا جانشین ہوا جس نے سلمیہ کی ایک یہودن سے نکاح کیا۔ مگر قبل اس کے کہ کوئی بیٹا پیدا ہو اس کا انتقال ہو گیا اس لیے اس نے یہودن کے اس لڑکے کو جو اس کے پہلے شوہر سے تھا متبنیٰ بنا کر اسے اپنا جانشین قرار دیا۔ لیکن چونکہ اس لڑکے کی عمر صرف دس سال کی تھی اس لیے اپنے بھائی شلعلع کو اس کا ولی مقرر کیا۔ اس لڑکے کا اصلی نام سعید الخیر ہے۔ (۳۷) سال کی عمر میں جبکہ وہ مہدی کی حیثیت سے رقادہ میں ظاہر ہوا۔ اس نے اپنا نام عبداللہ (عبیداللہ) رکھا۔[3]

پروفیسر اولیری لکھتا ہے کہ "جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ میمون دیصان ثنوی کا لڑکا ہے ان کا مقصد صرف یہی معلوم ہوتا ہے کہ فاطمیین کو زنادقہ کی طرف منسوب کریں۔ کیونکہ تاریخ میں جو شخص ابن دیصان سے مشہور ہے وہ وہی ہے جو ثنویت کا قائل تھا۔[4] اور جسے لوگ زندیق کہا کرتے تھے۔[5] میمون کو

---

[1] - فصل (۳۱) - [2] - O' Leary, P. 38 [3] - اتعاظ الحنفاء صفحہ ۲۱۔

[4] - یعنی نور کا ایک خدا اور ظلمت کا ایک خدا۔ ایسے دو خداوں کو ماننے والے ثنوی کہلاتے ہیں۔

[5] - شامی زبان میں اسے "باردیصان" کہتے ہیں۔

دیصان کا لڑکا قرار دینا بڑی بھاری تاریخی غلطی ہوگی کیونکہ ابن دیصان ثنوی میمون سے تقریباً سوا چار سو سال پیشتر فوت ہو چکا ہے[1]۔ علاوہ اس کے ابن ندیم اپنی کتاب "الفہرست" میں یہ کہتا ہے کہ عبداللہ میمون کا لڑکا ہے جو قداح سے مشہور ہے۔ یہ شخص تو زرح العباس (کرج) کا رہنے والا تھا جو شہر اہواز کے قریب ایک موضع ہے۔ اس کے باپ میمون کی طرف فرقہ میمونیہ منسوب ہے۔ یہ لڑکا ظاہر میں ابو الخطاب محمد بن ابو زینب کی جو علی ابن ابی طالب کی الوہیت کا قائل تھا پیروی کرتا تھا۔ میمون اور اس کا لڑکا عبداللہ دونوں دیصانی تھے۔ عبداللہ نے ایک مدت تک نبوت کا دعویٰ کیا وہ بڑا شعبدہ باز تھا۔ اور دور دراز ملکوں کی خبر دیتا تھا[2]۔ ابن ندیم کا پہلے میمون کا مذہب بیان کرنا اور اس کے بعد یہ کہنا کہ وہ اور اس کا لڑکا عبداللہ دونوں دیصانی تھے اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ دونوں دیصان کے لڑکے نہیں تھے۔ بلکہ دیصان کی طرح وہ بھی ثنوی تھے۔

میمون القداح اور محمد بن اسمٰعیل کا باہمی تعلق

داعی ادریس کی یہ روایت ہے کہ اسمٰعیل کے انتقال کے بعد جب محمد ان کے وارث اور جانشین ہوئے تو امام جعفر صادقؑ نے محمد کو بالکل چھپا دیا کیونکہ خلافت عباسیہ ان کی جان کے درپے تھی۔ اور عوام میں امام موسیٰ کاظم کو ان کا حجاب یا مستودع (یعنی ظاہری نائب) اور میمون القداح کو ان کا کفیل (یعنی باطنی نائب) مقرر کیا تاکہ لوگ محمد کو بھول جائیں اور ان کی توجہ امام موسیٰ کاظم اور میمون کی طرف ہو جائے[3]۔ چونکہ میمون دعوت باطنہ کا صدر تھا لہٰذا عام لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ مہدی میمون کی اولاد میں سے ہے۔

---

[1] - ابن دیصان کا سنہ وفات ۲۲۲ بعد وفات مسیح ہے۔ [2] - ابن ندیم ۲۶۴ -

[3] - زہر المعانی ۱۵۵ - کلام پیر میں بجائے حجاب کے "مستودع" کا لفظ ہے - صفحہ (۷۵) کان میمون حجۃ اسمٰعیل و ولدہ عبداللہ کان حجۃ محمد بن اسمٰعیل و بنیہ و داعیاً الیھم (عیون الاخبار $\frac{۵}{۲۱۹}$)۔

اس روایت کی تصدیق "جامع التواریخ" سے بھی ہو سکتی ہے۔ جس کا مصنف یہ کہتا ہے کہ "امام جعفر صادق نے اپنے پوتے محمد بن اسمٰعیل کو ابو شاکر میمون کے ساتھ جو میمون القداح کے نام سے مشہور ہے طبرستان بھیج دیا تھا[1]۔ خلاصہ یہ ہے کہ میمون القداح امام محمد بن اسمٰعیل کا کفیل اور اس کا لڑکا عبداللہ امام عبداللہ بن محمد کا کفیل تھا۔ اس طرح دو سلسلے قایم ہوئے۔ ایک سلسلہ اماموں کا اور دوسرا کفیلوں کا۔ بہت ممکن ہے کہ تقیّے کے لحاظ سے سوائے میمون کے دوسرے کفیلوں نے اماموں کے نام اختیار کیے ہوں۔ تاکہ وہ اپنے اماموں کو حکومت عباسیہ کے حملوں سے بچائیں[2]۔ اس وجہ سے اکثر مورخین نے یہ رائے قایم کی کہ عبداللہ المہدی حقیقت میں عبداللہ بن میمون القداح کی نسل سے ہے۔ شاید ان کا رجحان اس روایت کی طرف ہو کہ ابتدا میں عبداللہ بن میمون القداح امام محمد بن اسمٰعیل کے نام سے بیعت لیتا تھا۔ لیکن اس کے لڑکے احمد کو جب کافی قوت حاصل ہو گئی تو اس نے یہ دعویٰ شروع کر دیا کہ میرا باپ عبداللہ ہی حقیقی امام ہے اور میں اس کا جانشین ہوں[3]۔ یہ دیکھ کر قرامطہ نے اس سے قطع تعلق کر لیا۔ جیسا کہ آئندہ معلوم ہوگا۔

اماموں اور کفیلوں کا شجرہ حسب ذیل ہے:-

امام	کفیل	حجاب (مستودع)
محمد بن اسمٰعیل	میمون	موسیٰ کاظم
عبداللہ	عبداللہ	×
احمد[4]	×	×
حسین	×	×
عبداللہ (المہدی)	×	×

[1] رشید الدین۔ [2] عیون الاخبار $\frac{5}{219}$ ۔ [3] فصل (۳۱) قرامطہ کی اسمٰعیلیوں سے علٰحدگی۔
[4] مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو فصل ۳۱ (قرامطہ کی اسمٰعیلیوں سے علٰحدگی) "الفہرست" میں یہ ہے کہ احمد عبداللہ کا پوتا تھا۔ یعنی عبداللہ کا لڑکا محمد اور اس کا لڑکا احمد تھا۔ (ابن الندیم صفحہ ۲۶۵)

فاطمیین کا نسب

فاطمیین کا میمون القداح کی طرف منسوب کیے جانے سے کیا مقصد ہے اس کی ہم توضیح کر چکے ہیں۔ اب رہی یہ بات کہ یہ ائمہ حضرت فاطمہ کی نسل سے ہیں یا نہیں اس کے متعلق مورخین میں اختلاف ہے۔ ابن خلدون اور مقریزی اس رائے پر متفق ہیں کہ یہ فاطمی النسل ہیں[لہ]۔ ان مورخین نے اس کی تائید میں کافی دلائل پیش کیے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ "جس قدر روایتیں خلفائے عبیدیین کے نسب کو باطل کرنے کے لیے شایع ہوئی ہیں وہ سب موضوع ہیں۔ کیونکہ یہ روایتیں خلفائے بنی عباس کے طرفداروں کی ہیں۔ اور بنی عباس اور بنی فاطمہ میں سخت مخالفت تھی۔ بنی فاطمہ نے بنی عباس کے اکثر ممالک مثلاً مغرب۔ مصر اور شام پر قبضہ کر لیا تھا۔ یہاں تک کہ امیر بساسیری خود بنی عباس کے دار الخلافہ بغداد میں ایک سال تک بنی فاطمہ کے نام سے خطبہ پڑھتا رہا۔ یمن اور حجاز میں ان کی دعوت شایع ہو چکی تھی۔ اندلس میں، جو بنی امیہ تھے وہ بنی فاطمہ سے گھبراتے تھے۔ اور ہمیشہ ان کی بیخ کنی کے درپے رہتے تھے۔ یہ سب باتیں اس شخص کو کس طرح حاصل ہو سکتی ہیں جس کا نسب فاطمی نہ ہو۔ کیونکہ بنی فاطمہ کی اس زمانے میں قلت نہیں تھی۔ اور لوگوں میں ان کی قدر ومنزلت بہت بڑھی ہوئی تھی۔

لہ۔ مقدمہ ابن خلدون ۔ ۲۱ تا ۲۳ ۔ مقریزی $\frac{۳}{۱۵۹}$ جمال الدین الحلبی ۔ ابن خلکان ۔ المکین ۔ ابو الفدا ۔ سیوطی ۔ ابو المحاسن ان مورخین میں ہیں جو خلفاء مصر کو فاطمی النسل نہیں سمجھتے۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھئے (اتعاظ الحنفا صفحہ ۸) مستشرقین میں ڈی ساسی De Sacy صحت نسب کا قائل ہے۔ اور کواترمیر Quatermere اس کا مخالف ہے۔ (L. Poole, p..96)

وسٹن فلٹ کہتا ہے کہ "جہاں تک مجھے معلوم ہے سوائے الشریف العمری اور اس کے استاد "الشیخ" کے کسی نسب داں نے بنو فاطمہ کا نسب نہیں لکھا۔ یہ دونوں ان کے مال و زر سے فائدہ اٹھاتے تھے۔ اسما اور تعداد کا اختلاف ہی کافی ثبوت ہے کہ نسب جھوٹ اور دھوکا ہے" Ges. Fat. ch. P. 5 الشریف العمری اور اس کے استاد کا حوالہ مقریزی نے بھی دیا ہے (اتعاظ الحنفا صفحہ ۸)

قرمطی کے واقعے پر ذرا غور کرو جس نے اپنے نسب کے متعلق جھوٹا دعویٰ کیا تھا۔ کس طرح اس کا بھانڈا پھوٹ گیا اور اس کی دعوت نابود ہو گئی۔ اور اس کو اپنے جھوٹے دعوے کا خمیازہ بھگتنا پڑا۔ اگر فاطمیین کا دعویٰ بھی جھوٹا ہوتا تو ان کا بھی یہی انجام ہوتا۔ حالانکہ ان کی حکومت تقریباً (۲۷۰) سال قایم رہی ان کے زوال کے بعد بھی ان کے داعی ظاہر ہوتے رہے اور ان کی اولاد کی طرف دعوت کرتے رہے۔ اگر ان کے اتباع کو ان کے نسب میں ذرا بھی شک ہوتا تو وہ اس قدر تکلیفیں کیوں اٹھاتے اور اپنے آپ کو خوفناک خطروں میں کیوں ڈالتے متعجب ہے کہ ابوبکر باقلانی صدر متکلمین کی بھی یہی رائے تھی۔ اگر یہ رائے اس وجہ سے قایم ہوئی کہ خلفائے فاطمیین ملحد تھے اور صحابہ کو نہیں مانتے تھے۔ تو یہ ضروری نہیں کہ بنی فاطمہ میں شامل ہونے سے وہ الحاد سے بری ہو جائیں۔ خاندانی معاملات کو مذہب میں کوئی دخل نہیں ہو سکتا۔ زمانہ ستر میں یہ لوگ اپنے مخالفین کے خوف سے بہت پوشیدہ رہتے تھے۔ عوام کو ان کے وجود کا بہت کم علم تھا۔ لہٰذا جب یہ ظاہر ہوئے اور یکے بعد دیگرے ملکوں پر قبضہ کرتے گئے تو بنی عباس کے طرفداروں کو ان کے نسب پر طعن کرنے کا موقع ملا۔ ان لوگوں نے اپنے خلفا کو خوش کرنے کا یہ طریقہ اختیار کیا۔ ۴۰۲ھ میں قادر باللہ نے جو محضر بنی فاطمہ کے نسب کے متعلق تیار کرایا اس پر جن جن لوگوں نے اپنے دستخط کیے ہیں ان سب کی شہادت صرف سماع پر موقوف تھی[1]۔ انھوں نے کبھی تحقیق نہیں کی۔ مورخین نے بھی جس طرح سنا اسی طرح لکھ دیا۔ سب سے بڑی دلیل بنی فاطمہ کے نسب کی صحت کی خلیفہ معتضد باللہ کے خطوط ہیں۔ ان میں سے ایک خط تو خلیفہ نے ابن مدرار کے نام لکھا تھا جو سجلماسہ کا والی تھا۔ دوسرا خط ابن اغلب کو لکھا گیا تھا جو قیروان کا والی تھا۔ یہ دونوں خط عبداللہ المہدی کو گرفتار

[1] - ان لوگوں کے اسما فصل (۱۶) میں ملیں گے۔

کرنے کے لیے روانہ کیے گئے تھے۔ معتضد باللہ بہ نسبت دوسرے لوگوں کے خاندان اہل بیت سے زیادہ واقف تھا۔ اگر اس کو مہدی کے نسب میں ذرا بھی شک ہوتا تو ان کے گرفتار کرنے میں اتنی کوشش کیوں کرتا۔ شریف رضی کے شعر بھی جو ذیل میں نقل کیے گئے ہیں ان کے فاطمی النسل ہونیکی تائید کرتے ہیں[۱]۔ بہر حال ابن خلدون اور مقریزی نے اس مسئلے پر کافی بحث کی ہے اور تاریخ پڑھنے والوں کو متنبّہ کیا ہے کہ وہ ایسی جھوٹی خبروں سے دھوکا نہ کھائیں اور ان کے ماننے سے احتراز کریں[۲]۔ ایسی باتوں کو ابن خلدون نے "اغلاط مورخین" میں شمار کیا ہے۔

حال ہی میں یعنی ۱۹۳۴ء میں پرنس۔ پی۔ ایچ۔ مامور Prince P. H. mamour نے ایک مبسوط مضمون جس کا حجم تقریباً ڈھائی سو صفحے ہے بنام Polemics on the Origin of the Fatimid caliphs (بحث مباحثہ بر اصلیت خلفائے فاطمیین) لندن میں شایع کیا ہے۔ اس میں یہ بات ثابت کرنے کی بڑی کوشش کی ہے کہ فاطمیین حضرت رسول خدا صلعم کی ذریت سے ہیں۔ نتیجہ یہ نکالا ہے کہ میمون القداح امام محمد بن اسمٰعیل کا فرضی نام تھا۔ جسے اس نے عباسیوں کی زد سے بچنے کے لیے اختیار کیا تھا۔ جب کہ اس کے دادا نے اسے اسمٰعیل کے انتقال کے بعد

---

[۱] - ما مقامی علی الھوان وعندی مقول صارمٌ وانف حمیٌّ
البس الذل فی دیار الاعادی وبمصر الخلیفۃ العلوی
من ابوہ ابی ومولاہ مولا یَ اذا ضامنی البعید القصیُّ
لفّ عرقی بعرقہ سیّد النا سِ جمیعاً محمدٌ وعلیٌّ

شریف رضی نے اپنے دیوان میں یہ شعر اس لیے نہیں درج کیے کہ وہ بنو عباس سے ڈرتے تھے اور انھوں نے محضر مذکور پر دستخط کیے تھے (ابن الاثیر ۸/۹)۔ حال میں جو دیوان چھپا ہے اس میں یہ شعر موجود ہیں (صفحہ ۹۷۲ مطبعۂ ادبیہ۔ بیروت ۱۳۰۹ھ)

[۲] - مقدمہ ابن خلدون ۲۱ تا ۲۳۔ مقریزی ۲/۱۵۹ ۔ ابن الاثیر ۸/۹۰

پبلک کی نظروں سے پوشیدہ کرنے کے لیے مدینے سے ایران بھیج دیا تھا۔ یعنی میمون القداح کوئی علیحدہ شخص نہ تھا۔ عوام الناس محمد بن اسمٰعیل کو میمون القداح سمجھتے تھے۔ یہ مدینہ سے نکل کر ری پہنچا۔ جہاں اس نے قداحی کا فن سیکھا۔ اس کے بعد وہ نہاوند روانہ ہوا۔ یہاں اس نے "میمون القداح" کا نام اختیار کیا۔[۱]

مختلف فرضی ناموں کا اختیار کرنا اسمٰعیلیوں کے ہاں کوئی نئی بات نہیں ہے۔ اکثر اوقات ائمۂ مستورین نے ایسا کیا ہے تاکہ عوام کو ان کا پتا نہ لگے۔[۲] اس کی ایک مثال آئندہ ملے گی۔[۳]

خود فاطمیین اور ان کے مشہور داعیوں کی مسئلۂ نسب کی طرف عدم توجہ

ان تمام مباحث کے بعد اب ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ خود فاطمیین یا ان کے عہد کے مشہور داعیوں نے اثبات نسب میں کیا حصہ لیا۔ متعدد دفعہ ظہور کے زمانے میں نسب کا سوال اٹھایا گیا۔ لیکن کسی امام نے اطمینان بخش جواب نہ دیا۔ یہ لوگ کبھی اتنی جرأت نہیں کر سکتے تھے کہ اپنا نسب منبر یا کسی مجمع میں بیان کریں۔[۴] معز سے مصر میں داخل ہونے کے بعد کسی امیر نے پوچھا "آپ کا نسب کیا ہے"۔ اس کے جواب میں معز نے ایک جلسہ منعقد کیا اور اپنی تلوار میان سے نکال کر کہا "یہ میرا نسب ہے"۔ پھر اس نے سونا حاضرین پر نثار کر کے کہا

---

۱ ۔ یہ مضمون Louzac and Co. نے لندن سے شایع کیا ہے۔ یہ نہایت مفید اور پُر از معلومات مضمون ہے۔ جس سے دولت فاطمیہ کے متعدد پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے۔ اس میں متعدد کتابوں کے حوالے ہیں۔ داعی جعفر بن منصور الیمن نے بھی یہی وجہ بتائی ہے (الفرایض وحدود الدین صفحہ ۱۶)

۲ ۔ عریب بن سعد القرطبی صفحہ ۱۲ Establishment of the Fatemide Dynasty in Northern Africa by J. nicholson, P. 12

۳ ۔ فصل (۱۲)

۴ ۔ اخو محسن محمد بن علی (اتعاظ الحنفاء ۱۵)

"یہ میرا حسب ہے"[1]۔ اسی طرح عزیز سے بھی پوچھا گیا۔ لیکن اس نے خاموشی اختیار کی[2]۔ عضد الدولہ (بویہی) نے عزیز سے اس کا نسب دریافت کیا۔ عزیز نے اپنے قاضی ابن نعمان کے ذریعے جو اس وقت دعوت کی انجمن کا صدر تھا ایک نسب نامہ تیار کروا کے بغداد بھیجا عضد الدولہ کے قاصد کو جس کے ساتھ یہ نسب نامہ بھیجا گیا تھا کسی نے اثنا سفر میں زہر دے دیا جس سے وہ مرگیا[3]۔ الغرض یہ نسب نامہ بغداد نہ پہنچ سکا[4]۔ اس زمانے میں شہر دمشق میں جو خطبہ پڑھا جاتا تھا اس میں ائمہ مستورین کے اسما کی جگہ "ممتحنین یا مستضعفین"[5] جیسے الفاظ پڑھے جاتے تھے[5]۔ حاکم کے عہد میں ابطال نسب کے لیے بنو عباس نے ایک محضر تیار کرایا لیکن فاطمیین کی جانب سے کوئی تردید نہ ہوئی[6]۔

زمانۂ ظہور کے مشہور اسمٰعیلی داعیوں میں سے بھی کسی نے اس امر کی طرف توجہ نہیں کی۔ قاضی القضاۃ داعی الدعاۃ نعمان بن محمد متوفی ۳۶۳ھ نے اپنی تصانیف[7] شرح الاخبار۔ کتاب المناقب والمثالب۔ افتتاح الدعوۃ وغیرہ میں ائمۂ مستورین کا مطلق ذکر نہیں کیا۔ حالانکہ ان کتابوں میں امام جعفر الصادق تک کے ائمہ اور ظہور کے ائمہ مہدی۔ قایم منصور اور معز کے تفصیلی حالات موجود ہیں۔ ہر کتاب اپنے زمانے کے امام کی نظر سے گزر چکی ہے اور اُس پر اس کے دستخط ہو چکے ہیں جیسا کہ اُس کے مقدمے سے ظاہر ہے۔ شرح الاخبار کے چودھویں جز میں جہاں اسمٰعیل کے انتقال کی خبر لکھی ہے صرف اتنا لکھا ہے کہ ایک فرقہ امام مذکور کے لڑکے محمد کی امامت کا قائل ہے جو اس وقت بالغ ہو چکا تھا[8]۔ اس مقام پر بھی داعی مذکور نے بالکل سکوت اختیار کیا ہے۔ حالانکہ کتب مذکورہ کی تالیف کا زمانہ ظہور کا زمانہ تھا۔

---

[1]۔ ترجمہ ابن طباطبا (ابن خلکان $\frac{1}{259}$)۔ [2]۔ فصل ۱۵ (عزیز کی سیرت اور اس کا انتقال)

[3]۔ اتعاظ الحنفا۔ ۱۵۔ [4]۔ Wustenfeld, P.144

[5]۔ اتعاظ الحنفا ۱۵۔ [6]۔ فصل ۱٦ (بنو فاطمہ کے نسب کو باطل کرنے کے لیے ایک محضر کی تیاری)

[7]۔ فہرست مآخذ کتب جو اس کتاب کے آخر میں ہے۔ [8]۔ شرح الاخبار $\frac{14}{15}$

تقیہ کا کوئی محل نہ تھا۔ پھر بھی اس نے اپنے منظوم تاریخی ارجوزہ میں ائمہ مستورین کے متعلق یہ لکھا ہے :-

ولم یکن یمنعنی من ذکرھم　–　الا احتفاظی بمصون سرھم[1]

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ امام مہدی کے ظہور سے لے کر اس کے بیٹے محمد (متوفی ۳۳۴ھ) کے عہد یعنی تقریباً سینتیس[37] سال تک بھی نسب کا مسئلہ سربستہ راز تھا۔ اس کے بعد بھی نہ معلوم کب تک یہ مسئلہ معرض خفا میں رہا۔ قاضی مذکور کی ایک دوسری تصنیف "المجالس والمسائرات" جو معز متوفی ۳۶۵ھ کے عہد میں لکھی گئی ہے اس کی دوسری جلد میں ایک روایت ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ معز کے پاس ایک شخص کسی داعی کی طرف سے ایک کتاب لایا جس میں یہ درج تھا کہ کسی امام کے بعد امامت میمون القداح اور فلاں فلاں کی طرف منتقل ہوئی۔ اس کے جواب میں معز نے صرف اتنا کہا کہ سبب امامت ہم سے منقطع نہیں ہو سکتا۔ میمون القداح مستودع تھا۔ امامت کا حقیقی مالک مستقر امام تھا۔[2] اس امام کا نام نہیں بتایا نہ اس کے بعد کے اماموں کا ذکر کیا۔ عجیب ترین امر یہ ہے کہ قاضی مذکور نے اپنی مشہور فقہ کی کتاب "دعائم الاسلام" میں جو دعاء تقرب لکھی ہے اس میں امام جعفر صادقؑ کے نام کے بعد کسی امام کا نام نہیں پایا جاتا حالانکہ یہ دعا ہر نماز کے بعد عقیدتمندی سے پڑھی جاتی ہے اور بہت مبارک سمجھی جاتی ہے۔[3]

۱ھ۔ الارجوزۃ المختارۃ ۱۷۲-۱۷۳۔　۲ھ۔ المجالس والمسایرات $\frac{۲}{۲۵۶}$ ۔

۳ھ۔ اسی بنا پر مصنف "مستدرک الوسائل ومستنبط المسائل" نے لکھا ہے کہ قاضی نعمان بن محمد حقیقت میں اسمٰعیلی نہیں تھے۔ اس نے یہ حجت پیش کی ہے :- لو کان اسماعیلیا لذکر بعد جعفر الصادق اسماعیل بن جعفر ثم محمد بن اسماعیل الی امام عصرہ ولم یکن لہ داع الی الابھام اما باطنا فللونہ معتقدہ واما ظاھرا فلموافقتہ لطریقۃ خلیفۃ عصرہ۔ اس سلسلے میں "دعائم الاسلام" کی اور روایتیں بھی پیش کی گئی ہیں (الحاج میرزا محمد حسین النوری۔ مستدرک الوسائل $\frac{۲}{۳۱۳}$)

قاضی مذکور کے "مولی" داعی جعفر بن منصور الیمن کی تصانیف بھی اس بحث سے معرّیٰ ہیں۔ اس کی ایک کتاب "الفرائض وحدود الدین" میں ائمۂ مستورین کا ذکر اس قدر پیچیدہ ہے کہ اس سے بجائے یقین حاصل ہونے کے شک اور بڑھ جاتا ہے۔ خود مصنف نے اقرار کیا ہے کہ مجھے سلسلے سے مہدی کا کلام یاد نہیں رہا[1]۔

سب سے پہلی کتابیں جن میں ائمۂ مستورین کا ذکر ہے "تنبیہ الہادی والمستہدی" مصنفہ داعی حمید الدین الکرمانی اور "استتار الامام" مصنفہ داعی احمد بن ابراہیم ہیں[2]۔ جو ظہور کے ایک سو پندرہ سال بعد کی ہیں۔ ان میں بھی صرف ائمۂ مستورین کے نام ہیں۔ نسب پر کوئی بحث نہیں کی گئی ہے۔ "استتار الامام" حال ہی میں قاہرہ میں چھپی ہے۔ اس کے شایع کرنے والے کی یہ رائے ہے کہ یہ کتاب تاریخ میں شمار نہیں کی جا سکتی۔ اس میں جو باتیں پائی جاتی ہیں ان پر افسانوں کی روح غالب ہے[3]۔ اس کا ذکر ہم مقدمے میں کر چکے ہیں۔

بحثِ نسب کا خلاصہ

بحث نسب کا خلاصہ یہ ہے کہ محمد بن اسمٰعیل ابن جعفر الصادق اور عبد اللہ بن میمون القداح دونوں کا وجود تاریخ سے ثابت ہے جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے۔ ثبوت طلب امر حسب شجرۂ ذیل صرف اتنا ہے کہ دولتِ فاطمیہ کا پہلا امام مہدی محمد ابن اسمٰعیل کی نسل سے ہے نہ کہ عبد اللہ بن میمون القداح کی نسل سے جو دعوتِ اسمٰعیلیہ کا صدر تھا۔ اور جس نے یہ دعویٰ کیا کہ میں عقیل بن ابی طالب کی ذریت سے ہوں یا جس کے بیٹے احمد نے جب اسے کافی قوت حاصل ہو گئی تو یہ دعویٰ کیا کہ میں حضرت علی کی اولاد میں شامل ہوں جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے[4]۔

---

[1] ۔ الفرائض وحدود الدین ص ١٦ - ١٨ -

[2] ۔ فہرست مآخذ کتب جو اس کتاب کے آخر میں ہے۔

[3] ۔ مقدمہ استتار الامام صفحہ ٨٩

[4] ۔ فصل ٦ (میمون القداح اور محمد بن اسمٰعیل کا باہمی تعلق)

(ا)	(۲)
محمد بن اسمٰعیل بن جعفر الصادق	میمون القداح (کفیل)
عبداللہ	عبداللہ "
احمد	احمد
حسین	حسین
المہدی	المہدی

یہ بحث نہایت اہم ہے۔ کیونکہ فاطمیین کا یہ دعویٰ تھا کہ ہم حضرت فاطمہؓ کی ذریت سے ہیں۔ اگر یہ ائمہ یا ان کے ہم عصر داعی کوئی مفصل رسالہ اس موضوع پر لکھتے تو مورخین میں اختلاف واقع نہ ہوتا۔

فصل (۷)

ابوعبداللہ شیعی اور بلادِ مغرب

داعی ابوعبداللہ شیعی کا مغرب بھیجا جانا اور اس کا سبب۔ اس سے پیشتر مغرب کی حالت۔ ابوعبداللہ کے مغرب پہنچنے کی کیفیت۔

داعی ابوعبداللہ شیعی کا مغرب بھیجا جانا اور اس کا سبب

ہم نے فصل سوم میں جہاں مہدی کے ظہور کی تیاریاں بیان کی ہیں یہ ذکر کیا تھا کہ ابوعبداللہ حسین بن احمد بن محمد بن زکریا جو شیعی کے نام سے مشہور ہے[۱] دعوت اسمٰعیلیہ کی اشاعت کے لیے یمن سے بلادِ مغرب بھیجا گیا۔ اس شہر کو انتخاب کرنے کی دو وجہیں بیان کی جاتی ہیں۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ مغرب عباسیوں کے دار الخلافہ بغداد سے بہت دور ہے۔ اکثر نئے فرقوں نے اسی دور افتادہ علاقے کو اپنی آماجگاہ بنایا تھا۔ چنانچہ خوارج بھی وہاں جا کر بسے تھے۔ اسمٰعیلی داعیوں نے بھی جب یمن پر اپنا قبضہ کر لیا تو مزید اشاعت کے لیے مغرب کو منتخب کیا دوسری وجہ

---

[۱] ۔ مغرب میں مشرقی اور معلم کے نام سے بھی مشہور تھا۔ جو لوگ اس کی دعوت میں داخل ہوتے تھے وہ مشارقہ کہلاتے تھے (افتتاح الدعوۃ صفحہ ۴۵)

یہ ہے کہ مغرب اور جنوبی عرب (یمن) کے باشندوں میں گہرا میل جول رہا ہے۔ اور بعض بول چال کی خصوصیتیں بھی دونوں کی زبانوں میں مشترک پائی جاتی ہیں[1]

داعی ابوعبداللہ کے مغرب پہنچنے سے پیشتر مغرب کی حالت

قبل اس کے کہ ہم مغرب میں ابوعبداللہ کی فتوحات بیان کریں مناسب ہوگا کہ داعی مذکور کے مغرب جانے سے پیشتر مغرب کی جو حالت تھی اُسے واضح کر دیں۔ یہ بات یاد رکھنا چاہیے کہ اس سے تقریباً ڈیڑھ سو سال قبل ہی یعنی ۱۴۵ھ میں حضرت جعفر صادق[2] نے دو داعی مغرب بھیجے تھے۔ ایک کا نام ابوسفیان تھا اور دوسرے کا حلوانی۔ ان دونوں سے حضرت نے فرمایا تھا کہ "مغرب کی زمین غیر مزروعہ پڑی ہوئی ہے۔ جاؤ اور اس میں ہل چلاؤ جب تک کہ صاحب البذر (بیج بونے والا) وہاں پہنچے"۔ یعنی مذہب اہل بیت کی اشاعت کرو جب تک کہ ابوعبداللہ شیعی آئیں۔ ابوسفیان نے مغرب پہنچکر موضع مرماجنہ[3] میں اقامت کی اور حلوانی نے موضع سوق حمار میں۔ ہر ایک نے اپنے موضع میں ایک مسجد بنوائی اور تبلیغ کا کام شروع کیا۔ غرض یہ دونوں داعی کئی سال تک مغرب میں رہے اور وہاں کے اکثر شہروں میں اہل بیت کا مذہب پھیلایا اور بڑے بڑے قبیلوں کو اپنا ہم خیال بنالیا۔ آخر کار ان کا[4] انتقال مغرب ہی میں ہوا۔ ان دونوں کے بعد ان کے قایم مقاموں نے[5] تبلیغ کا کام جاری رکھا

ا۔ O'Leary, P. 52

۲۔ ابن خلدون $\frac{۴}{۳۱}$

۳۔ مرماجنہ ایک قریہ ہے جس کے اور اربس کے درمیان ایک مرحلہ ہے۔ یہاں ہوارہ (قبیلۂ بربر) رہتا تھا۔ (معجم البلدان $\frac{۴}{۵۰۲}$)

۴۔ قاضی نعمان بن محمد متوفی ۳۶۳ھ لکھتے ہیں کہ اب تک ان دونوں کی قبریں مرماجنہ اور سوق حمار میں موجود ہیں (افتتاح الدعوۃ صفحہ ۲۸)

۵۔ ان میں سے جو مشہور ہیں ان کے نام یہ ہیں:۔ ابوحیون معروف بہ مفتش اور احمد ابن خلیع (افتتاح الدعوۃ ۲۶ و عیون الاخبار $\frac{۵}{۳۹}$)

یہاں تک کہ داعی ابو عبداللہ ۲۸۸ھ میں مغرب پہنچا۔

ابو عبداللہ کے مغرب پہنچنے کی کیفیت

ابو سفیان وحلوانی کے قایم مقاموں کے مرنے کی خبر جب ابن حوشب کو جس کا ذکر فصل (۵) میں گذرچکا ہے پہنچی تو ابن حوشب نے ابو عبداللہ شیعی سے کہا کہ ہمارے داعیوں نے مغرب کی زمین میں ہل چلا کر اس کو اچھی طرح ہموار کردیا ہے ان کے بعد مغرب کے لیے تم سے زیادہ کوئی موزوں آدمی نظر نہیں آتا۔ تم جلد مغرب کو روانہ ہو۔ داعی ابو عبداللہ کے ساتھ ایک اور داعی بھی بھیجا گیا جس کا نام عبداللہ بن ابو ملاحف[1] تھا۔ تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ابو عبداللہ کوئی ناگہانی مصیبت میں گرفتار ہو جائے یا انتقال کر جائے اور وہاں اس کا نائب موجود نہ ہو جو اس کی نیابت کرے۔ ابن حوشب کا یہ فعل اس طرز عمل کے مطابق تھا جس کی دعاۃ اسمٰعیلیہ شدت سے پابندی کرتے تھے[2] اور تبلیغ کے لیے کم سے کم دو داعیوں کو ہمیشہ بھیجا کرتے تھے۔ جیسا کہ خود ابن حوشب کے ساتھ علی بن فضل بھیجا گیا تھا۔[3]

ابو عبداللہ نے اپنے رفیق مذکور کے ساتھ یمن سے مکے کا قصد کیا۔ وہاں پہنچکر حُجّاج کتامہ (قبیلہ بربر) کے متعلق دریافت کیا۔ اور ان کے بڑے بڑے سرداروں[4] سے ملاقات کی۔ ان کو اہل بیت کے فضائل

---

[1] ابن الاثیر $\frac{8}{12}$

[2] افتتاح الدعوۃ۔ صفحہ (۳۰)

[3] فصل (۳)

[4] افریقیہ میں بربر کے متعدد قبائل رہتے تھے۔ جن میں کُتامہ شیعی عقائد کا پیرو تھا۔ اس قبیلے کے سرداروں میں حریث الجمیلی اور موسیٰ بن مکاد قابل ذکر ہیں (افتتاح الدعوۃ ۳۳) ابن خلدون اس طرح لکھتا ہے:۔ "موسی ابن حریث الجمیلی (کبیر بنی سکان) سکتان (افتتاح الدعوۃ ۴۱ و ۴۳) ابو القاسم الورفجومی۔ مسعود بن عیسیٰ ابن ملال المسالیتی اور موسیٰ بن مکاد" (ابن خلدون $\frac{8}{32}$)

بیان کرتے ہوئے سنا۔ ابوعبداللہ نے بھی چند ایسے فضائل سنائے جو ان کے کانوں تک نہیں پہنچے تھے۔ اس سے وہ لوگ بہت خوش ہوئے اور ابوعبداللہ سے ملنے کی خواہش ظاہر کی۔ غرض ابوعبداللہ میں اور ان میں گہری دوستی پیدا ہو گئی اور وہ ہمیشہ اس کے پاس آنے جانے لگے اور اس کی بڑی خاطر و مدارات کرنے لگے۔ ایک روز انھوں نے اس سے پوچھا "آپ حج سے فارغ ہو کر کہاں جانا چاہتے ہیں؟" اس نے جواب دیا "میں مصر جانا چاہتا ہوں" یہ سنکر کہ ابوعبداللہ مصر تک ان کے ساتھ رہے گا انھوں نے بڑی خوشی ظاہر کی۔ اس کے زہد و تقوی کا ان کے دلوں پر گہرا اثر پڑا اور روز بروز اس کی وقعت ان کی آنکھوں میں بڑھتی گئی۔ اثناء گفتگو میں وہ ان سے ان کے ملک کی سیاسی حالت دریافت کرتا۔ وہ کہتے کہ ہم کسی سلطان کے ماتحت نہیں ہیں۔ ہمارے اور اس کے مستقر کے درمیان دس دن کا راستہ ہے۔ پھر وہ پوچھتا "کیا تم ہتیار باندھتے ہو" وہ کہتے "یہ تو ہمارا کام ہی ہے"۔

جب قافلہ مصر پہنچا تو ابوعبداللہ نے اپنے ساتھیوں سے رخصت چاہی۔ انھوں نے اس سے پوچھا "مصر میں آپ کیا کام اختیار کریں گے" ابوعبداللہ نے کہا "تعلیم"۔ انھوں نے کہا اگر آپ کا یہی مقصد ہے تو ہمارے شہر میں آپ کو زیادہ فائدہ حاصل ہوگا اور آپ کے ہم مذہب بھی آپ کو وہاں بہت ملیں گے۔ ہم بھی آپ کی خدمت کریں گے۔ پہلے تو اس نے انکار کیا۔ مگر بہت منت و سماجت کے بعد ان کے ساتھ مغرب چلنے پر آمادہ ہو گیا۔ اثناء سفر میں انھوں نے چندہ جمع کر کے اس کو نذر کرنا چاہا۔ اس نے قبول نہ کیا اور کہا میں نے تمھاری کوئی خدمت انجام نہیں دی ہے جس سے میں اس کا مستحق ہوں۔ آخر کار قافلہ طرابلس اور قسطیلیہ کے راستے سے مغرب پہنچا۔ مغرب میں داخل ہونے کے بعد قافلے والوں نے قیروان کو چھوڑ کر جنگل کی راہ لی یہاں تک کہ سب موضع سوماںیہ[۱] پہنچے۔ یہاں محمد بن حمدون الاندلسی ابوالمفتش اور ابوالقاسم الورجومی سے ملاقات ہوئی۔ یہ لوگ مذہب اہل بیت اختیار کر چکے تھے۔

[۱] سبجار (افتتاح الدعوۃ ۳۸) یہ موضع سماتہ میں واقع ہے۔ سوماںیہ اور سوجار کا پتا نہیں لگتا۔

ان لوگوں کو حدیث اور موسیٰ نے جو ابو عبداللہ کے رفیق تھے سفر کے واقعات سے مطلع کیا۔ ان میں سے دو ابو عبداللہ کے ساتھ روانہ ہوئے صرف ابوالمفتش پیری کی وجہ سے پیچھے رہ گئے۔ ابو عبداللہ نے ان سب کو اپنا ہم خیال بنالیا۔[۱]

۱۵ ربیع الاول ۲۸۰ھ[۲] کو سب کتامی ارض کتامہ[۳] میں اپنے شہر پہنچے۔ ہر کتامی نے یہ چاہا کہ میں ابو عبداللہ کو اپنے مکان پر اتاروں۔ اس بات پر جھگڑا پیدا ہونے کا اندیشہ ہوا اور قرعہ ڈالنے کی نوبت آئی۔ آخرکار اتفاق اس بات پر ہوا کہ ابو عبداللہ ہی کو اس کا اختیار دیا جائے۔ وہ جس کے گھر میں چاہیں اتریں ابو عبداللہ نے پوچھا کہ "فج الاخیار" کہاں ہے۔ یہ سن کر سب کو نہایت تعجب ہوا۔ اور ابو عبداللہ سے پوچھا کہ "فج الاخیار[۴]" کا نام آپ کو کس طرح معلوم ہوا۔ ہم نے کبھی آپ کے سامنے اس مقام کا نام نہیں لیا تھا۔ اس نے کہا حدیث میں وارد ہوا ہے کہ مہدی اپنے وطن سے ہجرت کر کے مغرب کی طرف روانہ ہوگا اور اس کی مدد ایسے لوگ کریں گے جن کا نام "کتمان" سے مشتق ہے[۵] چونکہ تم اخیار ہو اور اس کی مدد کرو گے اس لیے

۱۔ افتتاح الدعوۃ (۳۸)　۲۔ افتتاح الدعوۃ ص۴۱ ۔ تاریخ ابن خلدون میں ۲۸۸ھ ہے جو غلط معلوم ہوتا ہے (ابن خلدون $\frac{۴}{۳۲}$)۔

۳۔ یہ مقام قسطنطنیہ اور اس کے اطراف و اکناف میں واقع ہے جسے آج کل Algeria کہتے ہیں D. B. macdonald p. 45 قبیلہ کتامہ کے اکثر افراد مغرب اوسط میں رہتے تھے۔

۴۔ اس کا پتا نہیں لگتا۔

۵۔ اس قبیلے کا نام "کتامہ" تھا۔ کتمان کے معنی چھپانے کے ہیں۔ یہ لوگ اپنے مذہب کو بہت چھپاتے تھے یہ ایک رعایت لفظی ہے حقیقت میں کتامہ کتمان سے مشتق نہیں ہے بلکہ صرف ایک قبیلے کا نام ہے جس کے اکثر افراد حلوانی کے زیر اثر اسمٰعیلیت اختیار کر چکے تھے۔ باشندگان افریقیہ بربر کہے جاتے تھے۔ ان کی کئی شاخیں ہیں مثلاً اجانہ۔ لوسہ۔ جمیلہ زناتہ۔ مسالہ۔ لحیصہ۔ لطانہ صنہاجہ وغیرہ۔ ان میں کتامہ بھی ایک شاخ ہے (افتتاح الدعوۃ ۱۴۱)

اس مقام کا نام فج الاخیار رکھا گیا ہے۔ یہ وہی صاحب البذر ہوں جس کی خبر ابوسفیان اور حلوانی نے تم کو دی تھی۔ مختصر یہ کہ ابوعبداللہ نے جبل انکجان[1] پہنچ کر جہاں فج الاخیار تھا اقامت کی[2] اور اپنے کتامی ساتھیوں کو یکے بعد دیگرے رخصت کیا۔ ابوعبداللہ کے وارد ہونے کی خبر بہت جلد مغرب کے دوسرے شہروں میں پھیل گئی اور قبیلۂ کتامہ کے بڑے بڑے سردار اس کی دعوت میں داخل ہونے لگے۔ یہاں تک کہ ایک خاصی تعداد اسمٰعیلیوں کی ہو گئی۔ ان میں حسب ذیل مشہور ہیں:۔

ہارون بن یوسف بن موسیٰ مسالی جسے شیخ المشائخ کہتے تھے۔ حسن بن ہارون اغشمی جو بہت دولتمند تھا۔ ابن یوسف ماکیون بن ضبارہ اجانی اور اس کا بھتیجا ابوزاکی تمام بن معارک جو ایک نوجوان مستعد اور ہوشیار رئیس تھا۔ یہ ہمیشہ شیعی کے پاس رہا کرتا تھا[3]۔ گو کتامہ ایک بربری قبیلہ تھا لیکن ابوعبداللہ کی تعلیم نے اسے ایسا مسخر کر لیا تھا کہ وہ اس کے ساتھ ہو کر اپنے دوسرے بربری قبائل سے لڑا۔ اسی قبیلے کی مدد سے ابوعبداللہ نے مغرب فتح کیا۔ خلیفہ معز کے آخری زمانے تک اکثر اسی قبیلے کے افراد خلافت کی اعلیٰ خدمتیں انجام دیتے رہے۔

ؔ۱۔ انکجان ایک گاؤں ہے جہاں کتامہ رہتے تھے۔ داعی ابوعبداللہ نے اسے اپنا دارالہجرۃ بنایا تھا۔ بعض لوگ اسے ایکجان کہتے ہیں (معجم البلدان $\frac{1}{۳۹۲}$)

ؔ۲۔ قبیلہ بنی سکتان اسی موضع کے قریب رہتا تھا اور اسی قبیلے میں ابوعبداللہ نے سکونت اختیار کی۔ یہ قبیلۂ کتامہ کی ایک شاخ تھا (افتتاح الدعوۃ ۱۴)

ؔ۳۔ افتتاح الدعوۃ ۱۴ - ۴۷ - مقریزی $\frac{۳}{۱۵-۱۶}$

فصل (۸)

داعی ابوعبداللہ شیعی کی فتوحات اور اس کے اسباب

ابوعبداللہ شیعی کی بلادِ مغرب میں کامیابی کے اسباب:۔(۱) حضرت امام جعفر الصادق کی توجہ مغرب کی طرف۔ ابوعبداللہ کی کوششیں۔ (۲) مغرب کا بغداد سے دور ہونا اور خلافت عباسیہ کی سیاسی کمزوری (۳) بربر کی جہالت اور ان کا تعصب عربوں سے۔(۴) فاتحین کا ظلم اور ان کا مفتوحین پر بڑے بڑے محاصل عائد کرنا۔(۵) اثنا عشریوں کے بارھویں امام کی غیبت (سنہ ۲۶۰ھ)۔ ابوعبداللہ کی پہلی فتح اور دولت فاطمیہ کی بنیاد۔ ابوعبداللہ کی پیش قدمی بلادِ مغرب میں۔ بلادِ مغرب پر ابوعبداللہ کا قبضہ۔ رقادہ میں ابوعبداللہ کا داخلہ۔

(۱) حضرت امام جعفر صادق کی توجہ بلادِ مغرب کی طرف ۔ ابوعبداللہ کی اشاعت عقائد اہل بیت میں انتھک کوششیں

کہا جاتا ہے کہ بلادِ مغرب میں بنو فاطمہ کی دعوتوں یا حکومتوں کا قیام حکومت ادریسیہ سے لے کر دولت فاطمیہ کی ابتدا تک حضرت امام جعفر صادق کی تحریک سے ہوا۔ آپ ہی کی توجہ سے ان شہروں میں مذہب اہل بیت کی اشاعت کا سلسلہ جاری ہوا۔ آپ نے ۱۴۵ھ میں جیسا کہ ہم تفصیل سے بیان کر چکے ہیں

دو داعی بلادِ مغرب کی طرف بھیجے[1]۔ انھوں نے اور ان کے قایم مقاموں نے مغاربہ کے دلوں میں اہل بیت کی محبت پیدا کردی اور ان کو ایسا مسخر کرلیا کہ وہ عباسیوں کے مقابلے میں جان دینے پر تیار ہوگئے۔ اس کے بعد سنہ ۲۸۰ھ میں داعی ابوعبداللہ شیعی مغرب پہنچا اور اپنی انتھک کوششوں اور سخت ترین جانفشانیوں سے ان کے دلوں میں پھر اہل بیت کی محبت تازہ کردی اور قوم بربر کے ایک بڑے اور اہم قبیلے کتامہ کو اپنا گرویدہ بنالیا۔ بہرحال بلادِ مغرب کی فتح اسی داعی کی تبلیغ بلیغ کا نتیجہ ہے اور اسی کی اولوالعزمی ان شہروں کی تسخیر کا سب سے بڑا سبب ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس سبب کو قوت دینے والے دوسرے اور اسباب بھی ہیں جو یہ ہیں:-

(۲) مغرب کا بغداد سے دُور ہونا اور خلافت عباسیہ کی کمزوری	چونکہ بلادِ مغرب عباسی دار الخلافہ بغداد سے بہت دُور تھے اس لیے یہاں خلافت عباسیہ کا قابو جیسا ہونا چاہیے تھا ویسا نہ تھا۔

اسی وجہ سے اسلام کے اکثر فرقے مثلاً شیعہ اور خوارج وغیرہ جو عباسیوں کے مخالف تھے یہاں پناہ لیتے تھے۔ چنانچہ سنہ ۱۶۹ھ میں مغرب اقصیٰ پر ادریسیوں کا قبضہ ہوگیا[2]۔ یہ پہلی شیعی حکومت ہے جو مغرب میں قایم ہوئی۔ مغرب کے دوسرے حصوں کی مالی حالت خصوصاً ہارون رشید کے زمانے میں اتنی ناگفتہ بہ ہوگئی تھی کہ بجائے اس کے کہ خلافت عباسیہ کو ان شہروں سے کچھ آمدنی ہوتی الٹا اپنی طرف سے زرِ کثیر ان کے انتظام میں خرچ کرنا پڑتا تھا۔ لہٰذا خلیفہ اس بات پر مجبور ہوگیا کہ مغرب ادنیٰ اور مغرب اوسط کے شہر ابراہیم بن اغلب کے سپرد کردے۔ یہ والی اور اس کے خاندان کے تمام افراد جو اغالبہ کہلاتے تھے مستقل طور پر سنہ ۱۸۴ھ سے ۲۹۶ھ یعنی

---

[1] فصل (۲)

[2] بنو ادریس یعنی حضرت امام حسنؑ کی اولاد (دیکھیے شجرہ فصل ۲) ان کی حکومت سنہ ۳۱۳ھ تک باقی رہی۔ اس کے بعد مغرب اقصیٰ کے اکثر شہروں پر دولتِ فاطمیہ کا قبضہ ہوگیا (ابن خلدون ۴/۱۲-۱۶)

ماخوذ از "الفاطميون فی مصر"

مقابل صفحه (٦٤)

پروس جامعه عثمانیه

ایک سو بارہ سال تک ان علاقوں پر حکمراں رہے۔ آخری حاکم زیادۃ اللہ کی بے پروائی اور عیاشی[1] اور کتامی قبائل کے فساد کی وجہ سے ابو عبد اللہ اپنی کوششوں میں کامیاب ہوا۔ جیسا کہ آئندہ معلوم ہوگا۔

(۳) بربر کی جہالت اور ان کا تعصب عربوں سے

یہ ظاہر ہے کہ عرب اور بربر دو علیحدہ علیحدہ قومیں ہیں۔ عرب بہ نسبت بربر کے زیادہ مہذب ہیں اور علم و ہنر میں ان سے بڑھے ہوئے ہیں۔ ابو عبد اللہ شیعی کی فتوحات کے بعد جب مہدی بلادِ مغرب میں داخل ہوا تو اسے بھی بربر کو دیکھ کر مایوسی ہوئی اور یہ کہنا پڑا کہ "ہمارا یہ خیال تھا کہ یہ لوگ اہلِ مشرق کی طرح ہوں گے۔ لیکن جن اہلِ مغرب کو ہم نے دیکھا وہ جنگلی پائے گئے[2]۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ باطل پرستی۔ توہمات میں انہماک اور سرعت قبول بربر کی خصوصیات میں شامل ہیں[3]۔ اسی وجہ سے بلادِ مغرب کی عنانِ حکومت عربوں ہی کے ہاتھ میں رہی۔ عام طور پر تاریخ سے یہ پتا چلتا ہے کہ فاتح اور مفتوح میں ہمیشہ کشمکش رہتی ہے۔ ایک دوسرے کو نفرت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ نتیجہ اس کا یہ ہوتا ہے کہ مفتوح یا تو خود اپنا ملک حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے یا دوسرے فاتح کا خیر مقدم کرتا ہے خصوصاً جب کہ فاتح اول استبداد سے کام لینے لگتا ہے۔ یہی حال بربر کا ہوا۔ اپنے موجودہ حاکموں سے تنگ آ کر انھوں نے خلافتِ فاطمیہ کا خیر مقدم کیا۔

---

[1] اقبل زیادۃ اللہ علی اللذات واللھو ومعاشرۃ المضحکین والصفاعین واھمل امور الملک (ابن خلدون $\frac{4}{205}$)

[2] قال المہدی "کنا رأینا قوما یشبھون اھل مدائن المشرق فاما من رأیناہ من اھل المغرب فما ھم الا البوادی" (افتتاح الدعوۃ ٢٣٦)

[3] (Lane-Poole. P. 95.)

(۴) فاتحین کا ظلم اور مفتوحین پر بڑے بڑے محاصل عاید کرنا

امتدادِ زمانہ کی وجہ سے عربوں میں وہ عدل و انصاف کے اوصاف باقی نہ رہے جو فتح کے وقت تھے۔ عرب والیوں نے بربر کے ساتھ مساوات کا برتاؤ چھوڑ دیا۔ روز بروز ان کا تشدد بڑھتا گیا۔ رعایا پر گراں محاصل عائد کیے۔ ان مصیبتوں سے گھبرا کر بربر اپنے موجودہ والیوں کی اطاعت سے منحرف ہو گئے۔ اور ابو عبد اللہ شیعی کے ہاتھ پر بیعت کی۔

(۵) اثنا عشریوں کے بارھویں امام کی غیبت (۲۶۰ھ)

اثنا عشریوں کے بارھویں امام کا غائب ہو جانا بھی اسمٰعیلیوں کی تبلیغ میں بہت ممد و معاون ثابت ہوا ہوگا۔ کیونکہ عام شیعی فرقوں کے عقائد میں سب سے اہم عقیدہ یہ ہے کہ امام کا وجود ہر زمانے میں ضروری ہے۔ خلیفۂ مقتدر عباسی (متوفی ۳۲۰ھ) کے وزیر علی بن عیسیٰ کے روبرو ایک قرمطی نے جو شیراز کا باشندہ تھا یہ کہا کہ "ہمارا امام المهدی محمد بن فلاں بن فلاں بن محمد اسمٰعیل بن جعفر الصادق ہے۔ ہم اثنا عشری جیسے نہیں جو امام کو غائب سمجھتے ہیں اور اس کا انتظار کر رہے ہیں"[۱]۔ حجۃ العراقین داعی احمد حمید الدین نے بھی یہی کہا ہے کہ امام کبھی غائب نہیں ہو سکتا۔ اگر غائب ہو جائے تو دنیا سے تعلیم اور ہدایت اُٹھ جائے گی۔[۲]

یہی اسباب تھے جن سے ابو عبد اللہ شیعی کی تبلیغ بہت کامیاب ہوئی۔ ان سے ظاہر ہے کہ بربر کی بغاوت کچھ سیاسی تھی اور کچھ مذہبی۔

ابو عبد اللہ کی پہلی فتح اور دولت فاطمیہ کی بنیاد

کچھ عرصے تک ابو عبد اللہ مخفی طور پر اسمٰعیلی عقائد کی تعلیم دیتا رہا۔ مگر ظاہر میں اہل بیت

[۱] - ابن الاثیر ۸/۶۲

[۲] - تنبیہ الہادی والمستہدی ۲۴۲ - ۲۴۳ -

کی طرف دعوت دیتا تھا[1]۔ یہ خبر ابراہیم بن احمد بن اغلب امیر افریقیہ کو پہنچی۔ اس نے عامل میلہ[2] کو لکھا کہ ابو عبد اللہ کی خبر لے۔ عامل نے جواب دیا کہ ابو عبد اللہ ایک معمولی آدمی ہے جو سادہ زندگی بسر کرتا ہے۔ موٹے کپڑے پہنتا ہے۔ اور ہمیشہ عبادت میں مشغول رہتا ہے۔ اس جواب سے امیر مذکور پہلے تو خاموش ہو گیا۔ مگر جب ابو عبد اللہ کے تابعین بڑھنے لگے تو امیر نے اس کو ڈرایا دھمکایا لیکن اس نے کچھ پروا نہ کی۔ کتامہ کے چند سرداروں کو امیر کا خوف پیدا ہوا۔ ان سرداروں نے ابو عبد اللہ کو جبل ایکجان سے نکلوانے کی کوشش کی۔ مگر ان کو کامیابی حاصل نہ ہوئی[3]۔ مغرب کے عمال[4] نے ان رؤسا[5] کو اور بھڑکایا[6]۔ ان میں اور ابو عبد اللہ کے تابعین میں کئی معرکے ہوئے جن کا تفصیلی بیان

---

[1] ابن خلدون اور ابن الاثیر دونوں کی روایت یہ ہے کہ "ابو عبد اللہ ظاہر میں امام رضا کی طرف جو اثنا عشریوں کا آٹھواں امام ہے دعوت دیتا تھا۔ مہدی کا ذکر نہیں کرتا تھا۔ (ابن خلدون ۴/۳۲ ابن الاثیر ۸/۱۲) لیکن یہ درست نہیں ہے کیونکہ امام مذکور کا سنہ وفات ۲۰۲ ہے اور ابو عبد اللہ ۲۸۸ھ میں مغرب پہنچا۔ بہت ممکن ہے کہ محمد منتظر (بارھویں امام) کی طرف دعوت کرتا ہو۔

[2] میلہ ایک چھوٹا شہر ہے افریقیہ میں۔ اس کے اور بجایہ کے درمیان تین دن کا راستہ ہے۔ میلہ اور قسنطینہ کے درمیان ایک دن کی مسافت ہے (معجم البلدان ۴/۷۱۷)

[3] ابو عبد اللہ سے مناظرے کے لیے علما بھی جمع کیے گئے۔ مگر ان کی بھی ہمت نہ ہوئی (ابن خلدون ۴/۳۲ و افتتاح الدعوۃ ۹۳)

[4] ان عمال کے نام یہ ہیں:۔ (۱) موسیٰ بن عباس عامل میلہ (۲) علی بن حفص بن عسلوجہ عامل سطیف (۳) حی بن تمیم عامل بلزمہ (ابن خلدون ۴/۳۲)

[5] (۱) فتح بن یحییٰ رئیس میلہ جو "امیر" کہا جاتا تھا۔ (۲) مہدی بن کتارہ رئیس لہیصہ (لہیعہ ابن خلدون ۴/۳۲) (۳) فرح بن حیران رئیس اجانہ (۴) تمیم بن نحل رئیس لطاتہ (۵) زیادہ رئیس منوسہ (افتتاح الدعوۃ ۹۲)

[6] ابن الاثیر ۸/۱۲ ۔

کتاب افتتاح الدعوۃ میں موجود ہے۔

ابو عبداللہ کو چھپ جانا پڑا۔ یہ خبر حسن بن ہارون غشمی[1] کو جو کتامہ کا ایک با اثر رئیس تھا اور دعوت اسمٰعیلیہ میں داخل ہو چکا تھا پہنچی۔ اس رئیس نے چند قبائل کو ساتھ لیکر ابو عبداللہ کی مدد کی اور اس کو اس کے پوشیدہ مقام سے باہر نکال کے رؤسا کا مقابلہ کیا اور کامیابی حاصل کی۔[2] نتیجہ یہ نکلا کہ "تاہرت" پر ابو عبداللہ کا قبضہ ہو گیا۔ یہی فتح اس دولت کی بنیاد ہے جو دولت فاطمیہ کے نام سے مشہور ہے۔ اور جس کا اثر رفتہ رفتہ اکثر بلاد اسلامیہ میں پھیل گیا اور جس کی سیاسی زندگی دو سو ستر سال تک باقی رہی۔[3]

ابو عبداللہ کی پیش قدمی بلاد مغرب میں

تاہرت[4] پر قبضہ حاصل ہونے کے بعد ابو عبداللہ نے میلہ کی طرف[5] قدم بڑھایا۔ خوش قسمتی سے میلہ کا ایک باشندہ جس کا نام حسن بن احمد تھا ابو عبداللہ سے مل گیا۔ اور شہر میں داخل ہونے کا پوشیدہ راستہ بتا دیا۔ تھوڑی سی مزاحمت کے بعد ابو عبداللہ میلہ میں داخل ہو گیا اور اس کے باشندوں کو پناہ دی۔ اس واقعہ سے امیر افریقیہ ابراہیم بن احمد ابن اغلب جو تونس میں رہا کرتا تھا چونکا اور ۲۸۹ھ میں اپنے پوتے محمد[6] بن ابی العباس معروف بہ "احول[7]" کو ایک لشکر عظیم[8] کے ساتھ

---

[1] یعنی از قبیلۂ غشمان۔ [2] عروبہ بن یوسف لوسی نے بھی اس کامیابی میں بڑا حصہ لیا (افتتاح الدعوۃ ۹۴)۔ [3] اس کی ابتدا ۲۹۷ھ میں ہوئی اور انتہا ۵۶۷ھ میں۔

[4] یہ افریقیہ کا ایک شہر ہے جو تلمسان اور قلعۂ بنی حماد کے درمیان واقع ہے (معجم البلدان $\frac{1}{۸۱۴}$) گذشتہ زمانے میں مغرب اوسط کا پائے تخت یہی تھا۔

[5] یہ شخص عرب تھا اور قبیلۂ ربیعہ کی اس شاخ سے اس کا تعلق تھا جو بنا جرہ کہلاتے تھے (افتتاح الدعوۃ ۱۱۲)۔ چونکہ ابو عبداللہ بھی عرب تھا لہٰذا ممکن ہے کہ یہ شخص اس سے مل گیا ہو۔ [6] افتتاح الدعوۃ (۱۲۳) [7] یہ حقیقت میں بھینگا نہیں تھا مگر بہت دیر تک کسی چیز کو دیکھ نہ سکتا تھا کہ آنکھ جھپک جاتی تھی۔ [8] اس لشکر کی تعداد ۱۲۰۰۰ تھی (ابن الاثیر $\frac{۸}{۱۲}$ و افتتاح الدعوۃ ۱۱۸)۔

ابوعبداللہ کے مقابلے کے لیے بھیجا۔ احول کے ساتھ فتح بن یحیٰی اور ابراہیم ابن عیاش بھی ہو گئے[1]۔ موضع طوسہ میں فریقین کی لڑائی ہوئی۔ اس لڑائی میں ابوعبداللہ کو شکست ہوئی۔ تاہرت اور میلہ کو آگ لگا دی گئی اور ابوعبداللہ کا محل گرا دیا گیا۔ ابوعبداللہ اپنے مستقر جبل ایکجان بھاگ گیا۔ جہاں اس نے ایک موضع آباد کیا جس کا نام "دار الہجرۃ" رکھا۔ یہاں وہ اپنے تبلیغ کے کام میں مصروف رہا۔ لوگ اس کی دعوت میں داخل ہونے لگے[2]۔ اس اثنا میں ابوعبداللہ کے بڑے مددگار حسن بن ہارون کا جس کا ذکر گذر چکا ہے[3] انتقال ہو گیا۔

احول تونس کو واپس ہو گیا۔ اس کے واپس ہوتے ہی ابوعبداللہ نے پیشقدمی شروع کی۔ احول پھر مقابلے کے لیے نکلا۔ اس دفعہ اس کو کچھ زیادہ کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ مگر ابوعبداللہ کی پیشقدمی رک گئی۔

۲۸۹ھ میں امیر افریقیہ احمد بن ابراہیم اغلبی نے وفات پائی۔ اس کا پوتا زیادۃ اللہ اس کا جانشین بنا۔ یہ شخص سیاسی معاملات میں زیادہ حصہ نہیں لیتا تھا۔ ہمیشہ لہو ولعب میں مشغول رہتا تھا۔ جس کی وجہ سے حکومت کے انتظام میں خلل واقع ہو گیا۔ اسی نے حکومت حاصل کرنے کے لیے اپنے باپ عبداللہ ابوالعباس اور اپنے بھائی احول اور دیگر رشتہ داروں کو سنہ ۲۹۰ھ میں قتل کروا دیا تھا[4]۔ یہ احول وہی شخص تھا جو ابوعبداللہ کے مقابلے کے لیے بھیجا گیا تھا۔ اس کے قتل ہونے اور زیادۃ اللہ کی عیش پسندی سے ابوعبداللہ کو اپنے

۱؎۔ افتتاح الدعوۃ ۱۱۸ و ابن الاثیر ۸/۱۲

۲؎۔ ابن خلدون ۴/۳۴۔

۳؎۔ فصل ۵ (ابوعبداللہ کی پہلی فتح)

۴؎۔ صانع زیادۃ اللہ بعض الخدم علی قتل ابیہ فقُتِلَ نائماً فی سنۃ ۲۹۰ (ابن خلدون ۴/۲۰۵) ابن العذاری کہتا ہے کہ اس کے قاتل دو غلام تھے (جلد ا صفحہ ۱۲۸)۔

کھوئے ہوئے مقامات پر قبضہ کر لینے کا اچھا موقع ملا۔ اس نے میلہ کو ۲۸۹ھ میں دوبارہ فتح کر لیا۔ شہر سطیف پر بھی اس کا قبضہ ہو گیا[1]۔ اس کامیابی سے اس کو بڑی جرأت حاصل ہو گئی اب وہ علانیہ کہنے لگا کہ "مہدی قریب ہیں ظاہر ہوں گے اور پورے افریقیہ کو فتح کر لیں گے۔ زیادۃ اللہ کا ملک اس کے ہاتھ سے نکل جائے گا" اور ایسا ہی ہوا۔

بلاد مغرب پر ابو عبداللہ کا قبضہ

۲۹۱ھ تک ابو عبداللہ کی تبلیغ کا اثر قیروان کے اکثر مغربی دیہات میں پھیل گیا تھا اور اس کو بڑی قوت حاصل ہو گئی تھی۔ میلہ اور سطیف بھی اس کے قبضے میں آچکے تھے۔ اب زیادۃ اللہ اپنی غفلت سے چونکا اور تین دفعہ ابو عبداللہ کی پیشقدمی کو روکنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا پہلی دفعہ اس نے ابراہیم بن حشیش کو چالیس ہزار فوج[2] دے کر ارض کتامہ کی طرف بھیجا۔ بلزمہ[3] کے قریب لڑائی ہوئی۔ مگر دشمن کامیاب نہ ہو سکا۔ ابو عبداللہ ہی غالب رہا۔ طبنہ[4] اور بلزمہ اس کے قبضے میں آگئے فتح بن یحییٰ مسالتی طبنہ کا عامل مارا گیا۔

دوسری دفعہ امیر مذکور نے باغایہ کے والی ہارون طبنی کو بارہ ہزار فوج دے کر بھیجا[5]۔ اس کا نتیجہ بھی کچھ اچھا نہ نکلا۔ عروبہ بن یوسف کتامی نے والی مذکور کو شکست دی اور وہ بھاگ گیا[5]۔ ابو عبداللہ نے تیجیت[6] کو فتح کر لیا۔

۱ھ۔ اس زمانے میں علی بن حفص (معروف بہ ابن عسلوجہ) سطیف کا عامل تھا۔ (افتتاح الدعوۃ ۱۳۴) میلہ اور سطیف دونوں "ارض کتامہ" کے قریب واقع ہیں۔

۲ھ۔ ابن خلدون $\frac{۴}{۳۵}$ ۔

۳ھ۔ ایک بڑا شہر ہے جو نہر زاب پر واقع ہے (معجم البلدان $\frac{۳}{۵۱۵}$)

۴ھ۔ افتتاح الدعوۃ ۱۴۵

۵ھ۔ قاضی نعمان بن محمد لکھتے ہیں کہ ہارون طبنی قتل ہوا (افتتاح الدعوۃ ۱۶۸)

۶ھ تیجیت ؟ تیجس۔ تیجس (ادریسی ۸۷)

تیسری دفعہ ۲۹۵ھ میں خود زیادۃ اللہ مقابلے کے لیے نکلا مگر اپنے مددگاروں کے مشورے سے ایک رشتہ دار ابراہیم نامی کو فوج کا افسر مقرر کرکے اپنے مستقر رقادہ کو واپس ہو گیا۔ اس مرتبہ بھی کامیابی کا سہرا ابوعبداللہ ہی کے سر رہا اور ابراہیم نے شکست کھائی۔ باغایہ۔ سکایتر۔ سبیبتہ۔ حمودہ۔ مجانہ۔ قرطاجنہ۔ تیفاش۔ تبسہ۔ مرماجنہ۔ فسطیلیہ۔ قسنطینیہ۔ قفصہ۔ اُرُبس۔ ان سب مواضع پر ۲۹۶ھ تک ابوعبداللہ کا قبضہ ہو گیا[1]۔ گویا سولہ سال کی مدت میں اس نے پورے مغرب کو فتح کر لیا۔

رقادہ[2] میں ابوعبداللہ کا داخلہ غرہ رجب ۲۹۶ھ

بلاد مذکورۂ بالا میں "اُرُبس" کی فتح بہت اہم تھی جو ۲۹۶ھ میں ہوئی۔ اس فتح کے وقت ابوعبداللہ کی فوج کی تعداد بہت بڑھ گئی تھی[3]۔ یہ دیکھ کر زیادۃ اللہ بہت پریشان ہو گیا۔ کیونکہ اسے یقین تھا کہ اربس کی فتح کے بعد وہ کسی طرح رقادہ میں ٹھہر نہیں سکتا۔ ضرور ابوعبداللہ اس کی طرف رخ کرے گا۔ لہذا وہ راتوں رات اپنا اسباب جمع کر کے مصر کی طرف بھاگا۔ مصر پہنچکر اس نے خلیفہ عباسی کو تمام واقعات کی اطلاع دی اور بغداد میں خود حاضر ہونے کی اجازت چاہی۔ خلیفہ عباسی نے اجازت نہیں دی۔ اور لکھا کہ وہ والی مصر سے مدد طلب کرے مگر اس کو کوئی مدد نہ ملی۔ وہ لاچار ہو کر فلسطین روانہ ہوا۔ راستے میں بیمار ہو گیا اور فلسطین میں وفات پائی۔ اس کی وفات سے بنی اغلب کا دور ختم ہو گیا۔ یہ وہ خاندان ہے جس کا جد اکبر ۱۸۴ھ میں خلیفہ عباسی کی طرف سے

---

[1] ابن خلدون ۴/۳۵

[2] یہ شہر قیروان کا ایک بڑا ضلع تھا لیکن اب اجاڑ ہو گیا ہے۔ اس کے اور قیروان کے درمیان ۴ میل کا فاصلہ ہے۔ (معجم البلدان ۲/۷۹۰)

[3] ابن خلدون ۴/۳۶ و مقریزی ۳/۱۶ ان دونوں مورخوں نے ابوعبداللہ کے فوج کی تعداد دو لاکھ بتائی ہے۔

مغرب کا والی مقرر کیا گیا تھا۔ اس کی نسل میں ایک سو بارہ سال تک ولایت رہی اور زیادۃ اللہ پر ۲۹۶ھ میں ختم ہوئی[1]۔ اس کے بعد اس کے ایک عزیز ابراہیم نے بنی اغلب کی ریاست برقرار رکھنے میں بڑی کوشش کی مگر یہ کوشش کارگر نہ ہوئی۔

زیادۃ اللہ کے بھاگنے کے بعد ابو عبداللہ سبیبہ[2] سے وادی النمل کو روانہ ہوا۔ یہاں سے اس نے عروبہ بن یوسف اور حسن بن ابو خنزیر کو رقادہ بھیجا اور خود بھی اُن کے پیچھے روانہ ہوا۔ راستے میں قیروان کے لوگ ملے۔ وہ ان سے بہت نرمی سے پیش آیا اور انھیں امان دی۔ غرۂ رجب ۲۹۶ھ کو وہ رقادہ پہنچا[3]۔ یہاں کے باشندے اس کے عدل و انصاف سے متاثر ہو چکے تھے لہٰذا انھوں نے اس کا بہت گرم جوشی سے استقبال کیا اور تہنیتیں پیش کیں۔ اس کے بعد وہ قیروان گیا۔ شہر میں داخل ہوتے ہی اس نے اپنے بھائی ابو العباس کو جو قید میں تھا رہا کر دیا اور مغرب کے تمام شہروں کو امان کے خطوط بھیجے۔ ظہور مہدی کی قربت کا اعلان کیا۔ نئے عمال مقرر کیے۔ شراب ممنوع قرار دی۔ زیادۃ اللہ کا جتنا مال و متاع ہاتھ لگا اُس کو محفوظ رکھا۔ خطبے میں سے خلیفہ عباسی کا نام حذف کر دیا۔ مگر اس کی جگہ پر کسی کے نام کا تعین نہیں کیا۔ نیا سکہ جاری کیا۔ چونکہ ابھی مہدی کا ظہور نہیں ہوا تھا اس لیے ایک طرف "بلغت حجۃ اللہ" اور دوسری طرف "تفرق اعداء اللہ" کندہ کروایا[4]۔ یہ طرز عمل ابو عبداللہ کی وفاداری کا بڑا ثبوت ہے۔ اس نے کسی طرح سے اپنا نام مشہور نہیں کیا نہ کسی

---

[1] اغالبہ کی ابتدا ۱۸۴ھ میں ہوئی۔

[2] سبیبہ اعمال (اضلاع) قیروان میں داخل ہے (معجم البلدان $\frac{۳}{۳۶}$)

[3] افتتاح الدعوۃ (۱۹۸)۔ مقریزی $\frac{۳}{۱۵-۱۷}$

[4] ابن خلدون $\frac{۴}{۳۶}$ ۔

فتح یابی کو اپنی طرف منسوب کیا۔ نہ کسی معاملے میں اپنی بڑائی جتائی مغرب کی فتح یابی میں جس قدر دولت ہاتھ لگی تھی وہ سب مہدی کے ظہور کے بعد اس کے حوالے کر دی[1]۔ اس فتح کی خبر اس نے اپنے آقا مہدی کو دی جو اس وقت سلمیہ میں تھا۔ اور اس سے درخواست کی کہ وہ مغرب پہنچکر حکومت کی عنان اپنے ہاتھ میں لے۔ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ابو عبد اللہ اور مہدی میں ہمیشہ خط وکتابت رہتی تھی۔ جو کچھ عبد اللہ کرتا تھا وہ مہدی کے حکم سے کرتا تھا۔

---

[1] افتتاح الدعوۃ ۱۹۸-۲۰۴-

فصل (۹)

مہدی کا ظہور

ولادت ۱۲ شوال ۲۶۰ھ　　　　وفات ۱۵ ربیع الاول ۳۲۲ھ

آغاز حکومت ۲۹۷ھ

ابو عبداللہ کا سجلماسہ کو روانہ ہونا اور مہدی کو قید خانے سے چھڑا کر عوام میں ظاہر کرنا۔ رقادہ میں مہدی کا ظہور اور بلادِ مغرب کے سیاسی انتظامات۔

ابو عبداللہ کا سجلماسہ کو روانہ ہونا اور مہدی کو قید خانے سے چھڑا کر عوام میں ظاہر کرنا ذی الحجہ ۲۹۶ھ

بلادِ مغرب کے سیاسی انتظامات سے فارغ ہونے کے بعد ماہ رمضان ۲۹۶ھ میں ابو عبداللہ نے اپنے ساتھ چند کتامیوں کو لے کر سجلماسہ کا قصد کیا جو اب تک فتح نہیں ہوا تھا۔ اور جہاں مہدی جس کا ذکر پانچویں فصل میں ہو چکا ہے گرفتار کر کے قید کر دیا گیا تھا[1]۔ روانگی سے پیشتر ابو عبداللہ نے اپنے بھائی

---

[1] مہدی کی ولادت اور اس پر [illegible]

ابوالعباس اور ابوزاکی تمام بن معارک کو اپنا نائب مقرر کیا۔ اس موقع پر مہدی کے قید ہونے کی کیفیت بیان کرنا ضروری ہے۔

ظہور مہدی کی تمہید کی خبر جس کی تفصیل ہم پانچویں فصل میں بیان کر چکے ہیں بنو عباس کے کانوں تک پہنچی حسین نے اپنے انتقال کے وقت یہ پیشین گوئی کی تھی کہ میرا لڑکا عبداللہ مشرق (سلمیتہ) سے مغرب (بلاد مغرب) کی طرف ہجرت کرے گا اور اس کو بڑی بڑی تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑے گا وہ مہدی موعود ہوگا جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ اپنا دین ظاہر کریگا۔ یہ پیشین گوئی لوگوں میں بھی شایع ہوگئی۔ بنو عباس کو بہت تشویش پیدا ہوئی اور وہ مہدی کے قتل کے درپے ہوگئے۔ ہر طرف جاسوس بھیجے گئے۔ اور مہدی کی گرفتاری کے لیے تمام بلاد میں احکام روانہ کیے گئے اس وقت ابو عبداللہ مغرب فتح کرچکا تھا اور اپنے آقا مہدی کو لکھ چکا تھا کہ وہ سلمیتہ سے مغرب آجائے اور حکومت کا جائزہ لے۔ یہ خبر ملتے ہی مہدی نے اپنے لڑکے قائم کو اور ابو عبداللہ کے بڑے بھائی ابوالعباس اور چند غلاموں کو لے کر یمن کا قصد کیا۔ مگر چونکہ اس وقت علی بن فضل نے یمن میں بغاوت کا جھنڈا بلند کردیا تھا لہذا مہدی نے بجائے یمن کے بلاد مغرب کا قصد کیا[1]۔ چند دنوں تک وہ اور اس کے ساتھی تاجروں کے بھیس میں مصر میں رہے۔ بغداد سے خلیفۂ عباسی مکتفی باللہ[2] نے مصر کے والی محمد بن عیسیٰ النوشری کو لکھا کہ فلاں فلاں شخص مصر میں وارد ہوا ہے۔ اور اس کے یہ یہ اوصاف ہیں تم اس کو فوراً گرفتار کرلو۔ والی مذکور نے اپنے آدمیوں کو مہدی کی تلاش میں بھیجا اور خود بھی نکلا۔ آخر کار اس کو گرفتار کرکے ایک باغ میں مقید رکھا۔ جب کھانے کا وقت آیا تو والی نے مہدی کو اپنے دسترخوان پر بلاکر کہا کہ تم ہمارے ساتھ کھانا کھاؤ۔

---

[1] ۔ افتتاح الدعوة ۲۹ ۔

[2] ۔ وفات ۲۸۹ھ

مہدی نے کہا میں روزے سے ہوں۔ والی کو مہدی پر ترس آیا۔ پھر والی نے مہدی سے اس کی حقیقت دریافت کی۔ مہدی نے اپنی حقیقت نہ بتائی۔ اور کچھ نرمی اور کچھ سختی سے پیش آیا۔ یہاں تک کہ والی نے اس کو رہا کر دیا[1]۔ یوں بھی روایت کی جاتی ہے کہ والی کا ایک مصاحب مہدی کا دوست تھا۔ اس نے مہدی کو والی کے ارادے سے مطلع کر دیا[2]۔ مہدی اپنے ساتھیوں کے ہمراہ مصر سے روانہ ہو گیا۔ بعض مورخین کہتے ہیں کہ مہدی نے والی کو خفیہ طور پر کچھ مال دے کر قید سے رہائی حاصل کی[3]۔ ابن خلدون کہتا ہے کہ والی مصر نے مہدی کو گرفتار کر کے اس کا امتحان تو کیا مگر چونکہ کوئی ثبوت نہیں ملا لہذا اس کو چھوڑ دیا[4]۔

غرض مہدی مصر سے نکل کر طاحونہ[5] پہنچا۔ یہاں چوروں نے اس کو اور اس کے ساتھیوں کو لوٹ لیا۔ بہت سا مال ضائع ہوا۔ جس میں چند مذہبی کتابیں بھی تھیں[6]۔ طرابلس پہنچتے پہنچتے کئی دشواریاں پیش آئیں۔ یہاں کے والی نے بھی مہدی کو گرفتار کرنے کی کوشش کی۔ مگر اس کو کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ اور مہدی بچ نکلا۔ طرابلس سے نکل کر مہدی نے مصلحۃً اپنے اکثر ساتھیوں کو رخصت کر دیا۔ ان میں ابو عبد اللہ کا بھائی داعی ابو العباس بھی تھا۔ جس کو مہدی نے موضع کتامہ کی طرف بھیجا مگر بد بختی سے وہ وہاں پہنچ نہ سکا۔ راستے ہی میں قیروان میں گرفتار

---

[1] ابن الاثیر $\frac{8}{13-15}$

[2] افتتاح الدعوۃ ۔ ۱۳۰

[3] ابن الاثیر $\frac{8}{14}$

[4] ابن خلدون $\frac{4}{34}$

[5] مصر اور اسکندریہ کے درمیان ایک موضع ہے (ادریسی ۱۳۷)

[6] ابن خلدون ان کو "کتب فی الملاحم" کہتا ہے۔ یہ کتابیں مہدی کے بیٹے قائم کو مصر کی فوج کشی کے وقت واپس مل گئیں۔ (ابن خلدون $\frac{4}{34}$)

کر لیا گیا۔ جب مہدی کو یہ خبر معلوم ہوئی تو اس نے قیروان کا قصد ترک کر دیا۔ تاکہ وہاں کے والی کو شبہہ نہ پیدا ہو۔ اور داعی ابوالعباس قیروان کے قید خانے میں قتل نہ کر دیا جائے۔ اس لیے مہدی قسطیلیہ کے راستے سجلماسہ چلا گیا۔ اس شہر کے والی کو بھی خلیفہ عباسی مکتفی باللہ کے احکام پہنچ چکے تھے۔ شہر میں داخل ہوتے ہی مہدی گرفتار کر لیا گیا۔ ابوعبداللہ کے سجلماسہ پہنچنے تک مہدی اور اس کا لڑکا قائم اپنے چند رفیقوں کے ساتھ سجلماسہ کے محبس ہی میں مقید رہے۔

مغرب کے انتظامات سے فارغ ہونے کے بعد جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے ابوعبداللہ نے سجلماسے کا رُخ کیا۔ تاکہ وہاں پہنچکر مہدی اور اس کے رفیقوں کو قید خانے سے چھڑائے۔ جس وقت وہ رقادہ سے روانہ ہوا۔ بلادِ مغرب میں بڑا جوش و خروش پیدا ہوا۔ تمام قبائل نے سرِ طاعت خم کیا۔ قبیلۂ زناتہ جس نے اب تک اطاعت قبول نہیں کی تھی اس کے سردار محمد بن الخزر نے بھی ابوعبداللہ کے سامنے گردن جھکا دی۔ جب ابوعبداللہ سجلماسہ پہنچا اس وقت وہاں کا والی یسع بن مدرار تھا۔ شہر میں داخل ہونے سے پیشتر ابوعبداللہ نے والی مذکور کو بہت نرمی سے دو دفعہ کہلا بھیجا کہ وہ مہدی اور اس کے ساتھیوں کو قید خانے سے رہا کر دیوے۔ اس نرمی سے اس کی غرض یہ تھی کہ مہدی کہیں قید خانے میں قتل نہ کر دیا جاوے۔ مگر والی نے ان پیامبروں کو قتل کروا دیا اور ابوعبداللہ کے مقابلے کے لیے نکلا۔ معمولی سی لڑائی کے بعد وہ بھاگ گیا۔ دوسرے دن ابوعبداللہ شہر کے باشندوں کے ساتھ قید خانہ گیا۔ اور مہدی اور اس کے بیٹے ابوالقاسم اور دیگر رفیقوں کو قید خانہ سے نکال کر تمام لوگوں سے مہدی کی بعیت لی۔

۱۔ ابن خلدون ۴/۳۶ ابوعبداللہ نے یسع بن مدرار کو جو خط لکھا اس کی نقل افتتاح الدعوۃ میں موجود ہے (افتتاح الدعوۃ صفحہ ۲۲۸)۔ ۲۔ ابن خلدون ۴/۳۶۔

اس کے بعد مہدی اور اس کے لڑکے قائم کو گھوڑوں پر سوار کرکے سجلماسہ کے بازاروں میں پھرایا۔ خود ابوعبداللہ روساء قبائل کے ساتھ مہدی کے سامنے پیدل چلا۔ اس کی طرف اشارہ کرکے یہ کہتا جاتا تھا کہ "یہ تمھارے مولا ہیں یہی وہ مہدی ہیں جن کی طرف میں تم کو دعوت دیتا تھا۔" تمام مورخین نے لکھا ہے کہ ابوعبداللہ اس دن اتنا خوش تھا کہ مارے خوشی کے اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ یہ واقعہ ۸ ذی الحجہ ۲۹۶ میں پیش آیا۔ مہدی کے لیے ایک خیمہ استادہ کیا گیا تھا جس میں وہ اتارا گیا۔ خیمے میں اترتے ہی مہدی نے اپنے غلاموں کو ڈھونڈنے کا حکم دیا جو قید خانے میں اس کے ساتھ تھے۔ کیونکہ یسع ابن مدرار کے بھاگنے کے بعد مہدی نے ان کو قید خانے سے نکل جانے کی اجازت دے دی تھی۔ یہ غلام مہدی کے روبرو حاضر کیے گئے وہ انکو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب یسع بن مدرار نے یہ خبر سنی کہ ابوعبداللہ اور اس کے کتامی مددگار سجلماسہ میں داخل ہو چکے تو اس نے فوراً اپنے بھاگنے سے پیشتر ہی مہدی کو قید خانے میں قتل کروادیا۔ جب ابوعبداللہ قید خانے میں مہدی کو نکالنے کے لیے داخل ہوا تو کیا دیکھتا ہے کہ وہ مقتول پڑا ہوا ہے۔ اور اس کے پاس اس کا ایک یہودی غلام موجود ہے۔ ابوعبداللہ نے سوچا کہ اگر یہ خبر عوام کو معلوم ہو جائے تو اس کا دعویٰ باطل ہو جائے گا۔ لوگ اس کو جھوٹا قرار دیں گے۔ اور اس کی جان خطرے میں پڑ جائے گی۔ اسلیے اس نے اس یہودی غلام کو قید خانے سے باہر نکال کر کہا کہ یہی مہدی موعود ہے۔ اس قسم کی روایتوں کو ابن خلدون نے موضوع قرار دیا ہے جنھیں بنو فاطمہ کے مخالفین نے ان کے نسب کو باطل کرنے کے لیے گھڑا ہے۔

لہ۔ عیون الاخبار ۵/۱۳۲ ۔ ۔ ۔ ۲ے ابن خلکان ۱/۲۷۲

۳ے۔ مقدمہ ابن خلدون ۲۱-۲۳ شاید اس "یہودی افسانے" کا تعلق بنو فاطمہ سے

پروفیسر حسن بن ابراہیم حسن نے اس مقام پر لکھا ہے کہ وہ کاش میں جانتا کہ ابو القاسم (مہدی کا لڑکا) اس وقت کہاں تھا جو اپنے باپ کے بعد خلیفہ ہوا۔ اسی وقت وہ خلیفہ کیوں نہیں بنا دیا گیا حالانکہ وہ مہدی کے ساتھ قید خانے میں تھا اور وہ اس وقت حکومت کرنے کے قابل بھی تھا۔ کیونکہ اس واقعے کے چار سال بعد ہی ۳۰۱ھ میں اس نے مغاربہ کا لشکر لے کر مصر پر چڑھائی کی[1]۔ اس سلسلے میں خود اسمٰعیلی داعی قاضی القضاۃ نعمان بن محمد کی ایک حیرت انگیز روایت یہ ہے کہ ابو عبد اللہ شیعی نے مہدی کو قید خانے میں داخل ہونے سے پیشتر کبھی نہیں دیکھا تھا[2]۔ صرف مراسلت سے تمام امور طے پاتے تھے جیسا کہ اس سے پیشتر معلوم ہو چکا ہے[3]۔

رقادہ میں مہدی کا ظہور ۲۹۷ھ اور بلادِ مغرب کے سیاسی انتظامات

سجلماسہ فتح ہونے کے بعد چالیس روز تک مہدی اور ابو عبد اللہ وہیں ٹھیرے تاکہ شہر میں امن و امان قائم ہو جائے۔ والی سابق یسع بن مدرار جو بھاگ گیا تھا گرفتار ہوا اور قتل کر دیا گیا۔ اس کے بعد سجلماسہ پر ایک والی مقرر کر کے مہدی رقادہ روانہ ہوا۔ راستے میں جب وہ جبل ایکجان (بلدۂ کتامہ) پہنچا تو ابو عبد اللہ نے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اس وجہ سے ہو گیا کہ یعقوب بن کلس (یہودی) نے خلیفہ معز کو مصر فتح کرنے کی ترغیب دلائی تھی اور ایک زمانے تک وزارت کے عہدے پر بھی رہا۔ دوسری وجہ ممکن ہے یہ ہو کہ ابتدائی خلفائے فاطمیین نے یہود کی بڑی سرپرستی کی جیسا کہ آئندہ معلوم ہوگا۔ (O' Leaiy. P. 34) ایک یہودی غلام کو کس طرح تعلیم دی گئی کہ وہ امام بن گیا۔ (Wustenfeld, P 36)

[1] ۔ الفاطمیون فی مصر صفحہ ۶۰۔

[2] ۔ افتتاح الدعوۃ صفحہ ۲۲۴ ۔ مہدی نے اپنے ایک ساتھی مطلبی کو اسی لیے بھیجا تھا کہ وہ شیعی سے اس کا (یعنی مہدی کا) تعارف کرائے۔ (استتار الامام ۱۲۱)

[3] ۔ فصل ۸ (رقادہ میں ابو عبد اللہ شیعی کا داخلہ)

جتنی دولت وہاں جمع کی تھی وہ سب کی سب مہدی کے تفویض کر دی۔
یہ امر بعض کتامیوں کو نہایت شاق گزرا۔ کیونکہ ان کو یقین ہو گیا کہ وہ
اب اس دولت سے محروم ہو جائیں گے۔ اس سے جو نتیجہ پیدا ہوا
اس کی تفصیل ہم ابو عبداللہ[1] کے قتل کے اسباب میں بیان کریں گے۔
غرض مہدی سب دولت لے کر بلدۂ کتامہ سے روانہ ہوا اور بڑی
شان و شوکت کے ساتھ ماہ ربیع الاول ۲۹۷ھ میں رقادہ میں داخل ہوا۔
سب سے آگے اس کی سواری تھی۔ پیچھے اس کا بیٹا ابو القاسم
اور تمام لشکر تھا۔ رقادہ میں داخل ہوتے ہی سب لوگوں نے
بیعت کی۔[1] تمام شہروں میں عقائد اہل بیت کی اشاعت کے لیے داعیوں کو
بھیجا گیا جس نے اسمٰعیلیت قبول کی اس نے نجات پائی اور جس نے
انکار کیا وہ قتل کر دیا گیا۔[2] ہر شہر پر ایک والی مقرر کیا گیا۔ ان والیوں میں
اکثر کتامی قبائل کے سردار تھے۔ چنانچہ طرابلس پر ماکنون بن ضبارہ
مقرر کیا گیا۔ اور صقلیہ پر جس کے بنو فاطمہ کے قبضے میں آنے کی کیفیت
ہم ذیل میں بیان کریں گے حسن بن احمد بن ابی خنزیر کا تقرر ہوا۔
ملکی انتظامات کے لیے مختلف محکمے کھولے گئے۔ زمین داری کا انتظام
جو زیادۃ اللہ کے بھاگنے سے درہم و برہم ہو گیا تھا اس پر مہدی نے
خاص توجہ کی۔ لوٹ کے زمانے میں جن لوگوں کا مال تلف ہو گیا تھا
ان کو واپس دلا دیا گیا۔ امن و امان کے احکام جاری کیے گئے۔

---

[1] اس موقع پر جن شعرائے افریقیہ نے تہنیت کے قصائد پڑھے ان میں قابل ذکر
سعدون الورجینی ہے۔ اس شاعر کے قصیدے کا کچھ حصہ قاضی القضاۃ نعمان بن محمد
نے اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے (افتتاح الدعوۃ ۲۴۳)

[2] مقریزی $\frac{2}{162}$ ۔ فلم یدخل فی مذھبھم الا بعض الناس وھم قلیل
وقتل کثیر ممن لم یوافقھم (ابن الاثیر $\frac{8}{18}$) عقائد اور تعلیمات اسمٰعیلیہ کی فطرت جو
راز داری ہے اس قلت کی تائید کرتی ہے۔

ملک کی بہبود اور خوشحالی کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ماہ رمضان ۲۹۷ھ میں یعنی ظہورِ مہدی سے صرف چھ مہینے ہی میں جو خراج کا حساب لگایا گیا تو معلوم ہوا کہ اُس کا اندازہ ایک لاکھ دینار تک پہنچ گیا ہے[1]۔

صقلیہ پر مہدی کا قبضہ

تقریباً ۴۲ھ ہجری سے یعنی مسلمانوں کے افریقیہ پر قبضہ کرنے کے ساتھ ہی صقلیہ کی تسخیر کے لیے مہمیں بھیجی جانے لگی تھیں۔ کیونکہ اس جزیرے کا محل وقوع ہی کچھ ایسا ہے کہ افریقیہ کی فتح کے بعد فاتح کی نظریں اس پر پڑتی ہیں[2]۔ حسان بن نعمان اور موسیٰ بن نصیر کے بعد بنو اغلب۔ بنو ادریس اور اندلس کے مسلمانوں نے بھی اس جزیرے کے خلاف فوج کشی کی۔ لیکن ان سے کوئی اہم نتائج نہیں نکلے۔ ملک کے اندرونی مناقشات کے باعث ۲۱۲ھ میں زیادۃ اللہ (اول) متوفی ۲۲۳ھ کی فوج صقلیہ کے مقام مزورا پر اُترنے میں کامیاب ہوئی اور سرقوسہ کے قلعہ بند شہر تک بڑھتی چلی گئی لیکن ایک وبا کے پھوٹ پڑنے سے اُسے پیچھے ہٹنا پڑا۔ متعدد لڑائیوں کے بعد مسلمانوں نے بلرم (پالرمو) پر قبضہ کرلیا۔ یہاں سے صقلیہ کے اور شہروں کی تسخیر شروع ہوئی۔ بالآخر ۲۶۵ھ میں بنو اغلب کے جفاکش حکمران ابراہیم ثانی نے سرقوسہ فتح کرکے اٹنا کے تمام علاقے زیر کیے۔ ۲۹۰ھ میں صقلیہ کی فتح مکمل ہوگئی۔ فاطمیین نے جب بنو اغلب کے ممالک مسخر کیے تو صقلیہ بھی ۲۹۷ھ میں ان کے قبضے میں آگیا۔ اُن کے خلیفہ مہدی نے اغلبی حکومت کے مختلف حصے جوڑ کر ایک ایسی سلطنت قایم کرلی تھی جس میں آئندہ ترقی کرنے کی صلاحیت تھی۔ صقلیہ کے عرب اور بربری کم از کم ظاہری طور پر اب مل جُل گئے تھے۔ لیکن یہ اتحاد دیرپا رہ نہ سکا۔ چنانچہ تقریباً تین سال بعد ہی ۳۰۱ھ میں عربوں نے

---

[1] ۔ افتتاح الدعوۃ صفحہ ۲۴۶۔

[2] ۔ Amari

اپنے امیر احمد بن قہرب کی ماتحتی میں خود مختاری کا اعلان کیا اور مہدی کی جگہ عباسی خلیفہ کا نام خطبے میں لینا شروع کیا۔ اس بغاوت کو فرو کرنے کے لیے مہدی نے حسن بن ابی خنزیر کو ایک جنگی بیڑے کے ساتھ صقلیہ روانہ کیا۔ ابتدا میں احمد بن قہرب غالب آیا اور حسن مارا گیا۔ لیکن ۳۰۴ھ میں بربریوں نے بدقسمت امیر مذکور کو خلیفۂ مہدی کے حوالے کر دیا۔ جس نے اسے سخت عذاب دے کر قتل کرا دیا۔ اور اس کی جگہ ابوسعید موسیٰ بن احمد[1] کو صقلیہ کا والی مقرر کیا۔ ۳۰۵ھ میں صقلیہ ایک مرتبہ پھر خلافت فاطمیہ کا جز بن گیا۔

مہدی نے اپنی حکومت مستحکم کرنے کے بعد افریقیہ اور صقلیہ سے بحری مہمیں بھیجنی شروع کیں لیکن روم (بازنطینیوں) نے اس سے معاہدہ کر کے کچھ مدت کے لیے اپنے ساحلوں پر امن برقرار رکھا۔ اب بھی بنو فاطمہ بلاخوف مزاحمت شمال میں پوری طرح آزاد تھے چنانچہ ۳۲۲ھ میں انھوں نے جنوا، سردانیہ اور قرقیسا (کورسیکا) کو اپنی حکومت میں شامل کر لیا جیسا کہ ہم خلیفۂ قائم کے ذکر میں بیان کریں گے۔

---

[1] ابن خلدون ۴/۴۲ کے مطابق:۔ علی بن موسیٰ بن احمد۔

فصل (۱۰)

ابوعبد اللہ اور دیگر باغیوں کا قتل ۲۹۸ھ اور اس کے اسباب۔ ابوعبد اللہ کی سیرت اور اس کا مقابلہ ابومسلم خراسانی سے باغیوں کے قتل کا نتیجہ۔

ابوعبد اللہ اور دیگر باغیوں کا قتل اور اس کے اسباب

رقادہ پہنچنے کے بعد مہدی نے عنانِ حکومت اپنے ہاتھ میں لی اور جیسا کہ ہم نے فصلِ سابق میں بیان کیا ہے خود ملک کے سیاسی انتظامات میں مصروف ہوا۔ ابوعبد اللہ کو اب حکومت میں کوئی دخل نہیں رہا۔ مگر اس کو حکومت کے ہاتھ سے نکل جانے کا کوئی غم بھی نہیں ہوا بلکہ وہ اسی خلوص و سرگرمی سے ملک کی خدمت کرتا رہا جس طرح وہ پہلے اپنی حکومت کے زمانے میں کرتا تھا۔ مگر اس کے بڑے بھائی ابوالعباس کی نیت بخیر نہ تھی۔ سجلماسہ سے روانہ ہوتے وقت ابوعبد اللہ نے اس کو اپنا نائب مقرر کیا تھا اس لیے اُسے حکومت کی چاٹ لگ گئی تھی۔ مہدی کے آنے کے بعد اس کو حکومت سے علحدہ ہونا پڑا۔ یہ امر اسے بہت شاق گذرا اور اس کو ایک قسم کا حسد پیدا ہوا۔ اب اس نے مہدی کی مخالفت شروع کی۔ اکثر وہ مہدی کے افعال پر نکتہ چینی کرتا اور اس کی غیبت کرتا۔ آہستہ آہستہ اس کی جرأت اتنی بڑھ گئی کہ وہ ابوعبد اللہ

کے روبرو بھی مہدی کی بدگوئی کرنے لگا۔ ابو عبداللہ کو یہ بات بُری معلوم ہوتی اور مہدی کی غیبت اُس کو گراں گذرتی۔ اور وہ ابوالعباس کو اس حرکت سے باز رکھتا۔ غرض کہ ابوالعباس نے ابو عبداللہ کو اپنی طرف مائل کرنے کی بڑی کوشش کی۔ ہمیشہ اُس سے یہ کہتا کہ بھائی تم نے اتنی محنت اور جانفشانی سے مغرب فتح کیا۔ اس کی تسخیر میں اتنے مصائب برداشت کیے۔ مگر افسوس کہ ایسے آدمی کو اس کا مالک بنادیا جس نے تم کو حکومت میں کچھ بھی حصہ نہ دیا۔ کم سے کم اسے اتنا تو کرنا چاہیے تھا کہ وہ اپنے احکام تمھارے ذریعے جاری کرتا۔ بارہا وہ اس قسم کی گفتگو ابو عبداللہ کے سامنے کرتا اور اس کو اپنا ہم خیال بنانے کی کوشش کرتا۔ آخرکار وہ اس کوشش میں کامیاب ہو گیا۔ اور ابو عبداللہ اس کی طرف مائل ہو گیا۔ یہ خبر مہدی کو پہنچی۔ اس نے اسے جھوٹ سمجھا اور باور نہ کیا کیونکہ اُسے ابو عبداللہ کے خلوص و عقیدت کا کامل یقین تھا۔ یہاں تک کہ ایک روز خود ابو عبداللہ نے اس سے کہا "مولانا کتامہ ایک قوم ہے جس کو میں نے بڑی محنت سے سدھارا ہے اور اس کو ایسے اصول پر تعلیم دی ہے کہ وہ میرے ساتھ ہو گئی۔ اور اس کی مدد سے میں نے اپنا مقصد حاصل کیا۔ آپ جو اس پر اتنے مہربان رہتے ہیں اور اس کو مال و دولت دیتے ہیں اتنی فیاضی سے کام لیتے ہیں اس سے مجھے خوف ہے کہ اس کی عادت بگڑ جائے گی اور وہ کاہل و سست ہو جائے گی۔ مناسب ہو گا کہ آپ اپنے محل میں تشریف رکھیں اور میں خود ملک کا انتظام کروں جس طرح میں پہلے کرتا تھا۔ نیز آپ کا بذات خود کام کرنا آپ کے وقار کے لیے زیب نہیں دیتا۔ اس سے آپ کی شان و شوکت اور رعب میں فرق آجاتا ہے۔" یہ کلام سُن کر مہدی کو یقین ہو گیا کہ اس نے ابو عبداللہ کے متعلق جو خبریں سنی تھیں وہ سچی تھیں۔ مگر وہ اس موقع پر ابو عبداللہ کے ساتھ اس عملگی سے پیش آیا کہ اس کو اپنی ناخوشی کا پتا نہ لگنے دیا اور جواب میں بہت نرمی اختیار کی۔[1]

---

[1] - افتتاح الدعوۃ (۲۴۹ و ۲۵۰) و ابن خلدون ۴/۳۳ -

ابوالعباس اور لوگوں کو بھی بغاوت پر آمادہ کرنے میں کامیاب ہوا۔ چنانچہ بعض کتامی سردار اس کے ساتھ ہو گئے۔ اور مہدی کے خلاف ایک زبردست فتنہ برپا ہو گیا۔ اس فتنے کا سب سے پہلا سبب وہ ہے جسے ہم فصل سابق میں بیان کر چکے ہیں۔ یعنی جب مہدی ابوعبداللہ کی جمع کردہ دولت جبل ایکجان سے رقادہ لے گیا تو بعض کتامی سردار اس سے بدظن ہو گئے۔ ان کا خیال تھا کہ وہ اس دولت سے آئندہ فائدہ اٹھائیں گے دوسرا سبب عرب اور بربر کی قومی مخالفت تھی۔ چنانچہ عروبہ بن یوسف کو جب مہدی نے مقرب بنایا تو ابوالعباس بہت ناراض ہوا کیونکہ وہ عرب سے تھا۔ تیسرا سبب خود قبائل بربر کا آپس کا خاندانی تنازع تھا۔ تاریخ پڑھنے والوں کو معلوم ہو گا کہ ایسے خاندانی تنازعات ہمیشہ مضر ثابت ہوئے ہیں۔ چوتھا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ مہدی ایک معمولی آدمی ثابت ہوا اس نے کوئی معجزہ نہیں دکھایا۔ ابوعبداللہ اور اس کے بربری اتباع اس کی طرف سے مایوس ہو گئے اور سب مل کر آپس میں بحث کرنے لگے۔ ایک دفعہ ابوعبداللہ نے ایک کتامی سردار کے روبرو اپنے شکوک اس طرح ظاہر کیے۔ "اس مہدی کے افعال اس مہدی کے مانند نہیں ہیں جس کی طرف میں تمھیں دعوت دیتا تھا۔ مجھے غلط فہمی ہو گئی ہے اور میں نے ابراہیم (خلیل اللہ) کی طرح دھوکا کھایا ہے۔ جب کہ انھوں نے تارے کو دیکھ کر کہا "یہ میرا رب ہے"۔ اس لیے مجھ پر اور تم پر فرض ہے کہ ہم اس کا امتحان لیں۔ اور اس سے ایسے اوصاف کا ثبوت طلب کریں جنھیں نسب دان امام میں ہونا ضروری سمجھتے ہیں[1]

اسباب مذکورہ کی تائید سے ابوالعباس کی تحریک کو بڑی قوت حاصل ہو گئی۔ متعدد کتامی سردار مہدی سے برگشتہ ہو گئے۔ اور کھلم کھلا مہدی کی مخالفت کرنے لگے۔ ایک کتامی سردار ہارون نے جو شیخ المشائخ کے نام سے

---

[1] غریب بن سعد القرطبی (J. Nicholson, PP. 120, 121.)

مشہور تھا[1] مہدی کے روبرو جاکر کہا کہ "ہمیں تمہارے معاملے میں شک پیدا ہوگیا ہے۔ اگر تم سچے مہدی ہو تو کوئی معجزہ دکھاؤ۔ مہدی نے اسے بہت کچھ سمجھایا مگر وہ نہ مانا۔[2] آخرکار مہدی نے اسے قتل کرادیا۔ اس واقعے سے ابوالعباس اور اس کے ساتھی چونکے۔ اور راتوں کو ابوزاکی تمام بن معارک کے گھر میں جمع ہو کر مہدی کے قتل کی تدبیریں سوچنے لگے۔ بالاتفاق یہ تصفیہ ہوا کہ مہدی کے گھر کا محاصرہ کرکے اس کو قتل کردیا جائے۔ لیکن یہ تدبیر کارگر نہ ہوئی۔[3] ابوعبداللہ بھی ان لوگوں کے جلسوں میں شریک تو ہوتا مگر نہایت متفکر اور پریشان حال۔ اس نے اب تک مستقل طور پر اپنی کوئی رائے قائم نہیں کی تھی۔ تذبذب کے عالم میں سرگرداں تھا۔ اس کی پریشانی اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ اس کو اپنے کپڑوں کا بھی ہوش نہ تھا۔ متواتر تین دن تک الٹی قمیص ہی پہنا کیا۔ مہدی روزانہ اس کو اس حالت میں بغور دیکھتا رہا۔ تیسرے دن اس سے کہا "تم کو کسی پریشانی میں گرفتار ہو کہ تین دن سے تم کو اپنے تن بدن کی بھی خبر نہیں ہے۔ قمیص الٹی پہن رہے ہو"۔ ابوعبداللہ نے کہا "واقعی مجھے اس بات کا خیال نہیں رہا کہ میری قمیص الٹی ہے"۔ پھر مہدی نے پوچھا "گزشتہ شب تم کہاں تھے" اس نے کہا "ابوزاکی کے گھر میں"۔ مہدی نے پوچھا "کیوں"۔ اس نے کہا "مجھے اپنی جان کا خوف ہے۔ اس لیے اپنے بھائیوں کا ساتھ دینا پڑا"۔ مہدی نے جسے عروبہ بن یوسف کے ذریعے باغیوں کی تمام کارروائی معلوم ہوتی رہتی تھی کہا "مجھے تمہاری تمام حرکتوں کا علم ہے۔ یہ نہ سمجھنا کہ میں غافل ہوں"۔[4] باغیوں نے جب مہدی کی یہ دھمکی سنی تو وہ بہت پریشان ہوئے۔

---

۱ - ابن خلدون ۴/۴۷ و افتتاح الدعوۃ ۲۵۱ -

۲ - افتتاح الدعوۃ ۲۵۲ -

۳ - افتتاح الدعوۃ ۲۵۴ -

۴ - افتتاح الدعوۃ ۲۵۵ -

اس بغاوت کا فرو کرنا مہدی کا تکلیف دہ فریضہ تھا۔ حکمت عملی سے اس نے سب سے چھوٹے بھائی یعنی ابوزاکی کو اس کے دوسرے بھائیوں ابوالعباس اور ابوعبداللہ سے الگ کر دیا۔ اور اُسے طرابلس کا والی بنا کر بھیجدیا۔ ساتھ ہی ساتھ والی سابق کو اس کے قتل کے احکام روانہ کیے گئے اس طرح ابوزاکی کا کام تمام ہوا۔ رقادہ میں ابوالعباس اور ابوعبداللہ قتل کردیے گئے۔ ان کے قتل کے لیے مہدی نے عروبہ بن یوسف اور اس کے بھائی[1] کو مقرر کیا تھا۔ انھوں نے دونوں باغیوں پر اس وقت وار چلایا جب وہ قصر میں داخل ہو رہے تھے۔ ابوعبداللہ نے ان سے پوچھا "تم ہم کو کیوں قتل کرتے ہو" عروبہ نے کہا "تم جس کی فرمانبرداری کا حکم ہم کو دیتے تھے اسی نے آج ہم کو تمھارے قتل کا حکم دیا ہے"۔ غرض کہ دونوں مار ڈالے گئے۔ مہدی نے ابوعبداللہ کے جنازے کی نماز پڑھی اور اسکے حق میں دعا کی اور کہا کہ ابوعبداللہ صرف دھوکے میں آگیا۔ اصل باغی ابوالعباس ہے[2]۔ ابن القدیم بھی جس کو مہدی نے برید کا والی مقرر کیا تھا باغیوں میں شریک تھا۔ اور ابوعبداللہ کے مغرب میں داخل ہونے سے بیشتر زیادۃ اللہ کے ساتھیوں میں تھا۔ یہ شخص بھاگ گیا مگر آخر میں گرفتار ہوا اور مارا گیا۔

ابوعبداللہ کی سیرت اور اس کا مقابلہ ابومسلم خراسانی سے

ابوعبداللہ صنعاء (یمن) کا باشندہ تھا۔ یہ بہت مستعد۔ ہوشیار۔ مستقل مزاج۔ جانباز شخص تھا۔ ابتدا میں اس نے حسن بن فرح بن حوشب سے اہل بیت کی تعلیم حاصل کی جس نے اس کو تبلیغ کے لیے یمن سے افریقیہ بھیجا۔ روانہ ہوتے وقت اس کے ساتھ سوائے عبداللہ بن ابی ملاحف کے کوئی دوسرا مددگار نہ تھا[3]۔ نہ اسکے

---

[1] حباسہ (ابن خلدون $\frac{4}{37}$) جبر بن تماشیت (افتتاح الدعوۃ، ۲۵)۔ [2] ابن خلدون $\frac{4}{37}$

[3] افتتاح الدعوۃ صفحہ ۳۰ و ابن الاثیر $\frac{8}{12}$ -

ہاتھ میں کوئی مال و دولت تھی۔[1] اس نے اپنی انفرادی کوشش سے افریقیہ میں مذہب مذکور کی تبلیغ کی۔ اس کی نیک سیرت اور پرہیزگاری کا قبائل کتامہ پر اتنا گہرا اثر پڑا کہ وہ اس کے مرید ہو گئے۔ اور انھی کی مدد سے اس نے مغرب فتح کیا۔ اور دولت فاطمیہ کی بنیاد ڈالی۔ وہ نہایت سادہ زندگی بسر کرتا تھا۔ نام ونمود کا خواہاں نہ تھا۔ مغرب فتح کرنے کے بعد بھی کسی موقع پر اس نے ایسی حرکت نہ کی جس سے اس کی بڑائی اور تکبر ظاہر ہو۔ مہدی کے افریقیہ پہنچنے کے بعد بھی یہ اسی خلوص وعقیدت سے مہدی کی خدمت کرتا تھا۔ مگر آخر میں اپنے بڑے بھائی ابوالعباس کے جال میں پھنس کر باغیوں کی جماعت میں شریک ہو گیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ انکے ساتھ قتل کر دیا گیا۔

دولت فاطمیہ میں اس کا وہی درجہ ہے جو دولت عباسیہ میں ابومسلم خراسانی کا اور اتفاق کی بات ہے کہ دونوں کا انجام ایک سا ہی ہوا۔ دونوں نے بڑی جانفشانی اور محنت سے دو حکومتیں قایم کیں۔ اس مہم میں ان کو بارہا ایسے مواقع پیش آئے جن میں انھیں اپنی جانوں کا خوف تھا۔ مگر وہ پیچھے نہ ہٹے۔ اپنے مقصدوں کو حاصل کرنے میں ہمیشہ سرگرم رہے۔ دونوں نے اپنے آقاؤں کی خدمت انجام دینے میں کبھی دریغ نہ کیا۔ گو دونوں اپنے مقاصد میں کامیاب ہوئے اور حکومتیں قائم کیں مگر ان کا انجام بہت افسوس ناک ہوا۔ دونوں بغاوت کے الزام میں مارے گئے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ابومسلم نے خود بغاوت شروع کی اور ابوعبداللہ نے اپنے بھائی کا ساتھ دیا جو بغاوت کا اصل محرک تھا۔

باغیوں کے قتل کا نتیجہ دولت فاطمیہ کے مذہبی دور کی تبدیلی سیاسی دور میں

باغیوں کے قتل سے دولت فاطمیہ کو استحکام حاصل ہو گیا۔ اور مہدی کی حکومت مضبوط ہو گئی۔ اگر باغی اپنی

[1] ابن خلکان $\frac{1}{62}$ ۔

حالت پر چھوڑ دیے جاتے تو دولت فاطمیہ باقی نہ رہتی۔ اس میں شک نہیں کہ باغیوں کے قتل ہوتے ہی ان کے طرفداروں نے سر اٹھایا اور فتنہ برپا کیا مگر مہدی نے اس موقع پر غیر معمولی ہمت دکھائی۔ خود سوار ہو کر محل سے نکلا اور مجمع سے مخاطب ہو کر کہا "لوگو تم جانتے ہو کہ ابو عبداللہ اور ابو عباس کا درجہ اسلام میں کیا تھا۔ لیکن شیطان نے انھیں گمراہ کیا۔ اس لیے وہ قتل کی سزا کے مستحق ہوئے۔ اب میں تم سب کو امان دیتا ہوں[1]" یہ سنتے ہی فتنہ برپا کرنیوالے منتشر ہو گئے۔ چند دنوں بعد کتامہ اور اہل قیروان میں مذہبی جھگڑا ہوا۔ جسمیں بنی اغلب بھی شامل تھے۔ اس کو بھی مہدی نے صاف کر کے مذہبی آزادی کا اعلان کر دیا اور احکام جاری کیے کہ کسی کو اسمٰعیلیت پر مجبور نہ کیا جائے۔ ہر شخص کو اپنے مذہب پر قائم رہنے کی آزادی حاصل ہے[2]

اس اعلان کا سبب شاید یہ ہو کہ دولت فاطمیہ کی بنیاد ہی مذہب پر تھی اور اس کا تعلق فرقہ اسمٰعیلیہ سے تھا جس کی تعلیم تاویل یعنی باطن شریعت پر مبنی تھی جیسا کہ ہم فصل (۳۵) اسمٰعیلی عقائد میں بیان کریں گے۔ لیکن ابو عبداللہ کے قتل کے بعد جب مہدی تخت حکومت پر متمکن ہوا تو اس نے یہ محسوس کیا ہو گا کہ بلادِ مغرب کے اکثر باشندے سنّی المذہب ہیں۔ یہ لوگ گو ایک جدید منتظم حکومت کے خواہاں ہیں تاکہ خلافت عباسیہ کی کمزوری کی وجہ سے جو بدنظمیاں پیدا ہو گئی ہیں وہ دور ہو جائیں لیکن اس کے اور ان کے مذہبی اصول میں بڑا اختلاف ہے۔ اگر ان پر مذہبی حیثیت سے جبر و تشدد کیا جائے تو وہ اس کی اطاعت سے منحرف ہو جائیں گے اور مغرب کے جو شہر اب تک فتح ہوئے ہیں اس کے قبضے سے نکل جائینگے اس لیے شاید اس نے اپنی حکمت عملی بدل لی اور مذہب کو زیادہ اہمیت نہ دی۔ صرف اپنا شیعی ہونا ظاہر کیا تاکہ لوگ اس کی امامت تسلیم کریں۔ اس زمانے سے

---

[1] ـ O'Leary, P. 72 (بحوالہ عریب بن سعد القرطبی)

[2] ـ ابن خلدون ۴/۳۷

دولت فاطمیہ کا مذہبی دور سیاسی دور میں بدل گیا۔ جو لوگ ہمت کر کے صرف باطن شریعت پر عمل کرنے لگے ان کو سخت سزائیں دی گئیں۔ چنانچہ قاضی القضاۃ نعمان بن محمد نے لکھا ہے کہ داعی ابو عبد اللہ شیعی کے چند اتباع نے شریعت کے باطن کو سمجھ کر ظاہری اعمال چھوڑ دینے اور محرمات پر مرتکب ہونے کی کوشش کی۔ ایسے لوگوں کو مہدی نے سخت سزائیں دیں۔ بعض کو قید اور بعض کو قتل کیا[1]۔ یہاں اس بات کی طرف توجہ ضروری ہے کہ دولت فاطمیہ کے ممالک میں ابتدا سے لے کر انتہا تک اسمٰعیلی مذہب کسی زمانے میں بھی عام نہیں ہوا۔ کیونکہ اسمٰعیلیوں کی انجمن جسے وہ "دعوت" کہتے ہیں ایک مخفی چیز ہے۔ پوشیدگی اور رازداری اس کی فطرت میں داخل ہے۔ اس کے اسرار ہر کس و ناکس کو نہیں بتائے جا سکتے۔ تاویل کا علم بغیر سخت عہد و پیمان کے نہیں پڑھایا جاتا۔ علم حقیقت کے درجے کو تو بہت کم لوگ پہنچتے تھے جیسا کہ ہم تاویل و حقیقت کی آئندہ فصلوں میں بیان کریں گے۔ عام رعایا مذہب کی حقیقت سے بہت کم واقف تھی۔ شاید اسی وجہ سے انکی دعوت کے مصر سے یمن میں منتقل ہونے کے بعد اسمٰعیلیت مصر میں بہت جلد مفقود ہو گئی۔ حالانکہ تقریباً دو سو سال قاہرہ ان کا پایۂ تخت رہا[2]۔

---
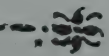
[1] ۔ افتتاح الدعوۃ ۔ صفحہ ۲۶۷ ۔

[2] ۔ فلم یدخل فی مذھبھم الا بعض الناس وھم قلیل (ابن الاثیرؒ فی ذکر المھدی) ابتدائے ذکر عزیز باللہ بھی دیکھیئے (اکثر ائمہ کی وفات کے اعلان میں تاخیر) ابتدا میں مصری مالکی مذہب پر تھے۔ اس کے بعد شافعی کا اثر ہوا۔ خود امام حاکم نے سنہ ۴۰۰ھ میں ایک مدرسہ فقہ مالکی کی تعلیم کے لیے کھولا (فصل ۱۶ ۔ احکام مذکورۂ بالا کی منسوخی)

فصل (۱۱)

ابو محمد عبداللہ المہدی باللہ
۲۹۷ - ۳۲۲

ولادت ۱۲ شوال ۲۶۰ھ - آغاز حکومت ۲۹۷ھ - وفات ۱۵ ربیع الاول ۳۲۲ھ

مہدی کی ولادت اور عہد طفولیت کا بیان گزر چکا ہے - اور اس کے سلمیہ سے روانہ ہونے سے لے کر رقادہ پہنچنے تک کے واقعات بھی تفصیل سے قلمبند کیے جا چکے ہیں - ۲۹۷ھ میں اس کو کامل استقلال حاصل ہوا اور مغرب کے اکثر شہروں میں اس کا نام خطبوں میں لیا گیا استقلال حاصل ہونے کے بعد اس نے اپنے بیٹے قائم پر نص کی یعنی اس کو اپنا ولی عہد مقرر کیا۔

ابوالعباس کے طرف داروں میں سے ابھی چند باقی رہ گئے تھے جنھوں نے مہدی کے خلاف پھر فتنہ برپا کرنے کی کوشش کی کتامہ کی ایک شاخ بنو ماد طہ نے ایک نوجوان کا جو ماوطی کہلاتا ہے انتخاب کر کے یہ دعویٰ کیا کہ وہ نبی ہے جو خدا کی طرف سے بھیجا گیا ہے[1] - ان میں سے چند

---

[1] - عیون الاخبار ۵/۱۶۶

اشخاص ایسے بھی تھے جن کا یہ عقیدہ تھا کہ ابوعبداللہ کا ابھی انتقال ہی نہیں ہوا ہے۔ عنقریب وہ پھر دنیا میں ظاہر ہوگا۔ ان لوگوں نے دعوت اسمٰعیلیہ کے اصول پر ایک علیحدہ دعوت قائم کی اور مہدی سے مقابلہ کرنے کے لیے میلہ پر چڑھائی کی۔ مہدی نے ان کی سرکوبی کے لیے اپنے بیٹے قائم کو جس کی عمر اس وقت بائیس سال کی تھی بھیجا اس نے ان کو شکست دی۔ اور جو نوجوان نبی بنایا گیا تھا اس کو قتل کیا۔ اس واقعے کے بعد بغاوت کا خاتمہ ہوگیا۔ پھر کسی نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ میں مہدی یا نبی ہوں۔

قبائل بربر کی بغاوتیں

بربری قبیلے دولتِ فاطمیہ کی طاعت پر بہت کم ثابت قدم رہے یکے بعد دیگرے اکثر بغاوت کے جھنڈے بلند کرتے رہے۔ چنانچہ ۲۹۸ھ میں لواتہ اور ۲۹۹ھ میں زناتہ نے مہدی کی مخالفت کی۔ ان کے مقابلے کے لیے مہدی کو فوج بھیجنی پڑی۔ متعدد لڑائیاں ہوئیں جن میں شدید خوں ریزی ہوئی[1] چند سال بعد یعنی ۳۱۴ھ اور ۳۱۵ھ کے درمیان پھر جھگڑے شروع ہوئے۔ زناتہ نے محمد بن خزر کی ماتحتی میں بہت فساد مچایا جیسا کہ خوارج کی تسخیر میں ہم آئندہ بیان کریں گے۔ مہدی نے اپنے بیٹے قائم کو بھیجکر ان فتنوں کو فرو کیا[2]

اہل طرابلس وصقلیہ کی مخالفت

مہدی کی طرف سے طرابلس پر ماکیون بن ضنبارہ والی مقرر کیا گیا تھا جو قوم بربر سے تھا۔ یہاں کے عرب باشندے ۳۰۰ھ میں اس کے مخالف ہوگئے[3] اور اس کو شہر سے نکال دے کر اس کی جگہ احمد بن نصر کو اپنا والی بنا لیا۔ مہدی نے اپنے بیٹے قائم کو ان کے مقابلے کے لیے بھیجا جس نے شہر کے طویل حصار کے بعد اس پر قبضہ کیا اور ایک کثیر رقم وہاں کے لوگوں پر

---

[1] عیون الاخبار ۵/۱۶۶

[2] Wustenfeld. PP 44-45

[3] عیون الاخبار ۵/۱۶۸

بطور جرمانہ عائد کی[1] مائیون کے بعد ابو یدین طرابلس کا والی مقرر کیا گیا۔ اسی طرح سے ۳۰۰ھ میں صقلیہ کے عرب باشندوں نے اپنے امیر احمد بن قہرب کی ماتحتی میں خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ مہدی نے اس بغاوت کو فرو کیا جیساکہ ہم فصل نہم کے آخر میں بیان کر چکے ہیں۔

مصر پر حملہ اور اس کا سبب

اس زمانے میں خلافت عباسیہ کی سیاسی قوت کمزور ہو چکی تھی۔ ملک کے حصوں میں مختلف خاندانوں کی حکومتیں مستقل طور پر قائم ہو گئی تھیں[2]۔ چنانچہ خود دولت فاطمیہ کا قیام اسی کمزوری کا نتیجہ تھا۔ صوبہ مصر کا انتظام بھی اطمینان بخش نہ تھا۔ ادھر دعوت فاطمیہ کے مبلغین نے مصر کے ملکی افسروں کو اپنی طرف مائل کر لیا تھا۔ وہ ان کی تبلیغ سے بہت کچھ متاثر ہو چکے تھے۔ چنانچہ وہاں کے قاضی اور خزانہ دار مہدی سے ملے ہوئے تھے[3]۔ ان کے اور مہدی کے درمیان مراسلت جاری تھی۔ مہدی نے اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہا اور ۳۰۱ھ میں مصر پر حملہ کرنے کے لیے ایک عظیم الشان بیڑہ تیار کیا جو دو سو جنگی جہازوں پر مشتمل تھا[4]۔ یہ بیڑہ حباسہ بن یوسف کی سرکردگی میں مصر روانہ کیا گیا۔ اس کے ساتھ متعدد کتامی سردار بھی بھیجے گئے۔ مصر کا والی ابو منصور تکین ان کا مقابلہ نہ کر سکا۔ حباسہ اسکندریہ اور فیوم پر قبضہ کرتے ہوئے آگے بڑھا۔ یہ خبر خلیفۂ عباسی مقتدر کو پہنچی۔ خلیفہ نے اپنے غلام مونس اور سبکتگین کو ایک لشکر کثیر کے ساتھ بغداد سے مصر روانہ کیا۔ فریقین میں کئی معرکے ہوئے۔ آخر کار مونس کو فتح حاصل ہوئی اور حباسہ کو نقصان عظیم کے ساتھ مغرب کو واپس ہونا پڑا۔ اس ناکامیابی کا

---

[1] تین لاکھ دینار (ابن خلدون ۴/۳۸)

[2] مثلاً طاہری خراسان میں۔ صفاری اور سامانی فارس میں۔ حمدانی موصل اور حلب میں اور بنو اغلب مغرب میں۔

[3] O'Leary, P. 79

[4] ابن خلدون ۴/۳۸ -

سبب یہ تھا کہ حباسہ بغیر سوچے سمجھے برقہ سے آگے بڑھ گیا تھا۔ اُس کو چاہیے تھا کہ وہیں ٹھیر جاتا۔ حالانکہ مہدی کے لڑکے قائم نے اسے اس بارے میں حکم بھی بھیجا تھا کہ وہ برقہ سے آگے نہ بڑھے مگر وہ نہ مانا۔ اسکی یہ آرزو تھی کہ مصر میرے ہاتھ پر فتح ہو[1] اس عجلت کی وجہ سے اس کو شکست کھانی پڑی اور سیکڑوں جانیں تلف ہوئیں۔ کہا جاتا ہے کہ سات ہزار نفوس ہلاک ہوئے[2]۔ مہدی نے اس عدول حکمی کی پاداش میں حباسہ کو مغرب پہنچتے ہی قتل کروادیا۔ اس پر اس کا بھائی عروبہ بن یوسف مہدی کا مخالف ہو گیا اور چند کتامیوں کو جمع کر کے مہدی کا مقابلہ کرنے کی کوشش کی مگر مہدی نے اس کا اور اس کے ساتھیوں کا خاتمہ کر دیا۔

حباسہ کے بعد مہدی نے ۳۰۶ھ میں اپنے بیٹے قائم کو مصر پر حملہ کرنے کے لیے دوبارہ روانہ کیا[3]۔ قائم نے اسکندریہ۔ فیوم۔ صعید اور جزیرۂ اشمونین[4] پر قبضہ کر کے مصر پر چڑھائی کی۔ مقتدر کا غلام مونس پھر اس کے مقابلے کے لیے نکلا۔ دونوں میں متعدد لڑائیاں ہوئیں جن میں مونس کامیاب ہوا۔ قائم کے لشکر کو دبا اور قحط نے کمزور کر دیا۔ متعدد نفوس ہلاک ہوئے۔ اس کے بعد قائم کی مدد کے لیے افریقیہ سے اسی جنگی جہازوں کا بیڑہ پہنچا۔ اُس پر دو بہادر افسر سلیمان اور یعقوب کتامی متعین تھے۔ ادھر طرسوس سے مصری بیڑہ نکلا جو پچیس جنگی جہازوں پر مشتمل تھا۔ اور جس کا افسر ابوالیمن تھا۔ دونوں کی مٹھ بھیڑ موضع رشید پر ہوئی۔ مصری بیڑہ کامیاب رہا۔ سلیمان اور یعقوب دونوں گرفتار کر لیے گئے گو اس دفعہ مصر کے والی محمد بن طغج اور اس کے سپہ سالار ابن کیلغ میں جھگڑا پیدا

---

[1] - عیون الاخبار $\frac{5}{162}$ - [2] - ابن خلدون $\frac{4}{38}$

[3] - اس سے پیشتر یعنی ۳۰۲ھ میں بھی قائم مصر کی طرف روانہ ہوا تھا۔ مگر ناکام رہا۔ گویا قائم نے دو دفعہ مصر پر حملہ کرنے کی کوشش کی (افتتاح الدعوۃ ۲۶۶) -

[4] - یہ اصل میں اشمون ہے لیکن اہل مصر اسے اشمونین کہتے ہیں (مراصد $\frac{1}{69}$)

ہوگیا تھا۔ اور ابن کیلغ نے قائم کی ہمت افزائی کی مگر پھر بھی قائم مصر فتح نہ کرسکا اس کو ناکامی کے ساتھ مغرب واپس ہونا پڑا۔[1]

ادارسہ یعنی بنی ادریس کی تسخیر ۳۰۸ھ

فاس (مغرب اقصیٰ) میں بنی ادریس کی حکومت تھی جن کی ابتدا اور انتہا کا مجمل ذکر اس سے پیشتر ہو چکا ہے۔[2] ان میں سے مہدی کے زمانے میں یحییٰ بن ادریس بن ادریس بن عمرو فاس پر حکمراں تھا۔ اس شہر کی تسخیر کے لیے مہدی نے ۳۰۵ھ میں مصالہ بن حبوس کو چند مکناسی سرداروں کے ساتھ بھیجا۔ مصالہ نے یحییٰ کو حکومت سے معزول کرکے اس کی جگہ موسیٰ بن ابی الافیح المکناسی کو حاکم مقرر کیا۔ ادریسی نے اسوقت تو مہدی کی اطاعت قبول کرلی مگر ۳۰۹ھ میں اس میں اور موسیٰ میں کچھ جھگڑا پیدا ہوگیا۔ لہٰذا موسیٰ نے ادریسی کو گرفتار کرلیا۔ اور اس کے قبیلے کو مغرب سے بالکل نکال دیا۔ یہ لوگ غمارہ چلے گئے۔ جہاں انھوں نے پناہ لی اور پھر اپنی حکومت قائم کرلی۔ بنو حمود انہی کی نسل میں سے ہیں جنھوں نے ۴۰۳ھ میں بنو امیہ کے زوال کے بعد قرطبہ پر قبضہ حاصل کرلیا۔

خوارج کی تسخیر ۳۱۵ھ

بنو امیہ کے زمانے سے سجلماسہ اور اس کے اضلاع کو خوارج نے اپنی پناہ گاہ بنا لیا تھا۔ یہ لوگ مہدی کی مخالفت کرنے لگے۔ فاس کی تسخیر کے بعد مہدی نے مصالہ کو انکے مقابلے کے لیے روانہ کیا۔ لڑائی میں ان کا امیر جو آلِ مدرار سے تھا قتل ہوا۔

[1] - اسی زمانے یعنی ۳۰۷ھ میں قائم نے مونس کو ایک قصیدہ بھیجا۔ جس میں بنو عباس کی کمزوری بیان کی گئی۔ اس کا جواب خلیفۂ مقتدر (عباسی) نے محمد بن یحییٰ الصولی (متوفی ۳۳۶ھ) سے لکھوا کر روانہ کیا۔ اس جواب کا آخری شعر یہ ہے:-

ولو کانت الدنیا مطیۃ راکبٍ لکان لکم منہا باخر تم الذنب

(عریب بن سعد القرطبی۔ ۸۰-۸۲م)

[2] - فصل ۴ (دولت ادریسیہ کا قیام)

اس کی جگہ مصالہ نے اپنے چچیرے بھائی کو قائم کیا۔ اس کے بعد مصالہ مغرب کے دوسرے اضلاع کو روانہ ہوا جہاں خوارج کا مشہور قبیلہ زناتہ رہتا تھا۔ اس کے امیر محمد بن الخزر اور مصالہ میں کئی معرکے ہوئے جن میں مصالہ مارا گیا۔ اس کے قتل ہونے سے مغرب کے شہروں میں بڑی بے چینی پھیل گئی۔ جس کو دور کرنے کے لیے مہدی نے جمادی الاخری ۳۱۵ھ میں اپنے بیٹے قائم کو بھیجا۔ قائم نے کتامیوں کو ساتھ لے کر محمد بن خزر اور اس کے ساتھیوں کو بھگا دیا اور قبائل مزاتہ۔ مطماطہ اور ہوارۃ کو مغلوب کیا۔ بہر حال اباضیہ صفریہ اور خوارج کے دوسرے فرقے سب مسخر ہو گئے۔ اور قائم کے قبضے میں انکے تمام مقامات تاہرت تک آ گئے جو مغرب اوسط کا صدر مقام تھا۔ تقریباً سوا سال قائم نے ان فتوحات میں صرف کیا۔ اور شہر رمضان ۳۱۶ھ میں افریقیہ واپس آیا۔[۱]

شہر محمدیہ کی بنا ۳۱۵ھ

خوارج کی تسخیر کے بعد قیروان واپس ہوتے وقت قائم میلہ کے ایک گاؤں پر سے گزرا جہاں بنو کملان رہتے تھے۔ جن کا تعلق قبیلہ ہوارہ سے تھا۔ قائم کو ان کی بغاوت کا خوف ہوا۔ لہٰذا اس نے ان کو قیروان کے ایک گاؤں میں منتقل کیا۔ اور ان کے اصلی مقام پر ایک شہر کی بنیاد ڈالی جس کا نام محمدیہ رکھا۔ اس شہر کو آباد کرنے کا انتظام علی بن حمدون الاندلسی کے سپرد کیا گیا۔ جو دولت فاطمیہ کے خاص پروردہ اشخاص میں سے تھا۔ قائم نے اس کو میلہ اور پورے زاب پر والی مقرر کیا۔ اس نے شہر مذکور آباد کیا۔ اور اس میں اتنا غلہ فراہم کیا جو صاحب الحمار[۲] کے محاصرے کے زمانے میں بہت کام آیا۔ یہ شہر قیروان کی حدود میں شامل تھا مگر یاقوت کے زمانے میں تباہ ہو چکا تھا۔[۳]

۱۔ قائم نے خوارج کی تسخیر میں جو حصہ لیا اس کی مفصل کیفیت داعی ادریس نے بیان کی ہے (عیون الاخبار ۵/۱۹۵-۲۰۰) ۲۔ ابو یزید خارجی کی بغاوت کی تفصیل آئندہ آئے گی (فصل (۱۲)۔ ۳۔ (معجم البلدان ۲/۴۴)

شہر مہدیہ کی بنا ۳۰۸ھ

تحفظ دولتِ فاطمیہ کے لیے مہدی نے ۳۰۳ھ میں ایک ایسے شہر کی بنیاد ڈالی جو دشمن کے حملے کے وقت بنو فاطمہ کی پناہ گاہ بن سکے اور جس میں ان کو امن مل سکے۔[1] اس کی تعمیر میں بہت اہتمام کیا گیا۔ اور اسے مستحکم کرنے میں ہر ممکنہ کوشش عمل میں لائی گئی۔ جائے وقوع کے انتخاب کے لیے خود مہدی تونس اور قرطاجنہ کی طرف روانہ ہوا۔ اور سمندر کے ساحل کا معائنہ کیا۔ آخر میں خشکی کا ایسا قطعہ انتخاب کیا جو ایک جانب سے دریا میں نکلا ہوا تھا۔ شہر کے اطراف ایک مضبوط فصیل بنائی گئی جس میں لوہے کے عظیم الشان دروازے نصب کیے گئے ہر کواڑ کا وزن تقریباً سو قنطار تھا۔ شہر کے اندر سنگِ مرمر کے محلات وسیع تالاب اور زمین دوز مخزن بنائے گئے جن میں کافی غلہ فراہم کیا گیا۔ پہاڑ کے دامن میں ایک دار الصناعۃ قایم کیا گیا جس میں نو سو (۹۰۰) کشتیاں تیار کی گئیں۔ جب شہر کی فصیل اونچی ہوئی تو مہدی نے ایک تیر انداز کو حکم دیا کہ وہ مغرب کی طرف ایک تیر مارے۔ یہ تیر عید گاہ تک پہنچا۔ مہدی نے کہا "اس مقام تک صاحب الحمار یعنی ابو یزید الخارجی حملہ کرتا ہوا پہنچے گا۔" ۳۰۸ھ میں یہ شہر تکمیل کو پہنچا۔ لوگ اس کی مضبوطی اور پختگی کو دیکھ کر تعجب کرنے لگے تو مہدی نے کہا "یہ سب اہتمام صرف ایک ساعت کے لیے ہے۔ اب مجھ کو بنو فاطمہ کی حفاظت کا کامل اطمینان حاصل ہو گیا۔"[2] مہدی کی یہ پیشین گوئی ابو یزید خارجی کی بغاوت کے متعلق تھی جس کی تفصیل قائم کے ذکر میں آئے گی۔[3] شہر مذکور

---

[1] کہا جاتا ہے کہ مہدی کو اپنی کتابوں کے ذریعے معلوم تھا کہ اس کے انتقال کے بعد اس کے لڑکے قائم کے زمانے میں ابو یزید الخارجی معروف بہ صاحب الحمار بغاوت کرے گا۔ اس کے حملے سے بچنے کے لیے یہ شہر تیار کیا گیا (ابن الاثیر ۸/۳۵)

[2] ابن خلدون ۴/۳۲ و ابن الاثیر ۸/۳۵

[3] فصل (۱۲) - (ابو یزید خارجی کی بغاوت)

قیروان کا ایک بندرگاہ تھا۔ اور شہر قیروان سے دو مرحلوں پر واقع تھا۔ مگر یاقوت کے زمانے میں یہ شہر برباد ہو چکا تھا۔[1]

مہدی اور قرامطہ

مہدی کے زمانے میں قرامطہ نے جنھوں نے دولت فاطمیہ سے علحدگی اختیار کر لی تھی بیت اللہ کی بے حرمتی کی جس کا مفصل ذکر فصل (۳۱) میں آئے گا۔

مہدی اور دولت امویہ بہ اندلس

چوتھی صدی ہجری کے شروع یعنی مہدی کے ابتدائی عہد میں عمر بن حفصون اندلسی نے عبدالرحمن ثالث کے خلاف مہدی سے اتحاد پیدا کرنے کی کوشش کی تاکہ اس کی مدد سے خلافت امویہ کا مقابلہ کرے۔[2] اگر یہ کوشش کامیاب ثابت ہوتی تو بنو فاطمہ اندلس کا بھی رُخ کرتے۔ پھر بھی ان کی ہمت پست نہ ہوئی۔ ان کے جاسوس تاجروں کے بھیس میں اندلس کے اکثر اضلاع میں پہنچ کر اپنی دعوت پھیلانے میں لگ گئے۔ ان کی کارگذاریوں کا اندازہ ان اطلاعوں سے لگایا جا سکتا ہے جو وقتاً فوقتاً مہدی کو بھیجی جاتی تھیں۔ ابن حوقل اندلس کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ "جو اجنبی اندلس میں داخل ہوتے ہیں وہ اس بات کو محسوس کر کے بہت پریشان ہوتے ہیں کہ یہ ملک ابھی ان حاکموں کے ماتحت ہے جو یہاں حکومت کرتے ہیں۔ یہاں کے باشندے نامرد۔ بزدل اور غلامی پسند ہیں۔ ان کو گھوڑے کی سواری تک نہیں آتی۔ ان میں اپنے دشمن کا مقابلہ کرنے کی بالکل قوت نہیں۔ تاہم ہمارے ائمہ (خدا کی رحمت ان پر) خوب جانتے ہیں کہ اس ملک کی کیا قیمت ہے۔ اس کے محاصل کی آمدنی کتنی وافر ہے اور اس میں کیا کیا خوبیاں ہیں۔[3] اگر فاطمیوں کو اندلس میں ملک کا کچھ حصہ بھی مل جاتا تو

---

[1] ادریسی صفحہ ۱۰۸ ۔ معجم البلدان $\frac{۴}{۶۹۳}$ ۔

[2] ابن خلدون $\frac{۴}{۱۳۵}$

[3] Dozy, The Spainsh Islam, PP. 403. 412

ممکن تھا کہ ان کے ہمراہ بھی بعض اندلسی ہو جاتے یہاں کے مسلمان بھی ظہور مہدی کے معتقد تھے۔ ایک اموی شہزادے نے مہدی ہونے کا دعویٰ بھی کیا۔ اور عبد الملک بن حبیب نے ایک کتاب میں جو خلافت فاطمیہ کے قیام سے بیس سال بیشتر لکھی گئی یہ پیشین گوئی کی تھی کہ اندلس میں ایک فاطمی حکومت کرے گا جو دوسرے ممالک کے ساتھ قسطنطنیہ بھی فتح کرے گا۔

فاطمی داعیوں میں جنھوں نے اندلس میں اپنی دعوت کو فروغ دینے کے لیے کوشش کی ابن مسرۃ قابل ذکر ہے۔ جو قرطبہ کا باشندہ تھا۔ اس نے یونانی فلسفے کی تعلیم بخوبی حاصل کی۔ اس پر الحاد کا الزام لگا اور اس کو قرطبہ چھوڑنا پڑا۔ اس کے بعد اس نے مشرقی ممالک کی سیاحت کی اور اس دوران میں اسمٰعیلیوں کے اثر کو اس نے قبول کر لیا۔ گو ابن مسرۃ کے اسماعیلی داعی ہونے کا کوئی بیّن ثبوت نہیں ملتا۔ لیکن یہ واقعہ ہے کہ فاطمیوں نے اندلس میں اپنی ایک علیحدہ جماعت پیدا کرنے کی کوشش کی۔ اور ایک حد تک انھیں اس میں کامیابی حاصل ہوئی[1]۔

دولت امویہ کی طرف سے فتوحات فاطمیہ کو روکنے کی کوشش

افریقیہ میں جب فاطمیوں کو فتوحات حاصل ہونے لگیں تو عبد الرحمٰن ثالث (خلیفۂ اندلس) ۳۰۰-۳۵۰ھ کو خوف پیدا ہوا کہ یہ لوگ افریقیہ کے بعد کہیں اندلس کا قصد نہ کریں۔ اس نے سوچا کہ اہل مغرب اقصیٰ اور مغرب اوسط سے اتحاد پیدا کر کے اندلس اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ابن حوقل (کتاب المسالک والممالک صفحہ ۷۴) کے الفاظ یہ ہیں:۔ ومن اعجب احوال هذه الجزیرة بقاؤها علی من هی فی یده مع صغر احلام اهلها وضعة نفوسهم ونقص عقولهم وبعدهم من الباس والشجاعة والفروسیة والبسالة ولقاء الرجال ومراس الانجاد والابطال وعلم موالینا عمه بمحلها فی نفسها ومقدار جبایتها ومواقع نعمها ولذاتها۔

[1] یہ دوزی کا بیان ہے۔ دیکھیے اسپینش اسلام۔ ص ۴۰۹ - ہماری عربی کتابوں میں اس کا حوالہ نہیں ملتا۔

افریقیہ کے درمیان ایک حد فاصل قائم کرے۔ لیکن وہ شمالی اندلس کے نصرانی حملوں کی مدافعت میں مشغول تھا اس لیے اس نے اس عزم کو بالفعل ملتوی کر دیا۔ ۳۰۵ھ میں اسے ایک اچھا موقع ہاتھ لگا جب مہدی نے امیر ناکور[1] سعید کے مقابلے کے لیے مصالہ والی تاہرت (مغرب اقصیٰ) کو روانہ کیا جس نے اس کو قتل کر کے ناکور پر قبضہ کر لیا۔ سعید مع اپنے دو بھائیوں کے اندلس بھاگ گیا۔ عبد الرحمن نے ان تینوں بھائیوں کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا اور انھیں مدد دینے کا بھی وعدہ کیا تاکہ وہ اپنا کھویا ہوا ملک واپس لے لیں۔ چھ ماہ بعد مصالہ اپنے ایک کتامی افسر کو ناکور پر والی مقرر کر کے وہاں سے چلا گیا۔ اس جدید والی کے ساتھ بہت تھوڑی فوج تھی۔ سعید اور اس کے بھائیوں کو جب اس واقعے کی اطلاع ملی تو وہ چند کشتیاں لے کر روانہ ہوئے۔ بربر کی مدد سے ان بھائیوں نے ناکور کو واپس لے لیا۔ سب سے چھوٹا بھائی اس شہر کا والی بنا جس نے عبد الرحمن کو اس فتحیابی کی خوشخبری بھیجی۔ اور اسے اپنا مقتدر اعلیٰ تسلیم کیا۔

مغرب اوسط اور مغرب اقصیٰ میں بنو امیہ کی کامیابیاں اور سبتہ پر خلیفۂ اندلس کا قبضہ۔

عبد الرحمن (خلیفہ اندلس) اپنے ملک کے شمالی دشمنوں کو شکست دے کر افریقیہ کی طرف متوجہ ہوا۔ اس وقت اس نے بربری قبیلہ مغراوہ کے سردار محمد بن خزر سے دوستی پیدا کی جس نے فاطمی فوجوں کو شکست دے کر ان کے افسر مصالہ کو اپنے ہاتھ سے قتل کر دیا تھا۔ ابن خزر نے فوراً فاطمیوں کو مغرب اوسط سے نکال دیا۔ اور اس ضلع کے تمام شہروں کو مجبور کیا کہ وہ خلیفہ اندلس کو اپنا حاکم تسلیم کریں۔ خوش قسمتی سے عبد الرحمن نے سردار مکناسہ موسیٰ بن ابی العافیہ کو بھی اپنی طرف مائل کر کے ۳۱۹ھ میں سبتہ[2] پر بھی قبضہ کر لیا۔ مہدی کے مرنے کے بعد معز کے زمانے میں سوائے سبتہ کے

---

[1] ریف (مراکش) کا ایک علاقہ ہے۔
[2] انگریزی میں اسے Ceuta (The Key of Mauritania) کہتے ہیں۔

مغرب اوسط اور مغربِ اقصیٰ کے تمام شہر پھر دولت فاطمیہ میں داخل ہو گئے جس کا ذکر آئندہ آئے گا۔[۱]

مہدی کے زمانے میں عقائدِ اسمٰعیلیہ کی اشاعت اور ان کا اثر

۳۰۹ھ میں مہدی نے اپنے اسمٰعیلی عقائد[۲] کی اشاعت کے لیے منیب بن سلیمان المکناسی کو علاقۂ تاہرت کی طرف روانہ کیا۔ یہ عقائد قیروان۔ باغایہ اور تونس میں شائع ہو گئے جس کی وجہ سے لوگوں نے ظاہری اعمال چھوڑ دیئے اور محرّماتِ شرعیہ کے مرتکب ہونے لگے۔ اس انقلاب سے بڑی قیل و قال ہوئی اور کئی شکایتیں مہدی تک پہنچیں۔ مہدی نے پہلے تو لاعلمی ظاہر کی۔ پھر دو سو (۲۰۰) اشخاص کو گرفتار کروایا جن میں کئی مشہور و معروف لوگ بھی تھے۔ احمد البلادی نماز میں شہر رقادہ کی طرف توجہ کرتا تھا لیکن جب سے مہدی مہدیہ میں رہنے لگا اُس نے مہدیہ کو اپنا قبلہ بنالیا۔ وہ کہتا تھا کہ میں ایسی ہستی کی عبادت نہیں کرتا جو نظر نہیں آتی۔ وہ مہدی سے مخاطب ہو کر یہ کہتا "آسمان کی طرف چڑھ جاؤ۔ کب تک آپ زمین پر گلیوں میں گھومتے رہو گے"۔ وہ مہدی کو عالم الغیب بھی سمجھتا تھا۔ دوسری مثال ابراہیم بن غازی کی ہے جو عقیدۂ اسمٰعیلیہ کے مطابق ماہِ رمضان میں کھلم کھلا کھاتا تھا اور دوسرے کبائر کا بھی مرتکب ہوتا تھا۔[۳] قاضی نعمان بن محمد نے ایسے متعدد واقعات کا حوالہ دیا ہے اور لکھا ہے کہ تقریباً ہر امام کے عہد میں بعض جلیل القدر داعیوں اور مومنین نے معرفتِ باطن کو کافی سمجھ کر اباحتِ محرمات کا مذہب اختیار کیا۔ وہ اصل مذہب کی حقیقت سمجھ نہ سکے۔[۴]

۱۔ فصل ۱۴ (ابتدا عہد معز)۔ ۲۔ عقائدِ اسمٰعیلیہ اور خصوصاً ظاہری شریعت کے اختتام کی تفصیل آئندہ بیان کی جائے گی۔ ۳۔ [illegible] P. 130

۴۔ (ا) منازل الائمہ دعائم الاسلام۔ (ب) "المجالس والمسائرات" متعدد مقامات پر۔

مہدی کا انتقال اور اس کے کارنامے

ائمۂ ظہور کا پہلا امام مہدی ہے۔ ۲۹۷ھ میں موضع رقادہ میں اس کا ظہور ہوا اور اس کے داعی ابو عبد اللہ نے اس کو عنان حکومت سونپی۔ گو داعی مذکور کی کوشش سے اس کو مغرب کا ملک ہاتھ لگا۔ مگر اس کو برقرار رکھنا اسی کا کام تھا۔ خصوصاً ابو عبد اللہ اور اس کے بھائیوں کی بغاوت کے بعد ملک کا سنبھالنا اور اس میں امن قائم رکھنا بہت دشوار امر تھا۔ اگر مہدی اس وقت دانائی اور مستقل مزاجی سے کام نہ لیتا تو دولت فاطمیہ ہمیشہ کے لیے نابود ہو جاتی۔ اسی نے خلافت فاطمیہ کی بنیاد ایسی مستحکم کردی کہ وہ تقریباً ڈھائی سو سال قائم رہ سکی۔ اس نے حاصل شدہ ملک ہی پر اکتفا نہ کیا بلکہ افریقیہ کے دیگر اضلاع کو بھی فتح کر کے بحر محیط تک اپنی حکومت کا دائرہ وسیع کیا۔ اسی نے بنو ادریس کو مسخر کیا۔ اور مصر پر حملہ کرنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ اسی نے جنگی بیڑے کو از سر نو تیار کیا۔ جس سے بنو فاطمہ کی بحری قوت ایسی مضبوط ہوگئی کہ وہ روم کا مقابلہ کرنے لگے جن کی بحری قوت اس زمانے میں اپنا نظیر نہیں رکھتی تھی[1]۔ اسی نے دو نئے عالیشان شہر بنوائے جن کا ذکر ہو چکا ہے۔ یہ شہر بعد کے خلفاء کے زمانے میں بہت کام آئے جیسا کہ آئندہ معلوم ہوگا۔ اسی نے حکومت کے ہر شعبے کا معقول انتظام کیا جس کی وجہ سے ملک کے ہر گوشے میں امن پھیل گیا۔ اور لوگ خوش حال ہو گئے۔ یہاں تک کہ خود جلال الدین سیوطی مہدی کے عدل و انصاف کا اعتراف کرتا ہے۔ اور کہتا ہے "مہدی عادل اور سخی تھا جس کی وجہ سے لوگ اس کی طرف مائل ہو گئے[2]"۔ بہر حال تقریباً پچیس سال کی حکومت کے بعد مہدی نے اپنے بیٹے قائم کو اپنا جانشین بنا کے ۵ ار ربیع الاول ۳۲۲ھ میں وفات پائی[3]۔

۱ھ۔ تبیین المعانی صفحہ (۲۲۰)

۲ھ۔ سید امیر علی ۵۹۴۔ مجھے سیوطی کی کتابوں میں یہ بیان نظر نہ آیا۔

۳ھ۔ افتتاح الدعوۃ ۲۶۶۔ اس وقت مہدی کی عمر ۶۳ سال کی تھی۔

اور شہر مہدیہ (مغرب) میں دفن کیا گیا۔

مہدی کی موت کی خبر تقریباً سوا تین مہینے تک چھپائی گئی۔ تاکہ کوئی فتنہ برپا نہ ہو۔ اس کا نام عبد اللہ کنیت ابو محمد اور لقب مہدی باللہ تھا۔ جن شعرا نے مہدی کے انتقال پر مرثیے کہے ان میں مشہور سعدون الورجیلی کا مرثیہ ہے۔[۱] مہدی کے زمانے میں متعدد داعی تھے جنھوں نے دعوت اسمٰعیلیہ کی ترقی میں نمایاں حصہ لیا۔ روم کے شہروں میں بھی یہ تبلیغ کے لیے جایا کرتے تھے۔ بعض داعی عورتوں کی تعلیم کے لیے مخصوص تھے۔ ان کی تصانیف کا ذکر داعی ادریس نے کیا ہے۔[۲] مقریزی کہتا ہے کہ "مہدی خلفائے بنی عباس میں سے سفاح کے مانند تھا۔ جس طرح سفاح حمیمہ (شام) سے بنو امیہ کی خلافت پر غلبہ حاصل کرتا ہوا نکلا جب کہ تلوار سے خون کے خطرے ٹپک رہے تھے۔ اور جو طرف جاسوس جاسوسی کر رہے تھے۔ اور ابو سلمہ خلال اس کی تائید میں مصروف تھا۔ اسی طرح عبد اللہ مہدی سلمیہ (شام) سے نکلا جب کہ جاسوس اس کی تاک میں لگے ہوئے تھے۔ اور ابو عبد اللہ شیعی اس کی دولت کی تمہید میں مشغول تھا۔ ان میں سے ہر ایک نے اپنا مقصد حاصل کیا اور اپنی دعوت قایم کرنے والے کو قتل کیا۔"[۳]

---

۱ - عیون الاخبار ۵/۱۵۰ - ۲ - عیون الاخبار ۵/۱۸۶

۳ - اتعاظ الحنفاء ۴۴ -
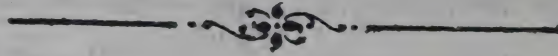
فصل (۱۲)

ابو القاسم محمد القائم بامر اللہ

۳۲۲ - ۳۳۴

ولادت ۲۷۵ھ　　آغاز حکومت ۳۲۲ھ　　وفات ۱۳ شوال ۳۳۴ھ

مہدی کے انتقال کے بعد اس کا بیٹا ابو القاسم محمد امام ہوا - اس نے قائم بامر اللہ کا لقب اختیار کیا - حکومت کے وقت اس کی عمر ۴۷ سال کی تھی - اس کو اپنے باپ کی موت کا بہت صدمہ ہوا - یہاں تک کہ کہا جاتا ہے کہ اس کی باقی ماندہ زندگی میں صرف دو مرتبہ وہ سوار ہو کر اپنے محل سے باہر نکلا[1] - اس کی پیدائش شہر سلمیہ (شام) میں ۲۷۵ھ میں ہوئی - گو اس کا اصلی نام محمد تھا اور بلادِ مغرب میں یہ اسی نام سے

[1] - ابن خلدون ۴/۴

ماخوذ از "الفاطميون فى مصر" مقابل صفحه (١٠٤)
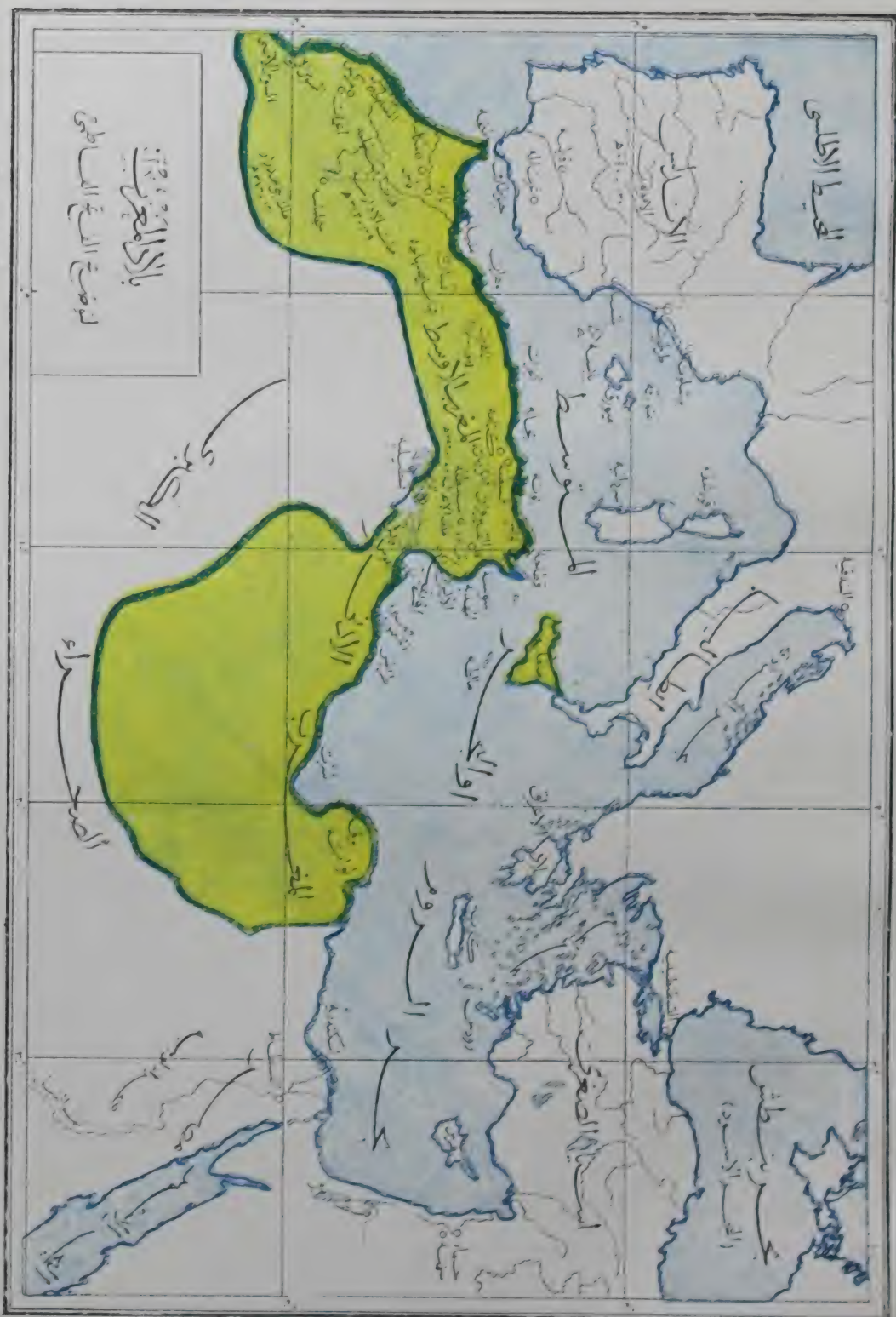
پکارا جاتا تھا۔ لیکن بلادِ مشرق میں اس کو عبدالرحمٰن کہتے تھے۔ یہ واقعہ اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ بنو فاطمہ خصوصاً اسمٰعیلی اپنے آپ کو پبلک سے کس قدر چھپاتے تھے۔ ان کو اپنی جانوں کا کتنا خوف تھا۔ یہاں تک کہ اپنے مخالفین کے شہروں میں اپنے اصلی نام بھی ظاہر نہ ہونے دیتے تھے تاکہ ان کے تجسس سے نجات پائیں۔ یہی وجہ ہے جس کے سبب سے ان کے ناموں میں مورخین نے اتنا اختلاف کیا ہے۔ اس کے متعلق ہم نے کافی طور پر اس سے بیشتر بحث کی ہے۔[۱]

ابن طالوت قرشی کا فتنہ

قائم کے ابتدائی زمانے میں ایک عراقی کاتب نامی ابن طالوت قرشی نے یہ دعویٰ کیا کہ میں مہدی کا لڑکا ہوں۔ شروع میں بربریوں کی ایک جماعت اس کے ساتھ ہوگئی اور اس نے ان کی مدد سے شہر طرابلس کا محاصرہ بھی کیا۔ لیکن جب انھیں یہ معلوم ہوا کہ اس کا دعویٰ غلط ہے تو انھوں نے اُسے قتل کر دیا۔[۲]

روم سے لڑائی۔ بلدہ جنوہ پر قبضہ

۳۲۲ھ میں یعقوب بن اسحٰق تمیمی ایک بیڑہ لے کر سواحل روم کو روانہ ہوا۔ بلدہ جنوہ[۳] پر اس سے اور نصاریٰ سے لڑائی ہوئی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بلدۂ مذکور پر یعقوب کا قبضہ ہوگیا۔[۴] پھر جزیرۂ سردانیہ اور قرقیسا[۵] پر چڑھائی کی اور وہاں خوب لوٹ اور غارتگری کر کے ۳۲۳ھ میں واپس ہوا۔

بلادِ مغرب کی تسخیر

بلادِ مغرب میں ابھی بعض شہر ایسے رہ گئے تھے جو بنو فاطمہ کے قبضے میں نہیں آئے تھے۔ قائم نے اپنے صقلبی غلام میسور کو اس مہم پر روانہ کیا جس نے فاس (مغرب اقصیٰ) تک تمام شہر فتح کر لیے۔ کہا جاتا ہے کہ فاس بھی قبضے میں آگیا اور اس کا والی موسیٰ بن الافیع گرفتار کر لیا گیا۔[۶]

۱ھ۔ فصل (۶)　　۲ھ۔ افتتاح الدعوۃ ۲۶۸

۳ھ۔　　۴ھ۔ مقریزی $\frac{۲}{۱۶۳}$

۵ھ۔ شام کا ایک ساحلی مقام۔　　۶ھ۔ عیون الاخبار $\frac{۵}{۲۳۵}$

مصر پر تیسرا حملہ ۳۲۳ھ

قائم نے اپنے باپ مہدی کے زمانے میں دو دفعہ مصر پر چڑھائی کر کے اپنی مستعدی اور حسن قیادت کا ثبوت دیا تھا۔ لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ اب خود اپنے عہد میں مصر فتح کرنیکی کوشش کی۔ اس دفعہ اگرچہ اس کا غلام زیدان اسکندریہ کو مسخر کرنے میں کامیاب ہوا لیکن اخشید (حاکم مصر) کے بھائی عبیداللہ نے اس شہر کو پھر واپس لے لیا اور فاطمی لشکر کو مغرب کی طرف ہٹنے پر مجبور کیا۔[1]

ابو یزید خارجی کی بغاوت از ۳۳۳ھ تا ۳۳۵ھ

قوم بربر کے متعدد قبائل تھے مثلاً زناتہ۔ کتامہ۔ ہوارہ۔ زویلہ وغیرہ۔ ان میں سے مشہور کتامہ ہے جو بنو فاطمہ کا طرفدار تھا اور جس کی مدد سے ابو عبداللہ نے مغرب فتح کیا۔ عزیز کے زمانے تک اسی قبیلے سے ملکی خدمات کے لیے افسر منتخب کیے جاتے تھے۔ قبائل مذکورہ میں سے ایک قبیلہ دوسرے قبیلے کا حریف تھا خصوصاً قبیلہ کتامہ کو دوسرے قبائل حسد کی نظر سے دیکھتے تھے۔ اور جب موقع ملتا تو اس کی مخالفت کرتے تھے۔ چنانچہ ابو یزید خارجی کو جو زناتہ قبیلے سے تھا جب پوری قوت حاصل ہوگئی تو اس نے قائم کے خلاف بغاوت کرنی شروع کی اور قبیلہ کتامہ سے انتقام لینا چاہا۔

اس شخص کا نام مخلد بن کیداد ہے[2]۔ اس کا باپ قسطیلیہ کا رہنے والا تھا جو توزر کا ایک ضلع ہے۔ یہ ہمیشہ بلادِ سوڈان میں تجارت کی غرض سے آیا جایا کرتا تھا۔ جہاں ابو یزید پیدا ہوا۔ ابتدائی تعلیم کے بعد ابو یزید کو خوارج (صفریہ) سے میل جول پیدا کرنے کا زیادہ اتفاق ہوا۔ اسی وجہ سے وہ ان کے مذہب کی طرف مائل ہوگیا۔ یہ شخص اسلام کے دوسرے فرقوں کو کافر سمجھتا تھا۔ ان کو قتل کرنا اور ان کا مال لوٹ لینا جائز قرار دیتا تھا[3]۔ اصلاح مذہب کی غرض سے اس نے

---

[1] ابن خلدون ۴/۴۰

[2] قاضی نعمان بن محمد نے "افتتاح الدعوۃ" صفحہ ۲۶۹ میں لکھا ہے کہ میں نے اس باغی کے مفصل حالات ایک ضخیم کتاب میں قلمبند کیے ہیں۔ لیکن افسوس کہ یہ کتاب اب مفقود ہے۔

[3] ابن خلدون ۴/۴۰

۳۱۶ھ سے اپنے رفیق ابو عمار اعمی کیا۱ بن عبد الحمید کو ساتھ لے کر خوارج کے اصول کی تبلیغ شروع کی۔ لوگوں کو سمجھاتا تھا کہ خلافت کے قیام کے لیے اجماع ضروری ہے۔ اس کو نص و توقیف سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ تعلیم عرب اور افریقیہ کے باشندوں کی طبیعت کے موافق تھی۲۔ چونکہ ابو یزید خود زناتہ قبیلے سے تھا لہذا اس قبیلے میں اس کو زیادہ کامیابی حاصل ہوئی۔ اکثر زناتی لوگ اس کے پیرو ہو گئے۔ اور اس کو شیخ المومنین کہنے لگے۔ یہ بہت سادہ زندگی بسر کرتا تھا۔ اس کو "صاحب الحمار" بھی کہتے ہیں کیونکہ یہ اکثر گدھے پر سوار ہو کر نکلتا۔ اور لوگوں کو الناصر لدین اللہ (خلیفۂ اندلس) کی طرف دعوت کرتا تھا۔ آہستہ آہستہ اس کی قوت بڑھ گئی۔ اور اس کے پاس کافی لشکر جمع ہو گیا۔ اس کے اور قائم کے والیوں کے درمیان کئی لڑائیاں ہوئیں جن میں یہ اکثر کامیاب رہا۔ باغایہ۔ قسنطینہ۔ تبسہ کو فتح کرتا ہوا آگے بڑھا۔ اربس پر کتامیوں کا لشکر جمع تھا مگر وہ بھی اس کا مقابلہ نہ کر سکا۔ غرض کہ اربس پر بھی اس کا قبضہ ہو گیا۔ اس مقام کو آگ لگا دی گئی۔ جتنے آدمیوں نے اس کے جامع مسجد میں پناہ لی تھی وہ سب مار ڈالے گئے۳۔ سبتہ کو بھی اس نے فتح کر لیا اور اس کے عامل کو قتل کر دیا۔

قائم کی مدافعانہ کارروائی اور اس کی ناکامی رقادہ اور قیروان پر ابو یزید کا قبضہ۔

قائم نے اپنے شہروں کی حفاظت کے لیے اپنے دو غلاموں میسور اور بشری کو لشکر دے کر بھیجا تاکہ وہ ابو یزید کا مقابلہ کریں۔ پہلا رقادہ اور قیروان کی طرف اور دوسرا باجہ کی طرف روانہ ہوا۔ ابتدائے لڑائی میں ابو یزید کو باجہ سے فرار ہونا پڑا۔ مگر آخر میں اس کو کامیابی حاصل ہوئی۔ باجہ فتح کرنے کے بعد ابو یزید قیروان کو روانہ ہوا۔ یہاں میسور اور بشری دونوں نے اس کا مقابلہ کیا اس دفعہ بھی

۱ھ۔ کنار (عیون $\frac{۵}{۲۳۶}$)

۲ھ۔ فصل (۳۵) ب۔ عقائد اسمٰعیلیہ کی اصلیت۔

۳ھ۔ ابن خلدون $\frac{۴}{۴۱}$

ابو یزید کا لشکر بھاگ گیا اور تقریباً چار ہزار آدمی مارے گئے اور بہت سے قیدی گرفتار کر لیے گئے۔ مگر یہ شکست عارضی تھی۔ قیروان سے بھاگ کر ابو یزید رقادہ پہنچا۔ اس وقت یہاں کا والی خلیل بن اسحٰق تھا جو میسور کے لشکر کا انتظار کر رہا تھا۔ رقادہ کی لڑائی میں قائم کی فوج شکست کھا گئی اور خود میسور قتل ہوا۔ اس کے بعد ابو یزید قیروان کی طرف بڑھا اور اس پر بھی قبضہ کر لیا۔

مہدیہ کا محاصرہ

رقادہ اور قیروان کے ہاتھ سے نکل جانے کے بعد قائم کو مہدیہ میں پناہ لینی پڑی۔ ابو یزید اپنی پیشقدمی میں اتنا کامیاب ہوا کہ ۳۳۴ھ میں اس نے مہدیہ کا محاصرہ کر لیا۔ اس کے اور مہدیہ کے درمیان مہدی کی پیشین گوئی کے موافق جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے[1] اتنا فاصلہ رہ گیا تھا کہ ایک تیر پہنچ سکے۔ مہدیہ کے اکثر باشندے شہر چھوڑ کر چلے گئے اور صرف قائم کی فوج اندر رہ گئی۔ محاصرے کی وجہ سے باہر سے جو غلہ اور سامان رسد آتا تھا بند ہو گیا۔ فوج بھوکوں مرنے لگی۔ مردار کھانے کی نوبت آئی۔ قائم نے ان مخزنوں کو کھولنے کا حکم دیا جن کو مہدی نے اپنی دور اندیشی سے تیار کروایا تھا۔ اور جن میں کافی غلہ اور ضروریات زندگی فراہم کیے گئے تھے۔ یہ مخزن بہت مفید ثابت ہوئے۔ اگر یہ نہ ہوتے تو قائم کی فوج بھوک سے ہلاک ہو جاتی اور ابو یزید مہدیہ پر بھی قبضہ کر لیتا۔ مہدیہ کو بچانے کے لیے قائم نے زیری بن مناد صنہاجی اور دوسرے کتامی سرداروں سے مدد چاہی اور یہ لوگ متفق ہو کر قائم کی مدد پر آمادہ ہو گئے۔

ابو یزید کی شکست کی ابتداء اور اس کا مہدیہ چھوڑ کر سوسہ کی طرف روانہ ہونا

ابو یزید نے مہدیہ کو فتح کرنے کی متعدد کوششیں کیں۔ مگر کامیاب نہ ہو سکا۔ آخر کار اس کو مہدیہ کے محاصرے سے دست بردار ہونا پڑا۔ اس کے دو سبب تھے۔ پہلا تو یہ کہ خود ابو یزید کے بعض پیرو کسی خانگی عداوت کی وجہ سے قائم کی طرف ہو گئے اور ابو یزید سے لڑنے لگے[2]۔ دوسرا سبب یہ تھا کہ ابو یزید کے اخلاق میں ایک زبردست انقلاب

---

[1] فصل ۱۱ (شہر مہدیہ کی بنا)
[2] ابن الاثیر ۸/۱۶۸

پیدا ہوگیا۔ اس کی طبیعت تعیش کی طرف مائل ہوگئی۔ وہ محرمات شرعیہ کا علانیہ ارتکاب کرنے لگا۔[1] بربر آہستہ آہستہ اس سے منحرف ہوگئے۔ سوائے بنی کملان۔ بنی ہوارہ اور اہل اوراس[2] کے کوئی اس کے ساتھ باقی نہ رہا۔ اس کی قوت کمزور ہوگئی۔ مجبوراً اُسے مہدیہ کا محاصرہ اٹھا کر قیروان کو واپس جانا پڑا۔ قائم کے لشکر کو اپنے دشمن کے تعاقب کا اچھا موقع ملا۔ سختی سے اس نے ان کا پیچھا کیا۔ قیروان کے لوگوں نے جب یہ محسوس کیا کہ ابویزید اور اس کے پیرو کے اخلاق بگڑ گئے ہیں اور وہ فساد پر آمادہ ہوگئے ہیں تو وہ پھر قائم کی طرف رجوع ہوگئے اور اس کی اطاعت قبول کرلی۔ میلہ سے علی بن حمدون بھی لشکر لے کر پہنچا۔ اس نے اور دوسرے کتامی سرداروں نے مل کر جان توڑ کوشش کی اور پورے تونس کو ابویزید کے قبضے سے چھڑا لیا۔ کچھ عرصے کے بعد ابویزید سوسہ[3] گیا اور اس شہر کا محاصرہ کیا۔ دورانِ محاصرہ ہی میں قائم کا انتقال ہوا۔

قائم کا انتقال

قائم نے بتاریخ ۱۳ شوال ۳۳۴ھ میں وفات پائی۔ وفات سے پیشتر اس نے اپنے لڑکے منصور پر نص کی اور اُسے اپنا جانشین قرار دیا۔ اس کی موت چھپائی گئی کیونکہ ابویزید کی بغاوت کا زور ابھی کافی طور پر ٹوٹا نہیں تھا اور وہ سوسہ کا محاصرہ کیے ہوئے تھا۔[4]

قائم ایک دلیر جنرل تھا۔ اس نے اپنے والد ہی کے زمانے میں سیاسی اور جنگی معاملات میں نمایاں حصہ لیا تھا۔ مصر پر حملہ۔ خوارج کی تسخیر اور محمدیہ کی بنا اس کی دلیری اور سیاسی قابلیت کا کافی ثبوت دیتے ہیں۔

---

[1] ۔ ابن خلدون $\frac{۴}{۴۲}$

[2] ۔ افریقیہ میں ایک مشہور پہاڑ کا نام ہے۔

[3] ۔ سوسہ سے قیروان تقریباً (۳۶) میل ہے (معجم البلدان $\frac{۳}{۱۹۱}$)

[4] ۔ ابن خلکان $\frac{۱}{۷۷}$

ابویزید خارجی کی شکست کی ابتدا اسی کی حسن تدبیر پر منحصر تھی - اگرچہ وہ بعض اوقات نرمی سے پیش آتا تھا لیکن شیعی عقائد کی پابندی میں وہ بہت سخت تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ ابوطاہر قرمطی سے ملا ہوا تھا۔ اور اسی کے حکم سے بحرین اور ہجر کی مسجدیں اور کلام مجید کے نسخے جلا دیے گئے[1]۔ اس عہد کے قاضیوں اور شاعروں کے لیے ملاحظہ ہو[2]۔

---

[1] - Wustenfeld. P. 86

[2] - اتعاظ الحنفاء ۵۵ اور افتتاح الدعوۃ ۲۶۹ -

فصل (۱۳)

ابو طاہر اسمٰعیل المنصور باللہ

۳۳۴ - ۳۴۱

ولادت ۳۰۲ھ　　آغاز حکومت ۳۳۴ھ　　وفات ۲۸ شوال ۳۴۱ھ

ابو یزید کی بغاوت کا خاتمہ

منصور نے حکومت حاصل کرتے ہی یہ کوشش کی کہ ابو یزید کی بغاوت کا خاتمہ جہاں تک ہو سکے جلد کر دیا جائے۔ قائم کے انتقال کے وقت ابو یزید سوسہ کا محاصرہ کیے ہوئے تھا جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے۔ چونکہ یہ ساحلی مقام تھا لہذا منصور نے ایک زبردست جنگی بیڑہ رشیق کاتب اور یعقوب بن اسحٰق کی سرکردگی میں اس مقام کو روانہ کیا اور خود بھی اپنے غلام جوذر کو مہدیہ پر والی مقرر کر کے جنگ کے لیے نکلا۔ اس بیڑے کے لئے سامان جنگ۔ رسد وغیرہ کافی طور پر مہیا کیا گیا تھا۔ ابو یزید اس کا مقابلہ نہ کر سکا اور قیروان کو بھاگ گیا۔ یہاں کے لوگوں نے اس کو شہر میں داخل ہونے نہ دیا۔ وہ سبتہ کی طرف بھاگا۔ منصور نے قیروان کے باشندوں کو امان دی اور ابو یزید کے بال بچوں کی نگہداشت کی اور اُن کی تنخواہیں جاری کیں۔

ابو یزید پھر قیروان واپس ہوا اور کوشش کی کہ منصور کے لشکر کا مقابلہ

کرے۔ فریقین میں کئی لڑائیاں ہوئیں۔ کبھی ایک غالب آتا تھا کبھی دوسرا۔ ۳۳۵ھ میں منصور نے ایک بڑا لشکر تیار کیا اور بہت معقول طور پر اُسے ترتیب دی۔ بربر کو میمنہ پر کتامیوں کو میسرہ پر اور خود اپنے ساتھیوں کے ہمراہ قلب میں ٹھیرا اور اپنے سارے لشکر کو لے کر ابویزید پر ٹوٹ پڑا۔ اس نے اس موقع پر غیر معمولی شجاعت دکھائی اور خود بھی لڑائی میں حصہ لیا۔[۱] ابویزید شکست کھا کر اقصائے مغرب کی طرف بھاگ نکلا۔ یہ جنگ بہت خوں ریز تھی اور تقریباً سال بھر تک جاری رہی۔ کہا جاتا ہے کہ اس لڑائی میں مقتولوں کے سروں کی تعداد جو قیروان کے بچوں کے ہاتھوں میں نظر آتے تھے تقریباً دس ہزار تھی۔[۲] اس موقع پر جن سرداروں نے منصور کی حمایت کی ان میں زیری بن مُناد قابل ذکر ہے۔ یہ صنہاجہ قبیلے کا سردار تھا۔ اور یہی سرداران بنو بادیس کا جد اعلیٰ ہے جنھوں نے خلیفہ حاکم کے زمانے میں استقلال حاصل کیا۔ بہر حال اس لڑائی کے بعد ابویزید کی قوت بہت کم ہوگئی اس کے ساتھی مثلاً بنو کملان اور بنو ہوارہ اس سے علیحدہ ہو کر منصور سے مل گئے۔ چنانچہ محمد بن خزر نے جو مغراوہ کا امیر تھا منصور کی اطاعت قبول کر لی۔ یہ امیر منصور کے ساتھ ہو کر ابویزید کا مخالف ہوگیا اور اس کا سراغ لگانے میں مصروف ہوا۔ ابویزید کچھ مدت تک روپوش رہا۔ اس کے بعد وہ بنی برزال کو ساتھ لے کر پھر منصور کے لشکر کا مقابلہ کرنے پر آمادہ ہوا۔ جبال کتامہ میں متعدد جنگیں ہوئیں۔ آخر میں قلعہ کتامہ پر ایک فیصلہ کن لڑائی ہوئی۔ جس میں ابویزید زخمی ہو کر گرفتار ہوا۔ بجائے قتل کرنے کے منصور نے اس کو قید کر دیا۔ کچھ عرصے کے بعد محرم ۳۳۶ھ میں اس نے اپنے زخموں کی وجہ سے قید خانے میں وفات پائی۔ منصور اس موقع پر شکر کا سجدہ بجا لایا اور دوسرے مخالفین کو عبرت دلانے کی غرض سے ابویزید کے جسم کی کھال کھنچوائی اور اس میں گھاس بھروا کر اس کا ایک ڈھانچہ تیار کروایا۔ یہ ڈھانچہ ایک پنجرے میں رکھا گیا جس میں دو بندر چھوڑے گئے تاکہ وہ اس ڈھانچے سے کھیلیں۔[۳] ابویزید کی بغاوت تقریباً

۱ھ۔ ابن الاثیر ۸/۱۷۱
۲ھ۔ ابن خلدون ۴/۴۳
۳ھ۔ ابن الاثیر ۸/۱۷۲
۴ھ۔ عیون الاخبار ۵/۲۴۱

بیس ماہ تک جاری رہی[1]۔ اس کے اختتام پر منصور نے از سر نو اپنے شہروں کا انتظام کیا۔ امان کے فرمان جاری کیے۔ ابو یزید کے اہل و اقارب سے اچھا سلوک کیا۔ گو ابو یزید کے قید ہونے کے بعد اس کے بیٹے فضل نے معبد بن خزر سے مل کر پھر فتنہ برپا کرنے کی کوشش کی۔ مگر اس کو کچھ کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ عرصے تک یہ دونوں منصور کی مخالفت کرتے رہے آخر میں گرفتار ہوئے اور ۳۴۱ھ میں قتل کر دیے گئے[2]۔

خارجی رہنماؤں میں ابو یزید جیسا شاید ہی کوئی دلیر، جواں مرد اور مستقل مزاج پیدا ہوا ہو۔ مہدیہ اور سوسہ کے محاصرے اس وصف کا کافی ثبوت دیتے ہیں۔ دوسرے مقامات پر بھی اس نے بار بار منصور کی فوجوں کا مقابلہ کیا۔ شکست پر شکست کھانے کے باوجود ہمت نہ ہاری۔ آخر میں گرفتار بھی ہوا تو مجبور ہو کر۔ ایک چٹان سے اس کا پاؤں پھسل گیا اور اُسے سخت چوٹ آئی۔ گرفتاری کے وقت وہ زخموں سے چور چور ہو گیا تھا[3]۔ ورنہ اس کا گرفتار ہونا دشوار تھا۔ اگر یہ محرماتِ شرعیہ کا ارتکاب نہ کرتا اور اپنا پہلا سا زہد نہ چھوڑتا تو بہت ممکن تھا کہ یہ منصور پر غالب آتا اور دولت فاطمیہ کی بنیاد کو اسی وقت بلادِ مغرب سے اکھاڑ دیتا۔

حمید بن یصلتین کی بغاوت

ابو یزید کے بعد حمید بن یصلتین نے بغاوت کی اور اندلس کے خلیفۂ اموی کی طرف دعوت کرنے لگا۔ ۳۳۶ھ میں اس نے تاہرت کا محاصرہ کیا۔ منصور خود اس کے مقابلے کے لیے نکلا۔ اس کے ساتھ زیری بن مناد بھی جو قبیلۂ صنہاجہ کا سردار تھا روانہ ہوا۔ منصور اور زیری نے حمید کو شکست دی اور اس کو تاہرت سے ہٹا کر اسکی جگہ یعلیٰ بن محمد الیفرنی کو مقرر کیا۔ زیری بن مناد کی کوشش کے صلے میں منصور نے اُسے اپنی قوم کا سردار مقرر کیا اور خلعت عنایت کیا۔ اس کے بعد لواتہ سے لڑائی ہوئی۔ یہ قبیلہ شکست کھا کر بھاگ گیا۔

---

[1] - افتتاح الدعوة ۲۷۰ - [2] - باطیط بن یعلیٰ نے دھوکے سے اس کو قتل کر ڈالا۔ (ابن خلدون ۴/۴۴)

[3] - ابن خلدون ۴/۴۴

صقلیہ پر امیر حسن بن علی کلبی کا تقرر

مہدی اور قائم کے عہد تک توصقلیہ میں کوئی اندرونی فساد رونما نہ ہوا منصور کے ابتدائی زمانے میں یہاں کے عہدہ دار آپس میں لڑنے لگے جس کی وجہ سے ملک شورشوں اور انقلابوں میں گھر گیا۔ جب منصور کو یہ خبر پہنچی تو اس نے ۳۳۷ھ میں امیر حسن بن علی کو صقلیہ کا والی مقرر کیا اس کے حسن انتظام سے صقلیہ کا بہترین اور مبارک ترین عہد شروع ہوا۔ یہ والی بنو کلب سے تعلق رکھتا تھا جو عرب میں ایک نہایت نمایاں اور مشہور خاندان ہے۔ اس کے عہد میں صقلیہ نے تہذیب و تمدن کے ہر شعبے میں نمایاں ترقی کی جسے نارمنوں نے جاری رکھا اور جسے فریڈرک ثانی نے ایک خاص سانچے میں ڈھالا۔ اس والی نے اپنی دانشمندی اور مصلحت اندیشی سے عربوں اور بربریوں کے درمیان اتحاد کے ذریعے پیدا کیے۔ اور ایک باضابطہ حکومت کی بنیاد استوار کرنے کی کوشش کی۔ بنو فاطمہ کو بھی جب کبھی نئے والی کی ضرورت ہوتی تو وہ خاندان مذکور ہی سے کسی کا انتخاب کرتے اور اُسے یقین دلاتے کہ اس کا خودمختارانہ رویہ قابلِ اعتراض نہیں ہے۔ اسی وجہ سے ابن خلدون نے امراء بنی کلب کے ذکر میں اس طرح لکھا ہے:۔

"اخبار دولۃ بنی ابی الحسن الکلبیین من العرب المستبدین بدعوۃ العبیدیین"[1]

بہر حال حسن بن علی ہر لحاظ سے خودمختار تھا خصوصاً اُس وقت جب کہ بنو فاطمہ کا مرکز ثقل مصر کی طرف منتقل ہو رہا تھا۔ اس لحاظ سے خلیفہ کا امیر اب لازمی طور پر امیر قیروان کے مقابلے میں توازن قوت کے لیے زیادہ اہم حیثیت رکھتا تھا۔ اس کے علاوہ بنو فاطمہ کی خارجی سیاسات میں بھی صقلیہ نے مدتوں تک ایک نمایاں حصہ لیا۔ خصوصاً اس لحاظ سے کہ اُس وقت مشرقی بحیرہ روم میں بنو فاطمہ اسلامی سطوت و قوت کے سب سے بڑے نمائندے تھے اور غلبہ حاصل کرنے کے لیے رومیوں (بازنطینیوں) سے مسلسل لڑتے رہے۔[2]

---

[1] ۔ ابن خلدون $\frac{4}{207}$

[2] ۔ Baker's Islam Studien جلد اول (مترجم پروفیسر جمیل الرحمٰن صاحب۔ پروفیسر اسلامی تاریخ ۔ از پرچہ سیاست اپریل ۱۹۳۱ء)

منصور کی وفات اور سیرت

منصور نے سات سال کی حکومت کے بعد بتاریخ ۲۹ شوال ۳۴۱ھ سردی کے عارضے سے وفات پائی۔ ایک دفعہ اُسنے سردی کھائی، پھر وہ حمام میں داخل ہوا حالانکہ اس کے طبیب اسحٰق بن سلیمان اسرائیلی نے اسے روکا۔ مگر اس نے نہ مانا۔ یہ حکمران دلیر اور مستقل مزاج تھا۔ اس کی حسنِ تدبیر اور سیاست دانی کی وجہ سے ابو یزید کی بغاوت کا خاتمہ ہوا۔ ورنہ یہ بغاوت ایسی زبردست تھی کہ خلافتِ فاطمیہ کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیتی۔ بذل و عطا اور سختی کے موقع پر سختی سے کام لینا اس کی بڑی خصوصیت تھی[1]۔ اس کے علاوہ وہ بڑا فصیح اور بلیغ تھا۔ برجستہ خطبہ پڑھتا تھا[2]۔ آثار قدیمہ سے اسے خاص دلچسپی تھی۔ ایک دفعہ جب وہ تاہرت سے قیروان واپس ہو رہا تھا اس کا گذر چند پرانی عمارتوں کے قریب سے ہوا۔ ایک پتھر پر کچھ تحریر نظر آئی جو اجنبی زبان میں تھی۔ منصور نے ترجمان کو بلا کر اس کا مطلب دریافت کیا جس کا خلاصہ یہ تھا "میں سلیمان السر دغوس ہوں۔ اس شہر کے لوگوں نے بادشاہ سے بغاوت کی۔ اس نے مجھے مقابلے کے لیے بھیجا۔ اللہ نے مجھے ان پر فتح بخشی[3]۔ منصور کا مولد قیروان اور مدفن مہدیہ ہے۔ اس منصور فاطمی کا مقابلہ عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور سے کیا جاتا ہے۔ کیونکہ دونوں کی حکومتوں میں بغاوتیں ہوئیں۔ اور قریب تھا کہ حکومت ان کے ہاتھوں سے نکل جائے۔ لیکن آخر کار دونوں کو فتح و نصرت نصیب ہوئی[4]۔

لہ S. Lane — Poole, p. 98.

سلہ ابن خلکان $\frac{1}{77}$

سلہ ابن خلدون $\frac{4}{45}$

کلہ اتعاظ الحنفاء ۵۴

فصل (۱۴)

ابو تمیم معد المعز لدین اللہ

۳۴۱ - ۳۶۵

ولادت ۲۱ر رمضان ۳۱۹ھ آغاز حکومت ۷ر ذی الحجہ ۳۴۱ھ وفات ۱۱ر ربیع الآخر ۳۶۵ھ

اس خلیفہ کا نام معد اور لقب معز لدین اللہ تھا۔ ۲۸ر شوال ۳۴۱ھ کو اس کے والد منصور کا انتقال ہوا۔ اس سے پہلے ہی اس پر نص ہو گئی تھی اور لوگوں سے بیعت لی گئی تھی۔ تقریباً ڈھائی مہینے منصور کے انتقال کی خبر چھپائی گئی[1]۔ ۷ر ذی الحجہ ۳۴۱ھ کو معز کے ہاتھ پر بیعت کی تجدید کی گئی۔ اس حاکم سے دولتِ فاطمیہ کی ترقی کا نیا دور شروع ہوتا ہے۔ گذشتہ چار حکام کے زمانے میں حکومت صرف مغرب ہی میں محدود رہی۔ یہ اپنے دائرۂ حکومت کو بڑھا نہ سکے۔ مگر معز نے مصر اور شام پر بھی قبضہ کیا۔ مغرب کے تمام شہر بھی

---

[1] - ابن خلکان ۲/۱۰۱ - داعی ادریس کی روایت ہے کہ آخر شوال سے لے کر ۱۰ر ذی الحجہ تک منصور کے موت کی خبر چھپائی گئی۔ (عیون الاخبار ۶/۱)

سوائے سبتہ کے اس کی حکومت میں شامل ہو گئے اور ان کا انتظام بخوبی انجام پایا۔ نہ صرف توسیع حکومت کے لحاظ سے اس کی حکومت ستایش کے قابل ہے بلکہ اشاعت علوم و فنون کے نقطۂ نظر سے بھی اُسے فخر حاصل ہے۔ اسی کے زمانے میں قاضی القضاۃ نعمان بن محمد گذرے ہیں جو علوم فقہ۔ حدیث۔ تاریخ۔ حجت۔ اور سیرت میں بہت بلند مرتبہ رکھتے تھے۔ ان کی تصنیفوں کی تفصیل ہم آئندہ لکھیں گے[1]۔ شعراء میں ابن ہانی اندلسی نے وہ شہرت حاصل کی کہ متنبئ المغرب کے نام سے مشہور ہو گیا[2]۔ غرض معز کا زمانہ دولت فاطمیہ میں بہت شاندار گذرا ہے۔

بربر کے رئیسوں کے ساتھ معز کا فیاضانہ سلوک۔ ان کے نام اور علاقے

جبل اَوراس ایسا محفوظ مقام تھا جہاں حکومت کے باغی پناہ لیتے تھے۔ چنانچہ بنو کملان اور ملیلہ جن کا تعلق ہوّارہ سے تھا یہیں رہا کرتے تھے۔ ان دو قبیلوں نے گذشتہ خلفاء کی طاعت قبول نہیں کی تھی مگر معز ۳۴۲ھ میں خود لشکر لے کر اُن کی طرف روانہ ہوا اور ان کو اپنا مطیع بنا لیا اور ان سے بہت فیاضانہ سلوک کیا۔ امیر محمد بن خزر نے بھی اپنے بھائی معبد کے قتل کے بعد امان طلب کی۔ معز نے اس کو امان بخشی اور جاہ و دولت سے سرفراز کیا۔ بعض بربری قبیلے جو برگشتہ تھے ان کی تالیف کے لیے مُونس خادم بھیجا گیا۔ اس نے ان تمام قبائل کو معز کی طاعت پر آمادہ کیا۔ اس کے بعد معز نے زیری بن مناد کو طلب کر کے اس کو خاص عزت بخشی۔ غرض کہ اس کے زمانے میں کوئی والی ایسا نہ رہا جو اس کے زیر اثر نہ آگیا ہو۔ مغرب کی حکومت کے علاقے اور ان کے والیوں کے نام حسب ذیل تھے۔

(۱) تاہرت اور افکان پر یعلی بن محمد یفرنی (۲) اَشیر اور اس کے اعمال پر زیری بن مُناد صنہاجی (۳) مسیلہ اور اس کے اعمال پر جعفر بن علی اندلسی

[1] فصل ۲۹۔ [2] فصل ۲۹۔

(۴) باغایہ اور اس کے اعمال پر قیصر صقلی (۵) فاس پر احمد بن بکر بن ابوسہل جذامی (۶) سجلماسہ پر محمد بن فتح بن واسول مکناسی (۷) طرابلس پر مظفر۔

اندلس پر حملہ کرنے کی کوشش

۳۴۳ھ میں حسن بن علی والی صقلیہ نے معز کے حکم سے اندلس پر حملہ کرنے کی کوشش کی۔ المیریہ تباہ کر دیا گیا۔ اور کئی اندلسی گرفتار کر لیے گئے اس کے انتقام میں خلیفہ اندلس الناصر لدین اللہ نے غالب کو ستر جنگی جہاز کے ساتھ سواحلِ مغرب کی طرف روانہ کیا۔ غالب نے مرسی الخزر کو جلا دیا اور سوسہ اور طبرقہ کے اطراف و اکناف برباد کر دیے۔

مغرب اقصیٰ کے والیوں کا انحراف اور ان کا مغرب سے اخراج

۳۴۷ھ میں معز کو یہ خبر ملی کہ مغرب اقصیٰ کے لوگ اس سے پھر گئے۔ تاہرت اور افکان کے سردار یعلی بن یفرنی نے حاکم اندلس کی طرف دعوت کرنی شروع کی۔ اس کے مقابلے کے لیے معز نے اپنے کاتب جوہر صقلی کو جعفر بن علی اور زیری بن مناد کے ساتھ مغرب اقصیٰ کی طرف روانہ کیا۔ کتامیوں نے یعلی کو قتل کر کے اس کے بیٹے یدو کو گرفتار کر لیا۔ افکان ویران کر دیا گیا اور تاہرت کا علاقہ زیری بن مناد کے سپرد کیا گیا۔ اس کے بعد جوہر فاس کی طرف روانہ ہوا جہاں کا والی احمد بن بکر جذامی بھی معز کا مخالف ہو گیا تھا۔ جوہر نے متعدد حملوں کے بعد زیری بن مناد کی مدد سے ۳۴۸ھ میں اس کو شکست دے کر فاس پر قبضہ کر لیا آخر میں جوہر نے سجلماسہ کا رخ کیا۔ یہاں کے والی محمد بن فتح بن واسول نے بھی خود مختار ہو کر امیر المومنین الشاکر باللہ کا لقب اختیار کر لیا تھا اور اپنے نام کے سکے بھی ڈھلوائے تھے۔ یہ والی جوہر کی روانگی کی خبر سنتے ہی بھاگ گیا۔ جوہر نے اس کی جگہ اس کے چچیرے بھائی ابن معتز کو مقرر کیا۔ غرض کہ جوہر نے تمام بنو امیہ کے طرفداروں کو مغرب اقصیٰ سے نکال کر اُن کی جگہ بنو فاطمہ کے عُمّال کو مقرر کیا۔ اور بڑی کامیابی کے ساتھ قیروان واپس ہوا۔ واپس ہوتے وقت فاس اور سجلماسہ کے والیوں کو گرفتار کر کے اپنے ساتھ لایا

اور معز کے روبرو پیش کیا۔ اس کامیابی پر قیروان میں بڑی خوشی منائی گئی۔ ابتدا افریقیہ سے بحر محیط تک سوائے سبتہ[1] کے کوئی شہر ایسا باقی نہ رہا جس میں معز کے نام کا خطبہ نہ پڑھا گیا ہو[2] جوہر کا بحر محیط کی مچھلیوں کا تحفہ اسی فتح کی طرف اشارہ تھا قیصر صقلی والی باغایہ بھی استبداد کے جرم میں قتل کر دیا گیا۔ اس کے ساتھی مظفر والی طرابلس کا بھی جو معز کا معلم تھا یہی حشر ہوا۔ اس نے ایک دفعہ معز کو برا بھلا کہا تھا۔ معز کے باپ منصور کے دربار میں ان دونوں کی بڑی عزت تھی۔

مجاز کی لڑائی اور طرمین اور رمطہ پر قبضہ

صقلیہ کے اکثر شہروں پر بنو فاطمہ کا قبضہ ہو گیا تھا جیسا کہ ہم نے مہدی کے حالات میں بیان کیا ہے۔ اس جزیرے کے بعض قلعے ایسے بھی تھے جو نصاری (روم) کے قبضے میں تھے۔ یہ قلعے ساحل بحر پر واقع تھے۔ ان میں سے قلعۂ طرمین کو والی صقلیہ احمد بن حسن بن علی بن ابو الحسن نے ۳۵۱ھ میں فتح کیا۔ اور اس کا نام معز کے لقب کی مناسبت سے معزیہ رکھا۔ اس کے بعد احمد نے رمطہ کا محاصرہ کیا۔ نصاری نے اپنے بادشاہ سے مدد چاہی۔ اس نے بری اور بحری فوجیں ان کی مدد کے لیے رمطہ کو روانہ کیں۔ مسینی[3] پہنچ کر ان فوجوں نے مسلمانوں کا مقابلہ کیا فریقین میں سخت لڑائی ہوئی۔ جس میں نصاری کے بڑے بڑے سردار مارے گئے یہاں تک کہ ان کا سپہ سالار بھی قتل ہو گیا۔ اور ان کو زبردست شکست ہوئی۔ ان کے اور مسلمانوں کے درمیان ایک خندق حائل تھی۔ مسلمانوں نے اس کو عبور کر کے نصاری کے کئی جنگی جہاز ڈبو دیے۔ اور رمطہ پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد دوسرے اور شہروں پر حملہ کیا اور بہت سامان و اسباب لوٹ لیا آخر میں روم (بازنطینیوں) کو جزیے پر صلح کرنی پڑی۔ یہ ۳۵۴ھ کا واقعہ ہے۔

---

[1] مغرب اقصی کا صدر مقام (ادریسی ۷۹)۔ [2] ابن خلکان $\frac{2}{102}$

[3] مسینی (بکسر نون) ایک چھوٹا شہر جو صقلیہ کے ساحل پر واقع ہے (معجم البلدان $\frac{4}{535}$)

چونکہ مسلمانوں نے اس میں خندق یا دریا کو عبور کیا تھا اس لیے یہ "واقعۂ مجاز" کے نام سے مشہور ہے۔[۱]

صقلیہ کا عروج کلبی امراء کے عہد میں کلبی خاندان کے امراء نے خود مختارانہ حیثیت سے ۳۳۷ھ سے ۴۶۴ھ تک صقلیہ پر حکومت کی۔ ان کے عہد حکومت میں قلوریہ اور اپلویہ میں نئے سرے سے لڑائیاں شروع ہوئیں۔ اور بازنطینیوں نے صقلیہ میں فوجیں اتارنے کی کوشش کی۔ ۳۵۴ھ میں مسینا کے قریب رومی بیڑہ پورے طور پر تباہ ہوگیا۔ چونکہ اس وقت بنو فاطمہ مصر کی فتح کی تیاری کر رہے تھے اس لیے انھوں نے بازنطینیوں کے ساتھ صلح کر لی۔ لیکن کچھ عرصے کے بعد یہ صلح ختم ہوگئی اور ۳۸۰ھ اور ۴۰۱ھ کے درمیان ہم پھر دیکھتے ہیں کہ کلبی امیر جنوبی ایطالیہ میں دوبارہ موجود ہیں۔ بہر حال صقلیہ کے باشندوں نے ان قابل امیروں کے تحت ایسی مرفہ الحالی اور فلاح و بہبود حاصل کی جس کی مثال مشکل سے ملتی ہے۔ ان امیروں کے عہد میں خوشحالی انتہا کو پہنچی۔ بلرم معمولی طور پر بغداد۔ قرطبہ اور قاہرہ کا مقابلہ کرتا تھا۔ لیکن یہ عروج کا زمانہ امیر یوسف ۳۸۹ھ تک رہا۔ یوسف کے بعد ہی زوال کے آثار شروع ہو گئے۔ صرع میں مبتلا ہو جانے کی وجہ سے یوسف حکومت کے قابل نہ رہا۔ اس کا بیٹا حالات پر قابو نہ پا سکا۔ عربوں اور بربریوں کے اختلافات کی آگ اندر ہی اندر سلگ رہی تھی۔ ملک کی اندرونی کمزوری کی وجہ سے صقلیہ بازنطینیوں کی بحری قوت کا مقابلہ نہ کر سکا نہ یہ کلبی خاندان بھی جو کلبی امراء کے بعد برسر اقتدار آیا صقلیہ کو تباہی سے نہ بچا سکا۔ ملک میں مختلف حکومتیں قائم ہوگئیں۔ سیاسی اتحاد کے مفقود ہونے سے طوائف الملوکی کا دور شروع ہو گیا۔ ۴۵۳ھ میں صقلیہ حکومت فاطمیہ سے بالکل نکل گیا جیسا کہ ہم عہد مستنصر میں بیان کریں گے۔ اس کے بعد وہاں کے عرب امراء کا کچھ اثر چند سال تک

---

[۱] ابن خلدون ۴/۲

باقی رہا۔ اس وقت نارمن برِ اعظم یورپ میں ایک زبردست سلطنت قائم کر چکے تھے۔ ۴۸۴ھ میں ان لوگوں نے صقلیہ کی فتح مکمل کی۔[۱]

فتح مصر ۳۵۸ھ

بنو فاطمہ کے قبضے سے پہلے مصر کی حالت اور مصر میں اُن کی کامیابی کے اسباب

مصر بنو فاطمہ کے قبضے میں آنے سے قبل بنو عباس کے زیرِ حکومت تھا۔ مگر خلافتِ عباسیہ کی کمزوری کی وجہ سے مصر کے سیاسی انتظامات میں بہت بڑا خلل پیدا ہو گیا تھا۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ یہ ملک محض برائے نام خلافت عباسیہ کا جز سمجھا جاتا تھا۔ صرف خطبے اور سکّے ہی کی حد تک ان کی حکومت محدود تھی۔ مصر بھی دوسرے صوبوں کی مانند جیسا کہ ہم نے عہد مہدی میں بیان کیا ہے قریب قریب خود مختار ہو گیا تھا۔ اس زمانے میں بختیار بن معز الدولہ (بُویہی) اور اسکے خالہ زاد بھائی عضد الدولہ بن رکن الدولہ کے درمیان بغداد میں لڑائیاں ہو رہی تھیں۔ جس سے معز کو یقین تھا کہ اگر مصر پر حملہ کیا جائے تو خلافت عباسیہ کی طرف سے کوئی مزاحمت نہ ہو گی۔

۳۳۵ھ میں اخشید[۲] محمد بن طغج والی مصر نے وفات پائی۔ اس کا بیٹا ابو القاسم انوجور جس کی عمر پندرہ سال کی تھی جانشین بنا۔ اس کم عمر لڑکے کی

---

[۱] (Baker's Islam Studien) جلد اول (مترجم پروفیسر جمیل الرحمٰن صاحب پروفیسر اسلامی تاریخ از پرچہ ریاست اپریل ۱۹۴۱ء)۔

[۲] "اخشید" محمد بن طغج کا لقب تھا۔ یہ شخص فرغانہ کا رہنے والا تھا۔ فرغانی زبان میں اخشید کے معنی بادشاہوں کا بادشاہ ہے۔

رہنمائی کے لیے ایک حبشی غلام کافور مقرر کیا گیا اور اس کو استاذ کا خطاب دیا گیا۔ اس غلام نے بڑی دانائی اور دانشمندی سے مصر پر حکومت کی۔ اسی نے سیف الدولہ کے حملے کو بڑی کامیابی سے روکا جس سے مصریوں کی نظروں میں اس کی وقعت بڑھ گئی۔ جمعہ کے خطبے میں اس کا نام لیا جانے لگا۔ ۳۴۹ھ میں انوجور نوجوانی ہی میں انتقال کر گیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کے اور کافور کے درمیان مخالفت پیدا ہو گئی تھی لہذا اس کو زہر دے دیا گیا۔ اس کے انتقال کے بعد کافور نے اس کے بھائی ابو الحسن علی کو اس کا جانشین مقرر کیا۔ اس کی عمر بھی ۲۳ سال کی تھی۔ اس حاکم کو ملکی معاملات میں حصہ لینے کی کوئی اجازت نہ تھی۔ اس کو صرف چالیس ہزار دینار پنشن کے طور پر دیے جاتے تھے۔ کافور نے عنانِ حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی۔ اور حکومت کے کاروبار بذات خود انجام دیتا تھا۔ کچھ عرصے کے بعد ابو الحسن علی کا بھی انتقال ہو گیا۔ اسی کے زمانے میں نصاریٰ (روم) نے حلب۔ المصیصہ۔ طرسوس وغیرہ پر قبضہ کر لیا تھا۔ اس کے بعد ایک مہینے تک مصر بغیر والی کے رہا۔ پھر کافور خود مصر کا والی بن گیا اور یہ ظاہر کیا کہ اسکو خلیفۂ بغداد سے حکومت کرنے کا فرمان ملا ہے اور کئی خلعتوں سے بھی سرفرازی ہوئی ہے[1]۔

کافور گو ایک حبشی غلام تھا لیکن اس نے جیسا کہ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں بہت خوبی سے مصر پر حکومت کی۔ رعیت کو اس کے زمانے میں امن نصیب ہوا اور لوگ بہت خوشحال رہے۔ اس نے مصر میں جو باغات لگائے تھے ان سے اس کی تہذیب و شائستگی پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ علم و ادب کا بھی اُسے بہت شوق تھا اور وہ علماء اور فضلاء کی بڑی قدر کرتا تھا۔ اس قدر دانی کی شہرت سن کر متنبی جیسا شاعر بھی اس کے دربار میں پہنچ گیا۔ گو اس کا مقصد پورا نہ ہوا لیکن کافور نے اس کی

---

[1] ابن خلکان $\frac{۲}{۳۳۱}$ ۔

بڑی عزت کی۔
بہر حال مصر میں کافور کی حکومت بہت کامیاب ثابت ہوئی۔
اس کی زندگی تک کسی دوسری حکومت کو اتنی جرأت نہ ہوئی کہ وہ مصر پر حملہ کرے۔ اسی وجہ سے معز کے داعی جو پوشیدہ طور پر مصر میں فاطمی تحریک کی اشاعت میں کوشاں تھے یہ کہتے تھے کہ "جب حجر اسود زائل ہوگا اس وقت ہمارے مولا معز لدین اللہ تمام زمین کے مالک ہوں گے۔ ہمارے اور تمہارے درمیان حجر اسود (یعنی کافور الاخشید) حائل ہے[1]"۔ ان داعیوں میں مشہور ابو جعفر بن نصر ہے جس نے امیر شام حسن بن عبید اللہ بن طغج کی طرف سے معز کو فتح مصر کی ترغیب دلائی تھی۔ معز حسن کو اپنا بیٹا کہتا تھا[2]۔ کافور کی وفات کے بعد جو ۳۵۷ھ میں واقع ہوئی مصر کی حالت بہت ابتر ہوگئی۔
حسب دستور مصریوں نے اس بات پر اتفاق کیا کہ عہدۂ ولایت ابو الفوارس احمد بن علی بن الاخشید محمد بن طغج کو دیا جائے۔ مگر چونکہ یہ کمسن تھا لہٰذا حکومت کا انتظام حسن بن عبید اللہ بن طغج کے حوالے کیا گیا اور ابو الفضل بن الفرات وزیر مقرر کیا گیا۔ یہ شخص کافور کے زمانے میں بھی وزارت کا کام انجام دے چکا تھا۔ بدقسمتی سے یہ وزیر بنو اخشید کے ایک رشتہ دار کے جال میں پھنس گیا۔ یہ شخص رملہ کا رئیس تھا۔ اس نے مصر پہنچ کر وزیر مذکور کو گرفتار کر لیا۔ اور بڑی رقم اس سے جبراً حاصل کی۔ اس وجہ سے شہر کی مالی حالت بہت خراب ہوگئی۔ خزانہ خالی ہوگیا۔ فوجوں کی تنخواہیں وقت پر نہ مل سکیں جس سے ان میں بے دلی پیدا ہوگئی۔ ابو الفوارس احمد کمسن اور ناتجربہ کار ہونے کے باعث کچھ نہ کر سکا۔ ملک کی حالت روز بروز ابتر ہوتی گئی۔ ادھر قحط نے مصریوں کی پریشانی میں اور اضافہ کر دیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس سے پیشتر کبھی ایسا قحط نہیں پڑا تھا۔ چنانچہ ایک ایک روٹی

---

[1] اتعاظ الحنفاء - ۶۶ - ۱۰۷۔ کافور حبشی ہونے کی وجہ سے سیاہ فام تھا۔

[2] ابن تغری بردی ۴/۲

دو دو درہموں کو بکنے لگی۔ لوٹ اور غارتگری ملک کے گوشے گوشے میں پھیل گئی۔ اور طرح طرح کی برائیاں رونما ہونے لگیں۔ قحط کے ساتھ ایک زبردست وبا بھی آئی جس میں بہت سے لوگ ہلاک ہو گئے۔ الغرض مصر سیاسی۔ جانی۔ اور مالی مصیبتوں کا مرکز بنا ہوا تھا۔ خلافت عباسیہ کی جانب سے کوئی لائق والی نہیں بھیجا گیا۔ یہ حالت دیکھ کر شہر کے وزیر اور ذمہ دار افسروں نے خلیفہ معز سے مراسلت کی جو اس وقت مغرب میں تھا۔ اور یہ درخواست کی کہ وہ مصر آ کر ان کو اور ان کے ملک کو ان مصیبتوں سے نجات دلائے[1]۔ اس مقام پر یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ مدت دراز سے جیسا کہ ہم کہہ آئے ہیں بنو فاطمہ کے داعی مصر میں مذہب اہل بیت کی تبلیغ کر رہے تھے۔ عام لوگوں کے علاوہ بڑے بڑے سر برآوردہ لوگوں کو بھی انھوں نے اپنی طرف مائل کر لیا تھا[2]۔ چنانچہ مصر کے خزانہ دار اور قاضی دونوں بنو فاطمہ سے ملے ہوئے تھے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ خود کافور نے بھی دعوت اسمٰعیلیہ قبول کر لی تھی[3]۔

مصر پر حملہ کرنے کی تیاریاں

جب معز کو مصریوں کی درخواست پہنچی تو اس نے مصر پر حملہ کرنے کی تیاریاں شروع کیں۔ برقہ کے عاملوں کو احکام بھیجے کہ وہ مصر کے راستے میں کنویں کھدوائیں اور سرائیں بنوائیں تاکہ فوج ان میں قیام کر سکے اور اس کو آرام ملے۔ ادھر قیروان میں جوہر کو جس نے بڑی کامیابی سے بلاد مغرب مسخر کر لیے تھے یہ حکم دیا گیا کہ وہ ایک عظیم الشان لشکر تیار کرے جس میں کتامی اور غیر کتامی دونوں قسم کے سپاہی شریک کیے جائیں۔ معز نے بذات خود بھی اس کی تنظیم و ترتیب میں بڑا حصہ لیا اور کئی دن چھاؤنی میں گذارے۔ روزانہ جوہر سے خلوت میں مشورہ کرتا تھا۔ اس کو مصر کے فتح ہونے کا اتنا یقین تھا کہ ایک روز جوہر سخت بیمار پڑا یہاں تک کہ اس کی زندگی سے ناامیدی ہو گئی۔ معز خود

---

[1] ابن خلکان $\frac{1}{118 \text{ و } 119}$ (در ترجمہ قائد جوہر)۔ [2] اتعاظ الحنفا ۶۶ - ۷۱ -
[3] عیون الاخبار $\frac{6}{137}$

اس کی عبادت کو گیا۔ واپس ہوتے وقت اس نے کہا جوہر ہرگز نہیں مر سکتا۔ قریب ہیں اس کے ہاتھ پر مصر فتح ہونے والا ہے۔ اتفاق سے جوہر اچھا ہوگیا۔ دوسرا واقعہ جو معز کے یقین کا ثبوت دیتا ہے یہ ہے کہ ایک روز جوہر سامنے کھڑا ہوا تھا۔ معز نے لشکر کے دوسرے سرداروں سے جوہر کی طرف اشارہ کرکے کہا "اگر یہ شخص تنہا روانہ ہو تو بھی مصر ضرور فتح کرلے گا۔ تم لوگ اپنی چادروں ہی میں مصر میں داخل ہوگے۔ جنگ کی نوبت نہیں آئے گی۔ خون کا ایک قطرہ بھی نہیں گرے گا۔ تم ابن طولون کے کھنڈروں پر اترو گے۔ وہاں ایک شہر بنایا جائے گا جس کا نام قاہرہ ہوگا۔" بہرحال معز نے لشکر کے ساتھ بہت سا قیمتی سامان بھی بھیجا۔ کہا جاتا ہے کہ سونے کی چکیاں بنوائیں اور وہ اونٹوں پر لدوا کر علانیہ لشکر کے ساتھ روانہ کیں۔ غرض کہ بڑے اہتمام سے لشکر مصر کو روانہ کیا گیا۔ جوہر کی اتنی قدردانی کی کہ اس کو اپنے خاص ملبوس سے سرفراز کیا۔ روانگی کے وقت اپنے گھوڑے پر سے جھک کر جوہر کے کان میں کچھ کہا۔ اور امراء حکومت اور اپنے بھائیوں۔ رشتہ داروں بلکہ ولی عہد کو بھی یہ حکم دیا کہ سب اپنے اپنے گھوڑوں سے اتر جائیں اور جوہر کی جلو میں اس کو خیرباد کہنے کے لیے کچھ فاصلے تک پیدل چلیں۔ ایسے ہی احکام تمام بلاد کے والیوں کو بھیجے گئے کہ وہ بھی جوہر کے اعزاز میں پیدل چلیں۔ صرف وہ اور جوہر دونوں گھوڑوں پر سوار رہے[1]۔ جوہر معز کے ہاتھ اور اس کے گھوڑے کے سم کو بوسہ دے کر لشکر کے ساتھ روانہ ہوا۔ ابن ہانی نے اس موقع پر جو قصیدہ کہا ہے وہ حقیقت میں قابل داد ہے[2]۔

مصر کی فتح ۳۵۸ھ

۱۴ ربیع الاول ۳۵۷ھ کو جوہر اپنے لشکر کے ساتھ قیروان سے روانہ ہوا۔ سب سے پہلے اس نے اسکندریہ کا رخ کیا۔ بغیر کسی جانی یا مالی نقصان کے یہ شہر جوہر کے قبضے میں

۱۔ ابن خلکان ۱/۱۱۹

۲۔ تبیین المعانی فی شرح دیوان ابن ھانی للدکتور زاھد علی صفحہ ۳۳۵۔

آگیا۔ یہاں سے جب وہ آگے بڑھا تو مصر میں بڑی ہل چل پڑی اور اہل مصر بہت گھبرائے۔ عہدہ داران شہر نے اس بات پر اتفاق کیا کہ وزیر ابن الفرات کی سرکردگی میں جوہر کے پاس مصالحت کے لیے ایک وفد بھیجا جائے۔ اور یہ شرط کی جائے کہ جوہر ملک میں امن و امان قائم کرے اور عہدہ داروں کو اپنے عہدوں پر باقی رکھے۔ ابو جعفر مسلم بن عبید اللہ الحسینی کو سفیر بنایا گیا۔ یہ شخص اہل بیت سے تھا اور شریف کہلاتا تھا۔ اس کو سفیر بنانے کی غرض یہ تھی کہ جوہر پر اس کا اثر پڑے اور صلح جلد ہو جائے۔ ۱۸ رجب کو مصریوں کا وفد جوہر کے پاس پہنچا۔ اس وقت وہ موضع تروجہ[1] میں تھا۔ جوہر نے مصریوں کے تمام مطالبات منظور کر لیے۔ جب وفد واپس آیا تو بعض اخشیدیوں[2] نے صلح کی مخالفت کی اور جنگ پر آمادہ ہو کر جیزہ کی طرف بڑھے تاکہ شہر کے پلوں کی حفاظت کریں اور جوہر کی فوجوں کو مصر میں داخل نہ ہونے دیں۔ جوہر نے ان کے مقابلے کے لیے منیۃ الصیادین اور منیہ شلقان کا رخ کیا۔ بعض مصری کشتیوں میں سوار ہو کر جوہر کے پاس آگئے اور اس کی اطاعت قبول کر لی۔ اب صرف انھیں چند لوگوں کو زیر کرنا باقی تھا جو ابھی مخالفت پر تلے ہوئے تھے۔ جوہر نے ان کی سرکوبی کے لیے اپنے سپہ سالار جعفر بن فلاح کو بھیجا۔ فریقین میں لڑائی ہوئی جس میں چند آدمی مارے گئے۔ اتنے میں رات ہو گئی اور بہت سے اخشیدی بھاگ نکلے۔ بھاگنے والوں کے بال بچوں نے شریف ابو جعفر کے ذریعے جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے جوہر سے صلح کی درخواست کی جو فوراً منظور کر لی گئی۔ اس کے بعد جوہر نے احکام بھیجے کہ ۱۸ شعبان کو تمام عہدہ داران ملک اس کی ملاقات کے لیے ایک جگہ پر حاضر رہیں۔ غرض کہ ان سب لوگوں نے جوہر کا شاندار استقبال کیا۔

---

[1] ایک چھوٹا قریہ ہے جو اعمال اسکندریہ میں داخل ہے۔ (معجم البلدان ۱/۴۹۵)

[2] ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو اخشید کے خاندان کے طرفدار تھے۔ ان کے سردار کا نام تبر ہے جس کی طرف ایک مسجد منسوب ہے جو مسجد تبر کہلاتی ہے (مقریزی ۲/۲۷۱)

اور سوائے شریف ابو جعفر اور وزیر ابن الفرات کے سب عہدہ دار جوہر کی تعظیم کے لیے اپنے گھوڑوں سے اُتر گئے۔ جوہر نے صلح کا اعلان کیا۔ اور فوجوں کو فسطاط میں داخل ہونے کا حکم دیا۔ اور خود بھی مصری روساء کے ساتھ عصر کے بعد بڑے جاہ و جلال سے شہر میں داخل ہوا اور اسی روز شام کو ایک قطعۂ زمین منتخب کر کے اس پر اپنے آقا کے حکم کے موافق ایک نئے شہر کی بنیاد ڈالی جس کا نام قاہرۂ معزیہ رکھا۔ اس وقت سے آج تک یہی شہر مصر کا سب سے زیادہ معمور اور بارونق شہر رہا ہے۔ خطبے میں خلیفۂ عباسی کے نام کی جگہ امامِ فاطمی یعنی معز کا نام داخل کیا گیا۔ اور کالے رنگ کے شعار کو سفید رنگ سے بدل دیا گیا۔

بناء قاہرۂ معزیہ ۳۵۹ھ جوہر کے آنے سے پیشتر مصر کا صدر مقام فسطاط تھا۔ اوائل اسلام میں جب مسلمانوں نے مصر فتح کیا اس وقت عمرو بن عاص نے اپنے لشکر کا خیمہ یہیں نصب کیا تھا۔ اسی وجہ سے اس مقام کا نام فسطاط[1] پڑ گیا۔ اس شہر کو فتح کرنے کے لیے جوہر کا لشکر اس کے شمالی حصے میں جبل مقطم اور خلیج کے درمیان ٹھیرا اس وقت یہاں ایک بڑا ریتلا میدان تھا جس میں سوائے چند باغات کے جن میں کافور اخشیدی کا باغ اور اس کا میدان اور ایک نصاریٰ کا گرجا جسے دیر عظام کہتے تھے شامل تھا کوئی اور عمارت نہ تھی۔ اُس مقام پر جوہر نے شہر قاہرہ کی بنیاد ڈالی اور اپنے آقا معز کے لیے دو قصر قصر کبیر اور قصر صغیر کے نام سے تیار کیے دونوں قصروں کے درمیان ایک مربع میدان چھوڑ دیا گیا جس میں تقریباً دس ہزار سپاہی پریڈ کر سکتے تھے۔ ان دو محلوں میں متعدد دیوان خانے اور ایوانات بنائے گئے۔ جوں جوں دولت فاطمیہ ترقی کرتی گئی ان کی عظمت و شان بھی بڑھتی گئی۔ ابن سعید کہتا ہے کہ "میں نے ان کا ایک ایوان دیکھا

[1] عربی میں فسطاط خیمہ کو کہتے ہیں۔

جس کے متعلق لوگ یہ کہتے تھے کہ یہ کسریٰ کے مدائن کے ایوان کا مقابلہ کرتا ہے۔ یہ آثار بنانے والوں کی عظمت و جلال کا پتا دیتے ہیں"۔ آج کل ان قصروں کا کوئی نشان باقی نہیں ہے۔ جس جگہ یہ قصر تھے اس جگہ آج وہ محکمہ شرعیہ معروف بہ بیت القاضی" واقع ہے جس کی طرف وہ گلی جاتی ہے جو شارع النحاسین کہلاتی ہے۔[1]

اس شہر کی ابتدا ۲۴ر جمادی الآخرہ ۳۵۹ھ میں ہفتے کے روز ہوئی اور تقریباً ڈھائی سال (یعنی اواخر ۳۶۱ھ) میں اس کی تکمیل ہوئی۔ لشکر کی مختلف جماعتوں کے لیے مختلف محلے بنائے گئے۔ مثلاً زویلہ کے لیے حارہ زویلہ اہل برقہ کے لیے حارہ برقیہ اور روم کے لیے حارۃ الروم وغیرہ شہر کے اطراف ایک فصیل تعمیر کی گئی جس میں کئی دروازے لگائے گئے جن میں مشہور باب زویلہ۔ باب النصر اور باب الفتوح ہیں۔ فصیل کے بعض آثار اب تک موجود ہیں۔ شہر کی تکمیل کے بعد جوہر نے معز کو بلا بھیجا جو اس وقت تک قیروان میں تھا۔ معز نے افریقیہ پر اپنے وزیر یوسف بلکین کو والی مقرر کر کے جزیرہ سردانیہ صقلیہ طرابلس المغرب اور اسکندریہ ہوتا ہوا ۳۶۲ھ کے شعبان میں مصر پہنچا اور بڑی شان و شوکت کے ساتھ جس طرح ہم آئندہ بیان کریں گے باب زویلہ سے قاہرہ میں داخل ہوا اس کے ساتھ یعقوب بن کلس بھی تھا۔[2]

قاہرہ معزیہ کی تاریخ

آج کل قاہرہ کے حدود میں جامع ازہر بیت القاضی۔ شارع النحاسین۔ خان خلیلی اور وہ مکانات و بازارات جو جبل مقطم اور خلیج کے درمیان واقع ہیں شامل ہیں۔ اس خلیج کو اب پاٹ دیا گیا ہے اور اس پر سے اب ترام (Tramway) چلتی ہے جو قاہرہ کے

۱؎ - مقریزی ۲/۱۸۷

۲؎ - بعض روایتوں میں ہے کہ قاہرہ کی بنیاد اواخر شعبان ۳۵۸ھ میں ڈالی گئی (مقریزی ۲/۲۰۴)

۳؎ - مقریزی ۲/۱۷۹

۴؎ - جرجی زیدان - تاریخ مصر الحدیث صفحہ (۲۱۱)
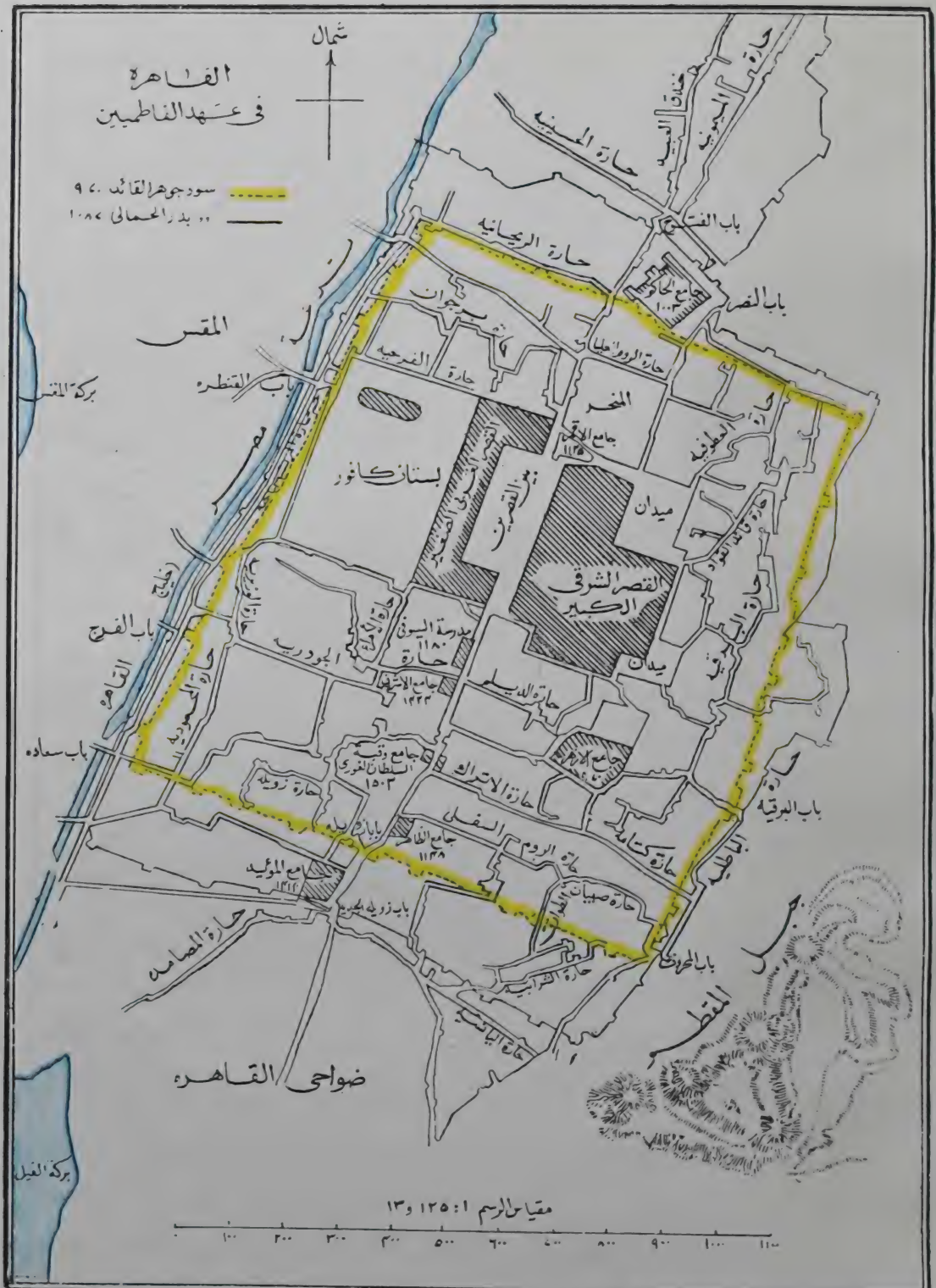
طبعت بمصلحة المساحة المصرية سنة ۱۹۳۲ (۵۲/ G ۳۲)

ماخوذاز "الفاطمیّون فی مصر"

پروسس ڈپارٹمنٹ جامعۂ عثمانیہ

مقابل صفحه (۱۲۸)

شمالی اور جنوبی حصوں کے درمیان گذرتی ہے۔ جوہر نے فسطاط فتح کیا تو اس کا لشکر جیسا کہ ہم نے ابھی بیان کیا ہے اس مقام پر ٹھیرا جہاں ایک وسیع ریتلا میدان تھا۔ اس پر فسطاط سے مطریہ کو جانے والے مسافر گذرتے تھے۔ اس جگہ جوہر نے ایک شہر بنایا جس کا نام اپنے آقا معز کی نسبت سے قاہرہ[1] معزیہ رکھا۔ اس کی شکل تقریباً مربع تھی اور حسب ذیل اس کے حدود تھے۔

(۱) مشرق میں جبل مقطم (۲) مغرب میں وہ خلیج جس کا طول تقریباً (۱۲۰۰) متر ہے (۳) شمال میں وہ خطہ جو خلیج سے باب الشعریہ کے قرب میں سکہ مرجوش کے سامنے سے گذرتا ہے جس کا طول (۱۱۰۰) متر ہے (۴) جنوب میں وہ خطہ جو باب الخلق سے شروع ہو کر شارع محمد علی سے گذرتا ہوا محافظہ مصر کے نزدیک سے جبل کی طرف جاتا ہے جس کا طول (۱۱۰۰) متر ہے۔

ان حدود کے درمیان شہر کا رقبہ (۳۴۰) فدان یا (۱۴۲۸۰۰۰) مربع متر تھا۔ اس رقبے کے پانچویں حصے کو صرف قصر کبیر شرقی گھیرے ہوئے تھا۔ باقی $\frac{4}{5}$ حصے میں جامع ازہر۔ قصر غربی۔ لشکر کے مکانات اور گھوڑوں کے اصطبل وغیرہ تھے جیسا کہ منسلکہ نقشے سے معلوم ہوگا۔ بازارات۔ خرید و فروخت کی منڈیاں اور سکونتی مکانات شہر فسطاط میں تھے۔ وہ قطعۂ زمین جس میں اب فجالہ۔ ظاہر۔ مھمشہ۔ عباسیہ۔ ازبکیہ۔ توفیقیہ۔ اسمٰعیلیہ اور بولاق ہیں اس کے اکثر حصے میں باغات۔ کھیت اور کنویں تھے۔

فاطمیین مصر کے دور میں قاہرہ کی توسیع بہت زیادہ نہیں ہوئی۔ امیر الجیوش بدر الجمالی کے زمانہ یعنی پانچویں صدی ہجری کے اواخر میں اس کا رقبہ (۱۶۸۰۰۰۰) متر تھا۔ ۵۶۷ھ میں جب خلافت فاطمیہ کی جگہ سلطنت ایوبیہ نے لے لی اس وقت صلاح الدین نے عام لوگوں کو بھی قاہرہ میں رہنے کی

---

[1] ۔ قاہرہ کی وجہ تسمیت میں مختلف روایتیں ہیں۔ اس کی ابتدا کی ساعت میں مریخ طالع تھا جو قاہر الفلک کہا جاتا ہے (مقریزی $\frac{۲}{۲۰۴}$)

اجازت دے دی اور جبل مقطم کے دامن میں اپنے اور اپنے لشکر کی حفاظت کے لیے ایک قلعہ بھی تیار کیا تاکہ اس کے دشمن بنو فاطمہ پھر اس کا مقابلہ نہ کر سکیں۔ اس وقت سے لوگ جنوب میں قاہرہ کے باہر درمیان قاہرہ اور فسطاط کے اور مغرب میں درمیان قاہرہ اور نیل کے مکانات بنانے لگے۔ پھر صلاح الدین نے ایک بڑی فصیل بنوائی جس میں قاہرہ قلعہ اور فسطاط سب شامل ہو گئے۔ بعد میں آنے والوں نے اس کی تکمیل کی۔ یہ سب مل کر ایک شکل کثیر الاضلاع بن گئی جس کا طول (۲۴۰۰۰) متر ہو گیا اور قاہرہ کا رقبہ (۱۶۱۶۰۰) مربع متر تک پہنچ گیا۔

دولت ایوبیہ کے بعد سلاطین ممالیک اور امراء ممالیک کے زمانے میں قاہرہ کے رقبے اور آبادی میں کمی واقع ہو گئی لیکن خاندان محمد علی کے دور میں پھر قاہرہ نے ترقی کی۔ محمد علی پاشا کی آخری حکومت میں اس کا رقبہ (۹٫۰۰۰٫۰۰۰) مربع متر ہو گیا اور اس کے حدود بھی بہت وسیع ہو گئے۔ اس کے بعد خدیولوں کی حکومت میں قاہرہ کے حدود اور بھی وسیع ہو گئے۔ یہاں تک کہ ۱۸۸۰ء میں اس کا رقبہ (۱۲۱۸۰۰۰۰) مربع متر ہو گیا۔ انگریزوں کے ورود کے بعد تو بہت سرعت سے شہر ترقی پاتا گیا۔ زمانۂ ماقبل کے لحاظ سے اس کا رقبہ چھ گنا ہو گیا ہے اور قائد جوہر کے زمانے کے مقابلے میں تو پچاس گنا ہے کیونکہ ہر سال جوں جوں آبادی بڑھنے لگی اسی طرح خالی زمینیں بھی آباد ہونے لگیں[1]۔

ابتدائے جامع ازہر

قاہرہ کی تعمیر کے بعد جوہر نے اس میں ایک جامع مسجد بنائی جس کا نام "جامع ازہر" رکھا۔ جامع ابن طولون کے بعد یہ مسجد قاہرہ کی قدیم ترین مسجد ہے۔ اس کی وسعت بھی تمام جوامع سے زیادہ ہے اسی لیے اسے "جامع کبیر" کہتے ہیں۔ عزیز کے حکم سے جو معز کا جانشین ہوا جوہر نے اس مسجد میں ایک نفیس کتب خانہ اور مدرسہ بھی قائم کیا

[1] جورجی زیدان۔ تاریخ مصر الحدیث۔ صفحہ ۲۱۱-۲۱۲۔

جامع ازہر ۔ صحن اور قبلہ ۔

پریس جامعہ عثمانیہ

مقابل صفحہ (۱۳۱)

جس کی شہرت تمام آفاق میں پھیلی۔ بڑی غرض اس کے قائم کرنے سے یہ تھی کہ اس میں دینی خصوصاً مذہب شیعی کی تعلیم دی جائے گویا یوں کہہ سکتے ہیں کہ قاہرہ کی تعمیر دولت فاطمیہ کی سیاسی بنیاد کو مضبوط کرنے کے لیے اور جامع ازہر کی تعمیر اس کی مذہبی بنیاد کو پختہ کرنے کے لیے عمل میں آئی۔ اس زمانے میں مصریوں کا مذہب شافعی تھا۔ کیونکہ امام شافعی نے اپنا آخری زمانہ مصر ہی میں گذارا اور اسی شہر میں وفات پائی اور یہیں دفن ہوئے۔ بنو فاطمہ مذہب مذکور کا اعتراف کرتے تھے۔ اسی وجہ سے ان کو مصر فتح کرنے میں سہولت ہوئی اور ان کے اقتدار کا دائرہ وسیع ہو گیا۔ جامع ازہر کو فروغ دینے کے لیے فاطمیین نے دور دراز شہروں سے علماء اور فقہاء طلب کیے اور ان کی معقول تنخواہیں مقرر کیں فقہ اور وعظ و نصیحت کی مجلسیں منعقد ہوتی تھیں ان سے فائدہ اٹھانے کے لیے کثرت سے طلبہ جمع ہونے لگے۔ جوں جوں ان کی تعداد بڑھتی گئی ازہر میں بھی توسیع ہوتی گئی۔ اب اس کا رقبہ (۱۲۰۰۰) مربع میٹر تک پہنچ گیا اور پہلے کے مقابلے میں دگنے سے زیادہ ہو گیا ہے۔ اس کے ستون بھی وقتاً فوقتاً تعداد میں بڑھتے گئے جس زمانے میں وہ بنی ستونوں کی تعداد (۷۶) تھی۔ اور اس کے دروازے نو تھے۔ ابتدائی زمانے میں فقیہوں کی تنخواہیں مقرر نہ تھیں۔ عزیز کے حکم سے اس کے وزیر یعقوب بن کلس نے ان کی تنخواہوں کا موازنہ تیار کیا۔ اور مسجد کے پہلو میں ان کے رہنے کے لیے مکانات بنوائے[1]۔

مدرسۂ جامع ازہر اور اس کی موجودہ حالت

معز کے آخری زمانے سے لے کر صلاح الدین ایوبی کی ابتدائی حکومت تک یعنی تقریباً دو سو سال ازہر شیعی مدرسہ رہا۔ صلاح الدین چونکہ شافعی مذہب رکھتا تھا اس لیے اسے ازہر کے طریقۂ تعلیم میں زیادہ تبدیلی کی ضرورت نہیں ہوئی۔ اسی وجہ سے مصریوں نے اس کی حکومت

[1] جرجی زیدان۔ تاریخ مصر الحدیث۔ صفحہ ۲۱۳-۲۱۲۔

آسانی سے قبول بھی کر لی۔ پھر بھی اُسے خلفاء عباسیین جو حنفی مذہب رکھتے تھے ان کی رضامندی حاصل کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اس مصلحت سے اس نے ازہر میں چاروں مذاہب اہل سنت کی تعلیم جاری کر دی تاکہ ہر مذہب کے پیرو اپنی اپنی تعلیم حاصل کریں۔ اس سبب سے اس مدرسے کی بڑی شہرت ہو گئی۔ دنیائے اسلام کے ہر گوشے سے طلبہ یہاں آنے لگے۔ صرف فقہ۔ علوم دین اور لغت ہی کی تعلیم نہیں دی جاتی تھی بلکہ ریاضیات۔ نجوم اور چند علوم طبیعیہ کی تعلیم بھی شروع ہوئی۔

سلاطین ایوبیہ اور ان کے ممالیک کے زمانے میں اس مدرسے کی یہی حالت رہی یہاں تک کہ سلطان سلیم عثمانی نے دسویں صدی ہجری کے اوائل میں مصر فتح کیا۔ اس کے بعد امراء ممالیک کا استبداد زیادہ بڑھ گیا اور لوگوں نے تحصیل علم کی طرف توجہ کم کر دی۔ عنصر عربی اگرچہ مصر کے سوا دوسرے اسلامی ممالک میں کم ہو گیا تھا لیکن مصر میں ازہر کی وجہ سے اسمیں زیادہ ضعف پیدا نہ ہوا۔ کیونکہ علوم دینیہ کے حاصل کرنے کے لیے لغت عربیہ کے سیکھنے کا یہی ایک بہت بڑا ذریعہ تھا۔

عربی لغت کے زندہ کرنے میں ازہر کی برکتیں صرف مصر اور اس کے متعلقہ اضلاع ہی تک محدود نہیں رہیں بلکہ دوسرے تمام بلادِ اسلامیہ میں بھی پھیلیں۔ اس مدرسے میں ترکی۔ مغرب۔ چرکس۔ یمن۔ زنجبار۔ ہند اور افغانستان وغیرہ جیسے دُور دراز شہروں سے طلبہ آتے ہیں۔ اس کی طرف لوگوں کی توجہ اس وجہ سے اور بھی زیادہ ہو گئی کہ یہاں تعلیم مفت دی جاتی ہے۔ طعام۔ لباس اور مکان وغیرہ کے مصارف بھی دینا نہیں پڑتے۔ ان سب کا بار ازہر ہی اٹھاتا ہے۔ یہاں کے اساتذہ کی فضیلت کا کیا پوچھنا۔ سب اپنے اپنے فن میں ماہر ہوتے ہیں۔ قرون وسطیٰ میں اسلام کے بڑے بڑے علماء اسی مدرسے سے نکلتے تھے۔ یہاں کے طالب علم کو دوسرے اسلامی ممالک کے طلبہ پر فوقیت حاصل ہے۔ آج بھی اس مدرسے کے طلبہ کی تعداد دس ہزار سے زاید ہے[1]۔

---

[1] سنہ ۱۹۲۵ء سنہ طبع تاریخ مصر الحدیث (جرجی زیدان)

مختلف زمانوں کے سلاطین اور امراء نے اس کے لیے وسیع جائدادیں وقف کی ہیں جن کی سالانہ آمدنی آج (۱۹۱۱ء) بیس ہزار گینی ہے۔

معز کے بعد جامع ازہر کی عمارت میں بہت سے بادشاہ۔ امراء وغیرہ نے ترمیمیں کیں اور اضافے بھی کیے خصوصاً سلاطین ممالیک میں سے ملک ظاہر بیبرس. قایت بائی اور غوری نے۔ دولت عثمانیہ کے والیوں میں سے سید محمد پاشا نے اور امراء ممالیک میں سے اسمٰعیل بیک اور عبدالرحمٰن "کخیا" نے۔ موخر الذکر والی نے تو اس میں بہت سی نئی چیزیں بنائیں اور اس میں ایک قبرستان بھی بنوایا۔ آخر میں سعید پاشا بن محمد علی پاشا نے بہت کچھ ترمیم کی۔ یہی وجہ ہے کہ اس میں اب قائد جوہر کے زمانے کی کوئی دیوار یا ستون باقی نہیں ہے[۱]

مصر میں جوہر کی اصلاحیں

مصر پر قبضہ کرتے ہی جوہر نے ایک اعلان شائع کیا۔ جس میں اس نے اپنی آئندہ سیاسی پالسی ظاہر کی اور جتنے وعدے اس نے اس اعلان میں کیے ان سب کو بہت کامیابی کے ساتھ پورا کیا۔ غرض کہ جوہر نے مصر میں کامل امن و امان قائم کیا۔ شریر النفس لوگوں کو لوٹ وغارت گری سے روکا۔ مصیبت زدگان سے ہمدردی ظاہر کی۔ شہر کی تمام دکانیں کھلوادی گئیں۔ کاروبار مثل سابق جاری ہو گیا رعایا چین اور اطمینان سے زندگی بسر کرنے لگی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مصر میں کوئی فساد ہی نہیں ہوا تھا[۲]۔ ایک خاص اصلاح قابل ذکر یہ ہے کہ ایک ایسی عدالت قائم کی گئی جس میں ملک کے والیوں اور عہدہ داروں کے خلاف شکایتوں کی سماعت ہوتی تھی۔ ایسی شکایتوں کا ازالہ معمولی عدالتیں نہیں کر سکتی تھیں۔ اس عدالت کا نام "عدالت ازالۂ شکایات" رکھا گیا۔ اس میں خود جوہر۔ وزیر۔ قاضی اور چند فقہا حاضر ہوتے تھے۔ اس کا فیصلہ خلیفہ کے پاس بھیجا جاتا اور اس کی منظوری کے بعد وہ صادر کیا جاتا تھا[۳]۔

---

[۱] - جرجی زیدان - تاریخ مصر الحدیث صفحہ ۲۱۴ - ۲۱۵ - [۲] - اتعاظ الحنفا، ۶۶-۷۱

[۳] O' Leary, p. 103.

طرفداری کو روکنے کے لیے ہر ملکی عہدے پر ایک مصری کے ساتھ ایک مغربی بھی شریک کیا گیا۔[1]

جس سال جوہر مصر میں داخل ہوا لوگ سخت قحط کی مصیبت میں مبتلا تھے۔ گو معز نے مغرب سے رعایا کی مدد کے لیے غلے کی کشتیاں روانہ کی تھیں پھر بھی غلے کا بھاؤ نہیں اُترا۔ جوہر نے غلے کا ایک صدر گدام کھولا اور غلہ بیچنے والوں کو اس بات پر مجبور کیا کہ وہ محتسب کی نگرانی میں غلہ بیچیں۔ باوجود ان کوششوں کے قحط دور نہ ہوا۔ بدبختی سے وبا بھی پھیل گئی۔ اس کثرت سے لوگ مرے کہ لاشے بجائے دفن کرنے کے بحر نیل میں غرق کر دیے جاتے تھے۔ تقریباً دو سال تک یہی حالت رہی۔ ۳۶۱ھ کے سرما سے ان بلاؤں میں کمی واقع ہونے لگی۔ ملک میں خوش حالی کے آثار نمودار ہوئے۔ جوہر کی عادلانہ اور مستحکم حکومت سے مصر کو ایک عجیب رونق حاصل ہوئی اور قاہرہ اور محلات کی تعمیر سے بے روزگاروں کو روزگار ملا۔

جوہر کی سیرت اور اس کی وفات ۳۸۱ھ

ابوالحسن جوہر گو اصل میں ایک رومی غلام تھا جسے معز نے پال لیا تھا۔ لیکن اس کی طبیعت میں اخلاص۔ وفاداری۔ مروت۔ جوانمردی اور شرافت تھی۔ معز نے اس میں جب یہ اوصاف دیکھے تو اس نے اسے ترقی دیتے دیتے قائد کے مرتبے پر پہنچا دیا۔ مغرب کے اکثر شہر اسی کے ہاتھ پر فتح ہوئے۔ اس کا سب سے بڑا کارنامہ مصر کی فتح ہے۔ معز اسکی بڑی قدردانی اور حوصلہ افزائی کرتا تھا۔ جب وہ لشکر لے کر مغرب سے روانہ ہوا اس وقت معز نے اپنے تمام لڑکوں اور رشتہ داروں کو حکم دیا کہ وہ اس کی تعظیم کے لیے اپنے گھوڑوں سے اُتر جائیں۔ اس کے بعد اس نے اسے اپنے خاص ملبوس سے سرفراز کیا جس کی مفصل کیفیت گذر چکی ہے۔[2]

---

[1] اتعاظ الحنفاء۔ ۷۸۔

[2] فصل ۱۴ (مصر پر حملہ کرنے کی تیاریاں)

جوہر نے مصر کو صرف فتح ہی نہیں کیا بلکہ معز کے مصر میں وارد ہونے تک یعنی تقریباً چار سال اس نے بہت کامیابی سے مصر پر حکومت کی۔ اسکے دو سال بعد تک بھی وہی مصر کے محکمۂ مال کا افسر اعلیٰ رہا۔ ۳۶۴ھ میں وہ اس عہدے سے سبکدوش کیا گیا۔ ۳۸۱ھ میں اس نے وفات پائی۔ اس کے انتقال کے موقع پر مصر میں کوئی شاعر ایسا نہیں تھا جس نے اس کا مرثیہ نہ کہا ہو۔

مصر فتح کرنے کے بعد اس نے اپنے لشکر کے ساتھ جامع ابن طولون میں نماز پڑھی۔ خطبے میں خطیب عبدالسمیع بن عمر نے اس کا نام لیا اور اس کے لیے دعا کی۔ جوہر نے اسے پسند نہیں کیا اور کہا کہ ہم غلاموں کا یہ منصب نہیں کہ ہمارا نام خطبے میں لیا جائے۔ امام کا نام لینا چاہیے اور انھی کیلیے دعا سزاوار بھی ہے۔ یہ غلام "الکاتب الرومی" کے نام سے مشہور ہے۔ اس کا ایک بیٹا حسین تھا جو حاکم کے زمانے میں قیادت اور وزارت دونوں عہدوں پر فائز ہوا۔[۱]

دمشق کی فتح ۳۵۹ھ

مصر اور شام کے سیاسی تعلقات اکثر حکومتوں کے زمانے میں ایک دوسرے سے وابستہ رہے ہیں۔ جس حکومت کا قبضہ مصر پر ہوتا تھا اس حکومت کا سیاسی اثر کم و بیش شام پر بھی پڑتا تھا۔ بہت کم ایسا ہوا ہے کہ شام اور مصر سیاسی تعلقات کی حیثیت سے ایک دوسرے سے علیحدہ رہے ہوں۔ چنانچہ جب دولت اخشیدیہ مصر پر حکمران تھی اس کے قبضے میں شام کے بعض شہر بھی تھے۔ جوہر جب مصر فتح کر چکا اور اس کو وہاں پورا استقلال حاصل ہو گیا تو اس نے حسین بن عبداللہ بن طغج کی طرف توجہ کی جس کا تعلق خاندان اخشیدی سے تھا۔ یہ رئیس وزیر ابن الفرات کو لوٹ لینے کے بعد جس کا ذکر ہو چکا ہے رملہ بھاگ گیا تھا۔ اور اس شہر پر قبضہ کر لیا تھا۔

---

[۱] - ابن خلکان $\frac{1}{118}$

جوہر نے اس کی تسخیر کے لیے اپنے سپہ سالار جعفر بن فلاح کو بھیجا جعفر نے حسین کو شکست دی اور اس کو قید کر کے فسطاط روانہ کیا۔ جہاں اُسے تشہیر کیا گیا۔ چونکہ اس نے مصریوں پر بہت ظلم کیا تھا اور مصری اس کی دہشت سے بہت گھبرائے ہوئے تھے۔ لہٰذا اس کے قید ہونے سے مصری بہت مطمئن ہو گئے۔ یہ رئیس افریقیہ کے قید خانے میں مقید رہا جہاں اس نے ۳۷۱ھ میں وفات پائی۔

رملہ کی تسخیر کے بعد جعفر شمال کی طرف طبریہ[1] کو روانہ ہوا۔ جہاں معز کے داعی ابن طلہم نے پہلے ہی سے اپنی تبلیغ کے ذریعے اکثر اہل طبریہ کو بنو فاطمہ کا ہم خیال بنا لیا تھا۔ جس کی وجہ سے یہ شہر آسانی سے فتح ہو گیا[2]۔ آگے بڑھ کر جعفر نے دمشق کا رُخ کیا۔ یہاں کے لوگوں نے جعفر کا مقابلہ کیا اور اس سے جنگ کی۔ جعفر کو کامیابی حاصل ہوئی اور اس نے دمشق پر قبضہ کر کے خطبۂ عباسیہ کی جگہ خطبۂ علویہ پڑھا۔

اس زمانے میں شہر دمشق میں ایک شریف رہتا تھا جس کا نام ابو القاسم اسمٰعیل بن ابو العلی الہاشمی تھا۔ یہ بہت با اثر شخص تھا۔ اہل دمشق اُسے بہت مانتے تھے اس نے چند نوجوانوں کو جمع کر کے جعفر کا مقابلہ کیا۔ پہلے دن تو اس کے ساتھیوں نے بہت صبر سے کام لیا اور لڑائی کے میدان میں ثابت قدم رہے مگر دوسرے دن بھاگ نکلے۔ شریف مذکور نے ان کو دوبارہ جنگ پر آمادہ کیا مگر مغاربہ نے ان پر کئی حملے کیے یہاں تک کہ شریف کے ساتھیوں کو دمشق سے نکل جانا پڑا۔ مغاربہ یعنی جعفر کی فوج شہر میں داخل ہو گئی اور لوٹ مار شروع کی لوگوں کو قتل کیا۔ اس پریشانیوں کو غصہ آیا اور وہ مغاربہ کے حملے کے لیے تیار ہو گئے۔ جہاں تک ان سے ہو سکتا تھا انھوں نے مغاربہ سے جنگ کی مگر کامیاب نہ ہو سکے۔ شریف ہاشمی کو آخر میں صلح کرنی پڑی۔ جعفر بن فلاح کا دمشق پر پوری طرح سے قبضہ ہو گیا

---

[1] ۔ اُردن کے اعمال میں داخل ہے (معجم البلدان $\frac{۳}{۵۰۹}$)

[2] ۔ ابن خلدون $\frac{۴}{۴۸}$

اور اس نے شریف ہاشمی اور اس کے چند ساتھیوں کو گرفتار کر کے مصر بھیج دیا۔ یہ فتح ماہ محرم ۳۶۰ھ میں تکمیل کو پہنچی[1]۔ اسی سال حلب اور حمص میں بھی بنو فاطمہ کے نام کا خطبہ پڑھا گیا[2]۔

بنو فاطمہ اور قرامطہ کے درمیان لڑائی۔ اور قرامطہ کا قبضہ شام پر ۳۶۰ھ

۳۶۰ھ میں قرامطہ کا صدر داعی حسن بن احمد بن بہرام تھا۔ یہ لوگ ایک زمانہ ہوا کہ بنو فاطمہ سے الگ ہو گئے تھے اور ان میں اور بنو فاطمہ میں سخت مخالفت پیدا ہو گئی تھی۔ اس مخالفت کے وجوہ ہم نے فصل (۳۱) میں بیان کیے ہیں جب دمشق بنو فاطمہ کے قبضے میں آگیا تو قرامطہ کو اس سے نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہوا کیونکہ حسن بن احمد بن بہرام قرمطی اور ابن طغج اخشیدی کے درمیان یہ معاہدہ ہوا تھا کہ ہر سال موخر الذکر قرمطی کو تین لاکھ دینار بطور خراج ادا کرے گا۔ جب شہر دمشق ابن طغج کے ہاتھ سے جاتا رہا اور خود ابن طغج بھی جعفر کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا تو قرمطی کو یقین ہو گیا کہ اس کا مقرر کردہ خراج اب اُسے نہیں ملے گا[3]۔ لہٰذا اس نے یہ کوشش کی کہ جعفر پر کسی طرح حملہ کر کے اُسے شام سے نکال دے۔ اس مہم کو سر کرنے کے لیے اس نے خلیفۂ عباسی (المطیع) سے اتحاد پیدا کیا اور اس سے ہتیار اور مال کی مدد چاہی۔ خلیفہ اس کی مدد کے لیے فوراً تیار ہو گیا۔ ابو تغلب بن ناصر الدولہ حمدانی کے نام یہ احکام جاری کیے کہ وہ مغاربہ کی جنگ کے لیے چار لاکھ درہم مہیا کر کے قرمطی کو دے۔ اس کے علاوہ خود ابو تغلب نے اخشیدی اور فلسطینی سپاہیوں سے بھی قرمطی کی مدد کی[4]۔ بہر حال قرمطی نے خلیفۂ عباسی کی مدد حاصل کر کے کوفہ کے راستے سے دمشق پر چڑھائی کی۔ جعفر کو جب قرمطی کی چڑھائی کی خبر ملی تو وہ خود مقابلے کے لیے نکلا۔

۱ھ - ابن الاثیر $\frac{8}{233}$ -
۲ھ - اتعاظ الحنفاء ۸۳ -
۳ھ - ابن الاثیر $\frac{8}{242}$ -
۴ھ - اتعاظ الحنفاء صفحہ ۸۱ -

مگر اُس نے اس موقع پر کسی قدر تساہل سے کام لیا اور مقابلے کے لیے پوری طرح تیاری نہیں کی۔ وہ یہ سمجھا کہ قرمطی کا حملہ کوئی اہم واقعہ نہیں ہے۔ جعفر نے اس غلطی کا خمیازہ بھگتا اور لڑائی میں مارا گیا[1]۔ قرامطہ نے دمشق پر قبضہ کرلیا۔ اس کے بعد وہ رملہ کی طرف بڑھے اور اس کو بھی مسخر کرلیا۔ پھر قرامطہ نے یافہ[2] کا محاصرہ کیا۔ جوہر نے اہل یافہ کو بیڑے کی مدد بھیجی۔ مگر کچھ کارگر نہ ہوئی۔ جتنی کشتیاں بھیجی گئی تھیں ان میں سے اکثر گرفتار کرلی گئیں۔ دو کشتیاں جو بچی تھیں ان کو رومیوں نے لوٹ لیا۔ قرامطہ روز بروز پیشقدمی کرتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ انھوں نے قلزم۔ عریش اور عین شمس پر بھی قبضہ کرلیا۔ اور مصر پر حملہ کرنے کی کوشش کی۔

قرامطہ کی مصر پر حملہ کرنے کی تیاری اور ناکامی ۳۶۳ھ

جوہر نے جب یہ خبر سنی کہ قرامطہ قلزم Suez پہنچ گئے ہیں اور مصر کی طرف پیشقدمی کر رہے ہیں تو اس نے بھی مدافعت کا سامان مہیا کیا۔ اس کو یہ خوف تھا کہ مصر کے قدیم افسر اس موقع پر دغا نہ کریں اور قرمطی کے ساتھ نہ ہو جائیں۔ لہٰذا اس نے ایسے افسروں پر سخت نگرانی رکھی۔ خصوصاً ابن فرات بہت قابو میں رکھا گیا[3]۔ کچھ تاخیر کے بعد قرامطہ نے اس خندق کو، جو جوہر نے کھدوائی تھی عبور کرنے کی کوشش کی۔ مگر جوہر کی فوج نے اس حملے کو ایک نقصان عظیم کے ساتھ روک دیا۔ جس کی وجہ سے قرامطہ کو اپنا سامان چھوڑ کر قلزم کی طرف پسپا ہونا پڑا۔ معز نے بھی قیروان سے ابن عمار کو ایک بڑی فوج دے کر بھیجا۔ اس کی مدد سے جوہر تنیس[4] کی طرف بڑھا۔

---

[1] جعفر جوہر کی ماتحتی سے خوش نہ تھا۔ اس لیے اس نے مصر سے کافی مدد طلب نہ کی۔ اسی وجہ سے معز اس سے ناراض تھا۔

[2] اعمال فلسطین میں شامل ہے۔ (معجم البلدان $\frac{۴}{۱۰۰۳}$)

[3] اتعاظ الحنفا صفحہ (۸۵)

[4] بحیرۂ مصر میں ایک جزیرہ ہے جو درمیان فرما اور دمیاط کے واقع ہے (معجم البلدان $\frac{۱}{۸۸۲}$)

اہل تنیس جنھوں نے اپنے حاکم سے مقابلہ کر کے متعدد لوگوں کو قتل کر دیا تھا اپنی خطا پر نادم ہوئے اور جوہر سے معافی کی درخواست کی جس کو اس نے منظور کر لیا۔[1] قرامطیوں کا ایک بحری بیڑا بھی جو حسن کی مدد کے لیے آیا تھا ناکام رہا۔ اس کے پانسو آدمی گرفتار کر لیے گئے۔ اس کے بعد جوہر نے یافہ کو بھی چھڑا لیا۔ قرامطہ نے اس موقع پر ایسی زبردست شکست کھائی کہ ان کو دمشق تک پیچھے ہٹنا پڑا۔ اور ان کا زور بالکل ٹوٹ گیا۔ مگر کچھ عرصے کے بعد انھوں نے پھر قوت حاصل کر کے بنو فاطمہ کا مقابلہ کیا جس کا ذکر آئندہ کیا جائے گا۔

دمشق میں فتنے۔ شام فاطمیین کے قبضے میں بہت دنوں تک نہ رہ سکا

جب معز کو یہ خبر ملی کہ ابو طاہر قرمطی شام میں شکست کھا کر اپنے مستقر ہجر[2] کو واپس ہو گیا ہے تو اس نے ۳۶۳ھ میں ظالم بن موہوب عُقیلی کو دمشق کا والی بنا کر بھیجا۔ دمشق پہنچتے ہی اُسنے وہاں کے پہلے والی ابو المنجا اور اس کے بیٹے کو چند اور قرامطہ کے ساتھ قید کر کے مصر بھیج دیا۔ اس کے بعد قائد ابو محمود جسے معز نے قرامطہ کا پیچھا کرنے کے لیے بھیجا تھا اپنے مغاربہ کے لشکر کے ساتھ واپس ہوا۔ اور ظالم عقیلی کے مشورے سے دمشق کے باہر ٹھیرا تاکہ اگر قرامطہ پھر واپس ہوں تو ان کا مقابلہ کرے۔ لیکن خود اس کے سپاہیوں نے بجائے امن و امان قائم کرنے کے قرب و جوار کے دیہات میں بہت فساد برپا کیا۔ اور لوگوں کا مال و اسباب لوٹ لیا۔ یہاں تک کہ شہر کے بعض حصوں کو جلا بھی دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دمشقیوں اور مغاربہ میں کئی معرکے ہوئے۔ ظالم نے بہت مدارات اور نرمی سے کام لیا تاکہ شہر میں امن قائم ہو مگر اس کی کوشش زیادہ کامیاب ثابت نہ ہوئی۔

---

[1] ۔ اتعاظ الحنفاء صفحہ (۸۵)

[2] ۔ بحرین کا صدر مقام ہے اور بحرین اعمال عراق میں ہے (معجم البلدان ۱۱/۵۰۷)

۳۶۴ھ میں پھر ایک بڑا فتنہ برپا ہوا۔ قائد ابو محمود کتامی اور دمشقیوں کے درمیان یہ قرار پایا کہ ظالم عقیلی کو شہر سے نکال دیا جائے اور اس کی بجائے ابو محمود کے بھانجے جیش ابن صمصامہ کو مقرر کیا جائے ۔ اس والی نے کچھ دنوں تک امن قائم رکھا۔ لیکن مغاربہ نے پھر شورش کی اور دمشقیوں سے خوب لڑے۔ مالی اور جانی بڑا نقصان ہوا۔ معز نے ابو محمود کو معزول کر کے قائد ریان کو دمشق کی ولایت دی۔ عزیز کی خلافت میں ایک ترکی سردار افتگین نے ریان کو مغلوب کر کے شام میں عباسیوں کے خطبے شروع کر دیے۔ پھر کبھی شام پر بنو فاطمہ کا قبضہ نہ ہو سکا۔[1]

محمد بن خزر زناتی کی خودکشی ۳۶۲ھ

زناتہ بربر کے بڑے قبیلوں میں سے ایک قبیلہ تھا جس کا سردار محمد بن حسین بن خزر بڑا سرکش اور باغی تھا۔ جب کبھی اس کو موقع ملتا۔ بنی فاطمہ کے خلاف بغاوت کا جھنڈا بلند کرتا۔ چنانچہ ۳۵۸ھ میں اس نے بنی فاطمہ کا مقابلہ کیا۔ کئی بربر اس کے ساتھ ہو گئے اس وقت معز خود اس کے مقابلے کے لیے نکلا۔ ابن خزر موضع باغایہ کے والی سے لڑ رہا تھا۔ جب اس نے معز کے روانہ ہونے کی خبر سُنی تو مارے خوف کے باغایہ کی پہاڑیوں میں روپوش ہو گیا۔ معز نے اپنے جنرل یوسف بُلکین کو اس کے گرفتار کرنے کا حکم دیا۔ یوسف نے بہت تلاش کی مگر ابن خزر نہ ملا۔ پھر معز اپنے دارالخلافے کو واپس ہو گیا۔ ۳۵۹ھ میں ابن خزر معز کے دربار میں حاضر ہوا اور معافی چاہی۔ معز نے اس کی پہلی خطائیں معاف کر دیں اور اُسے بڑی تنخواہ سے سرفراز کیا۔ اسی طرح ابن خزر نے کئی دفعہ معز کی مخالفت کی اور پھر معافی چاہی۔ معز ہمیشہ اس کے ساتھ احسان اور نیک سلوک کرتا رہا۔ ۳۶۲ھ میں ابن خزر نے اپنے قبیلے کو جمع کر کے مصر پر حملہ کرنے کی تیاری کی۔ چونکہ اس وقت معز مصر روانہ ہونے کا مصمم ارادہ کر چکا تھا۔

---

[1] ابن الاثیر ۸ ۔ ۲۵۲ - ۲۵۴

لہذا اس نے یہ مناسب نہ سمجھا کہ ابن خزر یونہی چھوڑ دیا جائے۔ اور اس کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کرنے کی تدبیر پر یوسف بلکین کو مقرر کیا۔ یوسف نے موقع پاکر ابن خزر کو ایسے وقت پر گرفتار کیا جب وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ شراب نوشی میں مشغول تھا۔ جب ابن خزر نے یہ محسوس کیا کہ اب وہ یوسف کے پنجے سے چھوٹ نہیں سکتا تو اس نے خودکشی کرلی۔ یوسف نے اس کے چند ساتھیوں کو قتل کیا اور بعض کو قید کرکے مغرب بھیج دیا۔ جہاں اس کامیابی پر معز نے تین دن تک خوشی منائی اور مبارک باد کے جلسے کیے۔ یوں بھی کہا جاتا ہے کہ یوسف اور ابن خزر میں بہت سی لڑائیاں ہوئیں۔ آخری لڑائی میں جب اس نے محسوس کیا کہ اب شکست قریب ہے تو اس نے خودکشی کرلی۔ اس معرکے میں زناتہ قبیلے کے سترہ سردار مارے گئے اور بہت سے قید ہوئے[1]۔

مغرب سے مصر کو معز کی روانگی اور مغرب کا سیاسی انتظام ۳۶۲ھ

مصر ۳۵۸ھ میں فتح ہوا۔ اس زمانے سے ۳۶۲ھ یعنی تقریباً چار سال تک جوہر ہی مصر پر بنو فاطمہ کی طرف سے حکومت کرتا رہا۔ ۳۶۱ھ کے اواخر میں اس نے معز کو مصر آنے اور عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لینے کے لیے لکھا۔ ۳۶۲ھ میں معز مصر پہنچا اور بذات خود حکومت کرنی شروع کی۔ اس تاخیر کی وجہ ممکن ہے یہ ہو کہ معز کو اب تک کوئی ایسا آدمی نہ ملا ہو جو مغرب میں اس کی نیابت کرسکے۔ اس لیے وہ مغرب کو چھوڑنا نہیں چاہتا تھا۔ تاکہ اس کا سیاسی انتظام درہم برہم نہ ہو جائے۔ جوہر کے خطوط وصول ہونے کے بعد اس نے مصر جانے کا پختہ ارادہ کرلیا۔ مغرب کی ولایت کے لیے اس نے پہلے جعفر بن علی بن حمدون کا انتخاب کیا۔ جب اس نے جعفر کے روبرو اپنا منشا ظاہر کیا تو جعفر نے کہا میں ولایت اس شرط پر

---

[1] - ابن خلدون ۴/۴۹

قبول کرتا ہوں کہ تمام سیاسی اختیارات مجھے دے دیے جائیں۔ میں کسی
امر میں خلیفہ کا محتاج نہ رہوں۔ اس کے متعلق جعفر نے یہ حجت پیش کی کہ
مصر مغرب سے بہت دور ہے۔ اگر اس کو تمام اختیارات نہ دیے گئے
تو معاملات کے فیصلے میں دقت ہوگی۔ یہ رائے معز کو پسند نہیں آئی۔
جعفر کو رخصت کرکے اس نے یوسف بلکین بن زیری (صنہاجی) کو طلب
کیا۔ اور اس سے کہا "اے یوسف تم مغرب کی ولایت کے لیے
تیار ہو جاؤ"۔ یوسف نے پہلے تو اس بار عظیم کے اٹھانے میں پس و پیش کیا
اور معز سے کہا "اے مولانا آپ اور آپ کے اسلاف رسول خدا صلعم کی
ذریت سے ہیں۔ جب آپ کے لیے مغرب کی حکومت کی فضا صاف
نہیں ہوئی تو میرے لیے کس طرح ہو سکتی ہے۔ میں ایک صنہاجی بربر ہوں۔
معز نے یوسف کو بہت سمجھایا۔ آخر کار یوسف نے مغرب کی ولایت
اس شرط پر قبول کی کہ قضاء اور خراج کا اختیار معز ہی کے ہاتھ میں رہے۔
وہ صرف اہل قضاء اور خراج کی شکایتیں معز کی خدمت میں پیش کر دے گا
اور ملک کی ہر طرح سے خدمت کرے گا۔ یہ بات معز کو پسند آئی اور وہ
مغرب کی ولایت یوسف کے سپرد کرکے مصر کو روانہ ہوا۔ روانہ ہوتے وقت
بہت سا مال بھی اپنے ساتھ لے گیا۔ کہا جاتا ہے کہ دینار پگلائے گئے
اور ان میں سے جو سونا نکلا اس کے چکی کے پاٹ بنائے گئے۔ اور ان پر معز کا نام کندہ
کیا گیا۔ ہر اونٹ پر دو پاٹ لادے گئے جملہ اونٹوں کی تعداد جن پر ایسے پاٹ اور
دوسرے ذخیرے لدے تھے دو سو تھی۔ شوال کی اکیسویں تاریخ ۳۶۱ھ میں معز
نے منصوریہ سے روانہ ہو کر سردانیہ میں کچھ عرصے تک اقامت کی جہاں
اس کے بال بچے اس سے آملے۔ جن اہل علم و فضل نے معز کے ساتھ
ہجرت کی ان میں قاضی نعمان بن محمد اور اس کا خاندان بھی تھا۔

بلاد مغرب کی حکومت کا معز کو اتنا اہتمام تھا کہ اس نے
بلکین بن زیری کو بہت دور تک اپنے ساتھ ہی رکھا اور بلاد مذکورہ کے
سیاسی معاملات کے متعلق اس کو بہت سی نصیحتیں کیں۔ ۱۲ ذی الحجہ ۳۶۱ھ کو

مغرب کی ولایت کا عہدہ اس کو دیا اور اس کی کنیت ابو الفتوح اور نام یوسف[1] رکھا۔ جزیرہ صقلیہ پر حسن بن علی بن ابی الحسین کو اور طرابلس پر عبد اللہ بن یخلف الکتامی کو والی مقرر کیا۔ اموال افریقیہ کی جبایت کا عہدہ زیادۃ اللہ بن القدیم کو اور خراج کا عہدہ عبد الجبار خراسانی اور حسین بن خلف الموصدی کو دیا۔ ان سب کو یوسف کے ماتحت رہنے اور اس کی فرماں برداری کرنے کا حکم دیا گیا۔ چار ماہ معز نے سردانیہ میں اقامت کی تاکہ بلادِ مغرب کے سیاسی انتظام میں کوئی کسر باقی نہ رہے۔ سردانیہ سے روانہ ہونے کے بعد بھی اس نے یوسف کو کچھ دُور تک اپنے ساتھ رکھا اور اس کو ملکی معاملات کے متعلق ہدایات دیتا رہا۔ جب وہ رخصت ہوا تو اس سے کہا "اے یوسف اگر تو میری نصیحت کو بھول جائے تو خیر۔ مگر تین باتوں کو ہرگز نہ بھولنا۔ اہل بادیہ کو کبھی محصول معاف نہ کرنا۔ بربری گردنوں سے کبھی تلوار نہ ہٹانا۔ اور اپنے رشتہ داروں کو کبھی والی نہ بنانا۔ کیونکہ وہ لوگ اپنے آپ کو تجھ سے زیادہ مستحق سمجھتے ہیں اور شہر والوں سے ہمیشہ اچھا سلوک کرنا"[2]۔

سردانیہ سے نکل کر معز طرابلس کو روانہ ہوا۔ جہاں اس کے لشکر کا ایک حصہ اس سے علیحدہ ہو کر جبال نفوسہ[3] کی طرف بھاگ گیا۔ معز نے اس کو گرفتار کرنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ اس کے بعد وہ برقہ کی طرف بڑھا۔ اس مقام پر شاعر ابن ہانی کو جو اس کے ساتھ تھا کسی نے دھوکے سے مار ڈالا۔ یہ شاعر دریا کے کنارے مقتول پایا گیا اس کے قاتل کا پتا نہ لگا۔ یہ بہترین شاعروں میں سے تھا۔ معز کے ساتھ سفر میں استاذ جوذر بھی تھا جو اس کا ایک وفادار غلام تھا۔ برقہ میں اس غلام نے وفات پائی۔

---

[1] اس والی کا اصل بربری نام بُلکّین تھا۔ یہ صنہاجہ قبیلے سے تھا۔

[2] ابن الاثیر $\frac{8}{245}$

[3] جبل نفوسہ سے طرابلس المغرب تین دن کا راستہ ہے۔ یہاں قبیلۂ ہوارہ رہتا تھا (ادریسی ۵۷)

خود قاضی نعمان بن محمد نے اس کو غسل دیا جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ معز اپنے غلاموں کو کس وقعت کی نظر سے دیکھتا تھا۔ معز نے اپنے دیگر ساتھیوں کے ساتھ سفر میں ایسا اچھا سلوک کیا جو بیان نہیں کیا جا سکتا[1]

معز کا ورود مصر میں ۳۶۲ھ

جب جوہر کو موضع قابوس پر یہ خبر ملی کہ معز عنقریب مصر میں وارد ہونے والا ہے تو اس نے اس کے استقبال کی تیاری شروع کی۔ محل شاہی کی عمارت میں اضافہ کیا اور اس کو مکمل طور پر آراستہ و پیراستہ کیا۔ جیزہ پر دو نئے پل بنوائے۔ قاضی مصر ابو طاہر محمد بن احمد اور دوسرے فقہاء اور بڑے بڑے تاجر سب معز کے استقبال کے لیے مصر سے اسکندریہ روانہ ہوئے۔ معز نے ان سے مل کر دیر تک گفتگو کی اور یہ کہا "اے لوگو میں مال یا لشکر کی زیادتی کے لیے نہیں آیا ہوں۔ میں صرف جہاد کرنے آیا ہوں۔ مسلمانوں کی مدد کرنا میرا اصلی مقصد ہے"۔ اس کے بعد اس نے قاضی مذکور کو خلعت سے سرفراز کیا۔ اتنے میں ابو جعفر مسلم بن عبید اللہ حسینی اور دیگر شرفاء مثلاً ابو الحسن محمد بن احمد (اورع) ابو اسمٰعیل رسّی۔ عیسیٰ برادر مسلم بن عبید اللہ بن یحییٰ بن طاہر بن (سویح) بھی حاضر ہوئے اور عزت باریابی حاصل کی۔ معز ابو جعفر مسلم بن عبید اللہ سے بہت احترام سے پیش آیا۔ چونکہ گرمی کا موسم اور ماہ صیام تھا لہٰذا اس کی سواری کے لیے ایک خاص قبہ کا حکم دیا۔ پھر وہ تمام فقہاء اور امراء کے ساتھ جیزہ اور فسطاط ہوتا ہوا ۷ ماہ رمضان ۳۶۲ھ میں قاہرہ پہنچا۔ اس تاریخ سے قاہرہ دار الخلافۃ بن گیا۔ اس سے پیشتر دار الامارہ تھا مصر پہنچتے ہی معز نے شکر کا سجدہ کیا اور نماز دوگانہ پڑھی۔ دوسرے دن شہر کے تمام عہدہ دار تہنیت کی غرض سے معز کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جوہر اور ابو جعفر مسلم نے اپنے اپنے قیمتی ہدیے پیش کیے اس موقع پر معز نے ایک ہزار قیدی جن میں اکثر اخشیدی اور کافوری شامل تھے رہا کر دیے۔

---

[1] عیون الاخبار ۶ / ۱۸۸-۱۹۶

فاطمی خاندان کے جو افراد مصر میں معز کے ساتھ داخل ہوئے اُن میں مہدی۔ قائم اور منصور کی اولاد تھی۔ ان میں سے کوئی مغرب میں باقی نہ رہا۔ معز اپنے ساتھ اپنے بزرگوں کے تابوت بھی لایا جو مصر کے مشہور قبرستان قرافہ میں دفن کیے گئے[1]۔

معز کے ساتھ قیروان کے دو قاضی ابو حنیفہ نعمان بن محمد اور ابو طالب احمد بن القاسم بن المنہال بھی مصر پہنچے۔ اس کے قبل جوہر کے زمانے میں مصر میں ابو طاہر محمد الذہلی قضا کے عہدے پر مامور تھا۔ معز نے اسے اس خدمت پر برقرار رکھا۔ اور قیروان کے دونوں قاضیوں کو کوئی عہدہ نہیں دیا گیا[2]۔ البتہ قاضی نعمان بن محمد کو قاضی محمد الذہلی کے ساتھ مشورہ میں شریک رہنے[3] کی ہدایت دی گئی۔

مصر میں داخل ہونے کے بعد معز خود حکومت کرنے لگا۔ جوہر نے علیحدگی اختیار کی۔ ۱۰ ماہ رمضان کو تمام شیوخ کو لکھا گیا "خیر الناس بعد رسول اللہ علی بن ابی طالب"۔ پہلی عید الفطر کو معز نے ایسا خطبہ پڑھا جس سے سامعین بہت متاثر ہوئے۔ ملک کے سیاسی نظم و نسق میں بڑی دلچسپی لی۔ رعیت کی شکایتیں دور کیں۔ الغرض ملک کے ہر صیغہ کا معقول انتظام کیا۔

تحصیل اموال کی کیفیت ۳۶۳ھ

اپنی مسجد کے قریب ایک نئی عمارت بنوائی جس میں اقسام کے محاصل اور خراج جمع کرنے کا حکم دیا اور اس پر یعقوب بن کلس اور عسلوج بن الحسن کو مقرر کیا۔ صرف ایک طرز عمل سے لوگوں کی مالی حالت کو بہت نقصان پہنچا۔ یہ فرمان جاری کیا گیا کہ دینار معزی ہی قبول کیا جائے۔ اس سے دینار راضی کی قیمت ربع دینار سے بھی زیادہ گھٹ گئی۔ دینار معزی کا بھاؤ

---

[1] اتعاظ الحنفاء۔ ۹۶۔

[2] Wustenfeld, p. 132.

[3] عیون الاخبار $\frac{5}{379}$

۱۵ ½ درہم ہوگیا۔ یہ طریقہ ۳۶۵ھ کے محرم تک جاری رہا جس سے بیت المال میں ایک کثیر رقم جمع ہوگئی۔ یہ تمام رقم مصر پر خرچ کی گئی۔ معز کے مصر میں وارد ہونے کے وقت خزانے میں زیادہ روپیہ نہ تھا۔ ملک کی ضرورتوں خصوصاً فوجی مصارف میں خرچ ہو چکا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ معز نے مصر کی اصلاحات پر جو دولت صرف کی اس کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔ صرف فسطاط کی اوسط آمدنی پچاس ہزار دینار تھی۔ بعض وقت ایک لاکھ بیس ہزار بلکہ اس سے بھی زیادہ تک پہنچ جاتی تھی[1]

مصر میں مغاربہ کی سکونت کا انتظام

معز کے ساتھ جو لوگ مصر آئے تھے ان میں اکثر مغاربہ تھے۔ ان میں سے چند قرافہ اور معافر کے اطراف واکناف میں رہنے لگے اور مصریوں کو ان کے گھروں سے نکال دیا۔ حالانکہ معز نے ان کو صرف شہر قاہرہ کے اطراف میں سکونت اختیار کرنے کی اجازت دی تھی۔ جب مصریوں کی شکایت معز تک پہنچی تو وہ خود سوار ہو کر نکلا۔ مصریوں کو ان کے مکانات واپس دلوائے۔ مغاربہ کو یہ حکم دیا کہ وہ عین شمس کے اطراف میں سکونت پذیر ہوں۔ نئے مکانات کی تعمیر کے لیے انھیں رقمیں مہیا کی گئیں۔ جس مقام پر ان کو رہنے کی اجازت دی گئی تھی وہ زمانۂ حال میں خندق العبید کہلاتا ہے۔ بعض مغاربہ کو اہل مصر کے ساتھ مل کر رہنے کی اجازت بھی دی گئی۔ جوہر کے زمانے میں کسی مغربی کو شہر میں رہنے کی اجازت نہ تھی اور نہ وہ شہر میں شب باشی کر سکتا تھا۔ ہر شب ایک منادی یہ ندا کرتا تھا کہ کوئی مغربی شہر میں شب باشی نہ کرے[2]

معز کا خط حسن قرمطی کے نام اور قرامطہ کی مصر پر حملہ کرنے کی آخری کوشش اور ان کی ناکامی

۳۶۳ھ میں قرامطہ نے مصر پر حملہ کرنے کی پھر کوشش کی۔ اخشیدیوں کی مدد حاصل کر کے موضع عین شمس میں جمع ہو رہے۔ معز کو یہ خبر پہنچی تو اس نے

[1] تفصیل آمدنی کے لیے ملاحظہ ہو (اتعاظ الحنفاء، ۹۷)۔ [2] اتعاظ الحنفاء صفحہ ۹۲

ان کے سردار حسن بن احمد القرمطی کو جو ابو طاہر سلیمان کا بھتیجا تھا ۳۶۳ھ میں ایک طویل خط قاہرہ سے لکھا جو اتعاظ الحنفاء میں نقل کیا گیا ہے۔ یہ خط نہایت اہم ہے۔ کیونکہ اس سے فاطمیین مصر اور قرامطہ کا تعلق ظاہر ہوتا ہے۔ دونوں ہم مذہب نظر آتے ہیں۔ دونوں کے اصلی عقائد میں کچھ فرق معلوم نہیں ہوتا۔ صرف سیاسی صدارت کا اختلاف پایا جاتا ہے۔ اگر ایسا نہ تھا تو ابو سعید الجنابی (متوفی ۳۰۱ھ) اور ابو طاہر سلیمان (متوفی ۳۳۲ھ) فاطمیین کے "نیک بندوں" میں شامل نہ کیے جاتے اور نہ ان کے اعمال کی جن کی تفصیل آئندہ آئے گی[1] تحسین کی جاتی۔ حالانکہ ان دونوں کے انتقال کے کئی سال بعد یہ خط لکھا گیا ہے۔ اس خط کی اصلیت میں کچھ کلام نہیں ہے۔ خود داعی ادریس بن حسن (متوفی ۸۷۲ھ) نے اپنی مشہور کتاب زہر المعانی میں اس کے اکثر حصوں کی شرح کی ہے جن میں آئمہ اوصاف الٰہیہ سے موصوف کیے گئے ہیں[2]۔ شاید اسی وجہ سے یہ کہا جاتا ہے کہ یہ لوگ حلول و تناسخ کے قائل تھے۔ ہم اس خط کے چند فقروں کا ترجمہ یہاں درج کرتے ہیں جن سے امور مذکورہ بالا پر روشنی پڑتی ہے۔ معز کہتا ہے "اے حسن بن احمد القرمطی ہم وہ اشباح و ارواح ہیں جو اس وقت پیدا ہو چکے تھے جب کہ نہ زمین تھی نہ آسمان۔ یہ چیزیں ہمارے لیے بنائی گئی ہیں اور ہم پر دلالت کرتی ہیں۔ پھر اللہ نے آدم اور حوا کو پیدا کیا۔ ہم اصلاب زکیہ سے ارحام طاہرہ کی طرف منتقل ہوتے چلے آرہے ہیں۔ ہر نبی اور وصی نے ہماری بشارت دی ہے۔ ہم نے ہر زمانے میں اپنی قدرت اور اپنا علم ظاہر کیا ہے۔ ہم اللہ کے کلمات اور اسماء ہیں۔ ہم سے کوئی امر خارج نہیں۔ نہ ہم سے کوئی زمانہ خالی ہے۔ جیسا اللہ تعالیٰ کہتا ہے "جب تین آدمیوں کا مشورہ ہوتا ہے تو ضرور ان کا چوتھا وہ ہوتا ہے اور پانچ کا مشورہ ہوتا ہے تو ضرور ان کا چھٹا وہ ہوتا ہے۔ اور اس سے کم ہوں یا زیادہ۔ کہیں بھی ہوں وہ ضرور ان کے ساتھ ہوتا ہے۔ پھر جس قسم کے عمل یہ کرتے ہیں

---

[1] فصل ۳۱ (ابو طاہر سلیمان وغیرہ)　　[2] زہر المعانی (۶۵۲ تا ۶۶۱)

قیامت کے دن وہ ان کو جتا دے گا۔ کیونکہ اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔[۱] یہ خط ہم فسطاط مصر سے لکھ رہے ہیں اور ہم یہاں پہنچ گئے ہیں۔ ہم بغیر علم موضوع اور حکم مجموع" کے نہ کوئی قدم اٹھاتے اور نہ کوئی قدم رکھتے ہیں۔ تو اپنے آباؤ اجداد کے دین سے پھر گیا ہے۔ ہم تیری حرکتوں سے خوب واقف ہیں۔ میں تجھے دیکھ رہا ہوں اور تیری باتیں سن رہا ہوں۔ جیسا اللہ کہتا ہے۔ "میں تمھارے ساتھ ہوں اور سب کچھ سنتا ہوں اور دیکھتا ہوں"[۲]۔ تو کیوں اپنے دادا ابو سعید الجنابی اور (اپنے چچا) ابو طاہر کی پیروی نہیں کرتا۔ کیا تو نے ان کی کتابیں نہیں پڑھیں۔ کیا تو نہیں جانتا کہ وہ ہمارے ایسے بندے تھے جن کا عزم قوی عمل نیک اور راستہ سیدھا تھا۔ ہماری تائید اور برکت سے انھوں نے بنو عباس کا مقابلہ کر کے ملک حاصل کیا اور سردار بن گئے۔ اللہ تعالیٰ ان پر اپنی نظر عنایت رکھتا تھا یہاں تک کہ وہ دنیا سے گذر کر جنت میں جا بسے ان کی زندگی اچھی گذری۔ ان کے مرنے کے بعد ان کے امثال مفقود ہو گئے۔ ان کے لیے (آخرت میں) خوشحالی اور اچھا ٹھکانا ہے۔ کیا تو نہیں جانتا کہ زمانہ قریب الختم ہے۔ مطیع باللہ عباسیوں کا آخری خلیفہ ہے۔ توبہ کے لیے تیار ہو جا۔ تو نہیں جانتا تھا کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ہے۔ لیکن ہم نے اس کو ایک نور بنایا ہے کہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں اسکے ذریعے دین کا راستہ دکھاتے ہیں[۳]۔

اس خط کا قرمطی نے مختصر جواب یہ دیا کہ "اے معز تیرا خط پہنچا جس کی تفصیل کثیر اور اس کی تحصیل قلیل ہے۔ لے اب ہم تیری طرف روانہ

---

[۱] - پوری آیت یہ ہے:- الم تر ان اللہ یعلم ما فی السموات وما فی الارض ما یکون من نجوی ثلثة الا ھو رابعھم ولا خمسة الا ھو سادسھم ولا ادنیٰ من ذلک ولا اکثر الا ھو معھم این ما کانوا ثم ینبئھم بما عملوا یوم القیامة ان اللہ بکل شیئٍ علیم (القرآن $\frac{58}{8}$)۔ [۲] - قال اللہ تعالیٰ "لا تخافا اننی معکما اسمع واریٰ" (القرآن $\frac{20}{46}$)۔ [۳] - القرآن $\frac{42}{52}$ اتعاظ الحنفاء ۱۴۳-۱۴۲

ہو رہے ہیں[1]۔ اس کے بعد معز نے قرامطہ کے مقابلے کے لیے اپنے بیٹے عبداللہ کو بھیجا۔ ابتدا میں قرامطہ کو کچھ کامیابی حاصل ہوئی اور انھوں نے اس خندق کو عبور کرنے کی کوشش کی جسے جوہر نے ان کو روکنے کے لیے تیار کیا تھا۔ معز نے خفیہ طور پر جاسوسوں کے ذریعے بنی طی کو جو اپنے سردار حسان بن جراح کے تحت محض لوٹ مار کی غرض سے حسن قرمطی کے ساتھ ہو گئے تھے ایک لاکھ دینار رشوت دی جس کی وجہ سے انھوں نے حسن کا ساتھ چھوڑ دیا۔ خزانے سے چونکہ یہ رقم فراہم نہ ہو سکی معز نے سیسے اور تانبے کے دینار ڈھلوائے۔ بنی طی کے الگ ہو جانے سے حسن قرمطی بالکل ناکام رہا۔ اس کا خیمہ لوٹ لیا گیا اور تقریباً پانسو سپاہی قتل ہوئے۔ اس ناکامی کے بعد آپس کی اندرونی خصومتوں کے باعث قرامطہ کا شیرازہ بالکل بکھر گیا۔ اور پھر کبھی وہ اپنی کھوئی ہوئی قوت حاصل نہ کر سکے۔ مزید تفصیل آگے آئے گی۔

معز اور افتکین ترکی[2]

۳۶۴ھ میں ایک ترکی قائد افتکین نے کچھ قوت حاصل کر لی اور شام میں بنو فاطمہ کے مقابلے پر آمادہ ہو گیا۔ ابتدا میں یہ شخص معز الدولہ بن بویہ کا غلام تھا۔ اس کے بیٹے عضد الدولہ بختیار کے زمانے میں یہ ترکی فوج کا قائد مقرر کیا گیا۔ ایک لڑائی کے دوران میں جو ترک اور دیلم کے درمیان ہوئی اس کے ساتھیوں نے اپنے فریق کا ساتھ چھوڑ دیا جس کی وجہ سے یہ حمص (شام) کی طرف بھاگ گیا۔ اس وقت اس کے ہمراہ چند ترکی سپاہی بھی ہو گئے جن کی تعداد تقریباً چار سو تھی۔ حمص کے قریب پہنچتے ہی ظالم بن موہوب عقیلی کو جو فاطمی فوجوں کا افسر تھا خوف پیدا ہوا کہ وہ بنو عباس کی طرف سے دمشق پر حملہ کرے گا۔ شہر کی حفاظت کے لیے ظالم نے اس کا پیچھا کیا اور اس کو گرفتار کرنے کی کوشش کی لیکن وہ گرفتار نہ ہو سکا اور بچ کر دمشق چلا گیا جہاں

---

[1] ابن خلدون ۴/۵۰ — [2] اسے الفتکین کہتے تھے (جرجی زیدان ۱/۲۱۰)

ریان خادم معز کی طرف سے والی تھا۔ اس والی سے اہل دمشق ناراض تھے۔ اس ناراضی کے دو سبب تھے۔ پہلا یہ کہ اہل دمشق اور بنو فاطمہ کے درمیان مذہبی مخالفت تھی۔ دوسرا یہ کہ ریان خادم چند نوجوانوں کے جال میں پھنس گیا تھا۔ یہ لوگ رعیت پر ظلم کرتے تھے۔ اعیان شہر ملکی معاملات میں حصہ نہیں لے سکتے تھے۔ افتکین[1] کے دمشق میں آتے ہی اکثر دمشق کے شیوخ اور شرفا اس کے ساتھ ہو گئے۔ ان کی مدد سے اس نے ریان کو شہر سے نکال دیا۔ اور معز کا خطبہ موقوف کر کے خلیفہ عباسی طائع باللہ کا خطبہ پڑھوا دیا۔ ریان کے نوجوانوں کا جنھوں نے سلطنت کے امور کو بگاڑ دیا تھا خاتمہ کیا۔ شہر میں بہت سی اصلاحیں کیں۔ دمشق پر پورا قابو حاصل کرنے کے بعد اس نے معز سے مراسلت کی اور اس کی اطاعت قبول کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ معز نے اس کو اپنے پاس بلایا تا کہ اس کو خلعت سے سرفراز کرے اور دمشق کی ولایت کا عہدہ اس کو دے۔ افتکین کو اس جواب سے اطمینان نہ ہوا اور وہ اس کے پاس جانے سے رکا۔ معز نے اس کے مقابلے کے لیے لشکر تیار کیا مگر اسی اثنا میں خود اس کا انتقال ہو گیا۔[1]

دولت فاطمیہ اور اہل کتاب

عام اسلامی ریاستوں میں یہ طرز عمل کم و بیش جاری تھا کہ اہل اسلام کے علاوہ اہل کتاب کو بھی ملکی ذمہ دار عہدے دیے جاتے تھے۔ فاطمیین نے سوائے حاکم کے اس میں بہت مبالغہ کیا جیسا آئندہ معلوم ہو گا۔ اس کے کئی اسباب ہو سکتے ہیں۔ اولاً بعض حکمرانوں نے اہل کتاب سے رشتہ داری پیدا کی۔ چنانچہ عزیز کی بیوی نصرانیہ تھی[2] اور مستنصر کی ماں ایک یہودی تاجر کی لونڈی تھی[3]۔ ثانیاً اہل کتاب اپنی انتظامی اور حسابی قابلیت کی وجہ سے وزارت کے عہدے تک پہنچ گئے تھے۔ ثالثاً ممکن ہے کہ اہل سنت اور شیعی فرقوں کو مطمئن کرنے

---

[1] ابن الاثیر ۸/۲۶۰
[2] فصل ۱۵ (عزیز کی سیرت)
[3] فصل ۱۷ (مستنصر کا قیام)

کے لیے اہل کتاب کو ترجیح دی گئی ہو کیونکہ دولتِ فاطمیہ کا مذہب اسمٰعیلی تھا۔ لیکن یہ پالیسی کامیاب ثابت نہ ہوئی کیونکہ اہل کتاب نے اپنے ہم مذہبوں کی طرفداری کرنا شروع کی اور مسلمانوں کو نقصان پہنچایا۔ چوطرف سے شکایتیں ہونے لگیں۔ جیسا آئندہ واقعات سے ظاہر ہوگا۔

معز نے اپنے عہد کے مشہور یہودی طبیب موسیٰ بن العزار اور اس کے دونوں بیٹوں اسحاق اور اسمٰعیل کو طبابت کے اعلیٰ عہدوں پر سرفراز کیا۔ یہ صرف بڑے پائے کے طبیب ہی نہ تھے بلکہ موسیٰ فن فارما کوپیا میں ایک ممتاز مصنف ہوا ہے۔ اسی زمانے میں ایک نصرانی طبیب سعید بن بطریق گذرا ہے جو اسکندریہ کے مالکی کینسہ کا بطریق بھی تھا۔ اس نے فن طب کی ایک تاریخ لکھی ہے جس کا عربی اور لاطینی نسخہ ۱۶۵۸ء میں بلدۂ اکسفورڈ میں شایع ہوا۔ اس کا سن وفات ۳۲۸ھ ہے۔[1]

معز کی وفات اور اس کی سیرت

۳۶۵ھ میں معز نے وفات پائی۔ اس کی عمر اس وقت ۴۵ سال کی تھی ۲۰ سال مغرب میں حکومت کرنے کے بعد ۳۶۲ھ میں وہ قاہرہ پہنچا اور اس کو اپنا دارالخلافہ بنایا۔ فاطمیینِ مصر میں یہ پہلا حکمران ہے جس نے بنو فاطمہ کی حکومت کی بنیاد مصر و شام وغیرہ میں قائم کی۔ اپنی سہ سالہ حکومت میں اس نے مصر کو وہ رونق بخشی جس کی وجہ سے قاہرہ دوسرے بڑے اسلامی شہروں کا مقابلہ کرنے لگا۔ یہ شہر آج تک معز ہی کی طرف منسوب ہے اور قاہرۂ معزیہ کہلاتا ہے۔

یہ حاکم عالم۔ فاضل۔ سخی اور جواں مرد تھا۔ اس نے اپنی حُسنِ سیرت اور انصاف میں اپنے باپ کا چلن اختیار کیا تھا۔ جس طرح اس کے آباء و اجداد اپنی دعوت کے عقائد کو عوام سے چھپاتے تھے اسی طرح یہ بھی چھپاتا تھا۔

---

[1] O'Leary, p. 138. تفصیل کے لیے دیکھیے "خلافت فاطمیین کی سیاست یہود و نصاریٰ کے ساتھ" (فصل ۲۷)۔

صرف خاص خاص لوگوں پر ہی ان کو ظاہر کرتا تھا۔ اگر اس نے کبھی بعض باتیں ظاہر بھی کیں تو صرف اس حد تک کہ جن سے رعیت ناخوش نہیں ہوئی۔[1]

اپنی رعیت کے علاوہ اُسے ہمیشہ عام مسلمانوں کی بہبودی کا خیال رہتا تھا۔ چنانچہ جس زمانے میں وہ مغرب میں حکمراں تھا اس کو یہ خبر پہنچی کہ حجاز میں بنی حسن اور بنی جعفر بن ابی طالب کے درمیان ایسی لڑائیاں ہو رہی ہیں۔ جن میں بنی حسن بہ نسبت بنی جعفر کے زیادہ مارے گئے ہیں۔ فریقین میں صلح مشکل ہے۔ یہ سنتے ہی معز نے خفیہ طور پر چند آدمیوں کو کچھ روپیہ دے کر حجاز بھیجا تاکہ وہ فریقین میں مصالحت کرا دیں۔ ان لوگوں نے معز کی طرف سے ستر بنی حسن کے مقتولوں کی دیت روپیوں کی شکل میں ادا کر دی جس کی وجہ سے فریقین میں صلح ہو گئی۔ اس احسان سے بنی حسن معز کے بہت ممنون ہو گئے۔ یہ واقعہ ۳۴۸ھ میں پیش آیا۔ دس سال بعد ۳۵۸ھ میں جب جوہر نے مصر فتح کیا تو انھی بنو حسن میں سے ایک شخص حسن بن جعفر نے معز کے نام کا خطبہ حرم میں پڑھوا دیا۔ جوہر نے اس کی اطلاع معز کو دی۔ معز نے حسن کو اپنی طرف سے حرم اور اس کے اضلاع کا والی مقرر کیا۔[2]

اس کا عدل و انصاف اس واقعے سے ظاہر ہے کہ اس نے بیت المال کے افسر محمد بن حسین المہذب کو اپنے ہاتھ سے یہ لکھ بھیجا کہ "اے محمد اگر ہم تجھے اپنے اور اپنے بیٹے عبداللہ کے لیے میوہ جات اور باورچی خانے کی ضروریات منگانے کا حکم دیں تو اسی نرخ سے منگا جس سے عام لوگ خریدتے ہیں۔ تاجروں کو اس بات کا علم نہ ہونے دے کہ تیرا آدمی خلیفہ کے لیے خریدتا ہے۔ تاکہ وہ کسی قسم کی رعایت کریں۔ جس سے ان کو نقصان پہنچے[3]۔ ایک دوسرا واقعہ مختصر طور پر یہ ہے کہ دولت اخشیدیہ کے زوال کے بعد اخشید کی بیوی نے

۱ھ۔ ابن الاثیر ۸/۲۶۳
۲ھ۔ اتعاظ الحنفاء ۶۵-۶۶
۳ھ۔ اتعاظ الحنفاء ۹۵۔

اپنا بیش بہا قمیص جس میں موتی ٹکے ہوئے تھے ایک یہودی کے پاس امانت رکھوایا تھا۔ مطالبے کے وقت یہودی مُکر گیا۔ معز نے بڑی کوشش سے وہ قمیص برآمد کرایا۔ اخشید کی بیوی نے یہ خواہش کی کہ معز ہی اُسے نذر کے طور پر قبول کرلے۔ لیکن معز نے اسے قبول نہ کیا اور زوجۂ اخشید کو واپس کردیا[1]۔

وہ کسی طرح سے اپنی بڑائی نہیں چاہتا تھا۔ بنی نوع انسان کی مساوات کا بہت حامی تھا۔ ایک دفعہ کچھ لوگ اس کے محل میں جمع ہوئے۔ ان میں بعض شرفاء، بعض فوج کے سردار، اور بعض خدمت گار بھی تھے۔ کسی شخص نے ایک شریف سے کہا "اے شریف تم یہاں بیٹھو" یہ سُن کر ایک کتامی نے کہا دنیا میں سوائے مولانا المعز کے کوئی شریف نہیں ہے۔ اگر کسی نے یہ دعویٰ کیا کہ میں شریف ہوں تو ہم اُسے قتل کردیں گے"۔ معز تک یہ قول پہنچا۔ لوگ جب اُس کے دربار میں بلائے گئے تو اس نے شرفا سے مخاطب ہو کر کہا "اے فاطمہ کے فرزندو تم سب شرفاء میرے رشتہ دار ہو جس طرح میں فاطمہ کی نسل سے ہوں۔ اسی طرح تم بھی ہو۔ میں نے جو خبر سُنی ہے اس سے میں سخت ناراض ہوں۔ جس شخص نے یہ کہا کہ دنیا میں سوائے معز کے کوئی اور شریف نہیں اس نے غلطی کی۔ تم کو بھی بڑا شرف حاصل ہے۔ پھر اگر کسی نے ایسا کہا تو میں اس کو سخت سزا دوں گا۔" شرفاء نے شکریہ ادا کیا اور معز کو دعا دی۔ جس شخص نے یہ کہا تھا وہ اپنے قول پر نادم ہوا[2]۔

وہ اپنی رعیت کو ہمیشہ زہد و تقویٰ کی نصیحت کرتا تھا۔ ایک دن جاڑے کے موسم میں اس نے قبیلۂ کتامہ کے شیوخ کو بلوایا اور ان سے یہ کہا "اے بھائیو کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ میں اپنی زندگی صرف کھانے پینے میں بسر کرتا ہوں۔ ریشمی۔ پشمینے وغیرہ کے کپڑے پہنتا ہوں۔ شراب نوشی میں مشغول رہتا ہوں۔ جس طرح دنیا کے اور حاکم رہتے ہیں۔

---

[1] - ابن ایاس $\frac{1}{47}$ - [2] - اتعاظ الحنفاء - ۹۸

میں نے یہ سوچا کہ میں تم کو بلا بھیجوں تاکہ تم میری حالت کا مشاہدہ کرو کہ میں خلوت میں کس طرح زندگی گذارتا ہوں۔ میں اپنے آپ کو تم پر کسی طرح ترجیح نہیں دیتا۔ سوائے امامت کے جس سے اللہ تعالیٰ نے مجھے مخصوص کیا ہے۔ میں دنیا کی صرف ضرورتوں پر اکتفا کرتا ہوں۔ ہمیشہ میرا وقت ان خطوں کے جوابوں میں صرف ہوتا ہے جو میرے پاس مشرق و مغرب سے آتے ہیں۔ ان کے جوابات خود اپنے ہاتھ سے لکھتا ہوں۔ دنیا کی کوئی لذت مجھے نہیں بھاتی۔ تمھاری ارواح کی بہبودی اور تمھارے شہروں کی اصلاح میرا مقصود ہے۔ تم بھی اے سردارو اپنی خانگی زندگی اسی طرح بسر کرو جس طرح میں بسر کرتا ہوں۔ کبھی غرور اور جبر کا اظہار نہ کرو ورنہ اللہ تعالیٰ تم سے اپنی نعمتیں چھین لے گا اور دوسروں کو دے دے گا۔ جو لوگ تمھارے ماتحت ہیں اور مجھ تک نہیں پہنچ سکتے ان پر ایسی ہی شفقت کی نظر رکھو جیسی میں تم پر رکھتا ہوں تاکہ رعایا کی حالت درست اور عدل و انصاف ان میں پیدا ہو۔ تم خود اپنی بیویوں کے مسئلے پر غور کرو اور ایک ہی پر اکتفا کرو۔ ایک سے زیادہ بیوی کی خواہش نہ کرو۔ ورنہ تمھاری زندگی تلخ ہو جائے گی، تمھارے جسم ضعیف ہو جائیں گے، تمھاری قوت گھٹ جائے گی، تمھارے اجسام اور دماغ دونوں بیکار ہو جائیں گے۔ ایک آدمی کے لیے ایک ہی بیوی کافی ہے۔ ہم تمھارے اجسام اور دماغ دونوں کے محتاج ہیں۔ یقین کرو کہ اگر تم میری نصیحت پر عمل کرو گے تو مجھے امید ہے کہ ہم اسی طرح مشرق بھی فتح کر لیں گے جس طرح ہم نے مغرب فتح کر لیا ہے۔ اس کے بعد معز نے ان کو دعا دی اور رخصت کیا[1]۔

علاوہ اپنی مادری زبان کے وہ دوسری زبانیں بھی اچھی طرح جانتا تھا۔ لغات بربریہ۔ سودانیہ۔ صقلیہ اور رومیہ میں اس کو کافی

---

[1] ۔ مقریزی $\frac{2}{166}$ سیرت معزیہ کی مزید تفصیل کتاب المجالس والمسائرات للقاضی نعمان بن محمد میں درج ہے۔

دستگاہ حاصل تھی۔ اہل علم وفضل کی بہت قدر دانی کرتا تھا۔ ابن ہانی کو اس نے ایک موقع پر کئی ہزار دینار عنایت کیے۔ اس کے دربار میں ہمیشہ فقہا۔ محدثین۔ شعرا اور مورخین جمع رہتے تھے۔ اس کے علم وحکمت کا شوق اس کے کتب خانے سے ظاہر ہوتا ہے جس میں نایاب کتابیں موجود تھیں[1]۔ اس کی دعوت کل مغرب۔ مصر۔ شام۔ حرمین اور عراق کے بعض ضلعوں میں پھیل گئی تھی[2]۔

اس کی موت کے متعلق یہ روایت بھی بیان کی جاتی ہے کہ اس کو علم نجوم پر بہت اعتقاد تھا اور وہ منجمین کے اقوال پر عمل کرتا تھا۔ ایک دفعہ اس کے منجم نے کہا کہ فلاں وقت تم پر بھاری ہے اور اس کو سرداب میں رہنے کا مشورہ دیا تاکہ وہ اس میں چھپ جائے یہاں تک کہ وہ وقت ٹل جائے۔ معز نے اس کے مشورے پر عمل کیا۔ اپنے سپہ سالاروں کو بلا کر کہا کہ مجھ میں اور اللہ تعالیٰ میں ایک معاہدہ ہے۔ اس لیے مجھے اس کی بارگاہ میں جانا ہے۔ میں اپنے بیٹے نزار کو اپنا جانشین مقرر کرتا ہوں۔ تم اس کی اطاعت کرو۔ اس کے بعد وہ سرداب میں اتر گیا۔ ایک مغربی کا واقعہ ہے کہ جب کبھی وہ ابر آسمان پر دیکھتا تھا تو اپنے گھوڑے پر سے اتر جاتا تھا اور اس کی طرف سلام کا اشارہ کرتا تھا۔ اس خیال سے کہ معز اس میں ہے[3]۔ غرض یہ کہ معز ایک سال تک زندہ رہا۔ اس کے بعد وہ بیمار ہوا اور انتقال کر گیا[4]۔

---

[1] ۔ فصل ۲۹ (کتب خانہ ومدرسہ)　　[2] مقریزی $\frac{۲}{۱۶۷}$

[3] ۔ یہ مضمون کلام مجید کی ایک آیت سے ماخوذ ہے جو یہ ہے "ھل ینظرون الا ان یاتیھم اللہ فی ظلل من الغمام والملائکۃ وقضی الامر والی اللہ ترجع الامور" ($\frac{۲}{۲۰۶}$) ترجمہ "کیا یہ لوگ اسی کے منتظر ہیں کہ اللہ بادلوں کا چھتر لگائے فرشتوں کو ساتھ لیے ان کے سامنے آموجود ہو اور جو کچھ ہونا ہے ہو چکے اور سب کام اللہ ہی کے حوالے ہیں"

[4] ۔ ابن الاثیر $\frac{۸}{۲۶۳}$

معز کی روانگی کے بعد بلادِ مغرب کی حالت

اس سے قبل بیان کیا جا چکا ہے کہ معز نے مصر کو روانہ ہوتے وقت بلادِ مغرب کی حکومت یوسف بلکین کے سپرد کی[۱]۔ یوسف موضع قابس میں معز سے رخصت حاصل کر کے قیروان کو ۱۱ ربیع الاول ۳۶۲ھ میں واپس ہوا اور قصر منصوریہ میں رہنے لگا۔ چند ماہ بعد ہی مغرب کے بعض قبیلوں نے بغاوت کی۔ یوسف نے ماہ شعبان میں کتامیوں اور صنہاجیوں کا ایک لشکر جمع کر کے ان کے مقابلے کے لیے جبل تیتری کا قصد کیا اور تاہرت کو برباد کیا۔ کیونکہ وہاں کے باشندوں نے اپنے والی کو نکال دیا تھا۔ پھر اس نے تلمسان کا رُخ کیا۔ یہاں کا والی ابن خزر سجلماسہ کو بھاگ گیا تھا۔ یوسف نے اس کا پیچھا نہیں کیا۔ کیونکہ معز نے اسے آگے جانے کا حکم نہیں دیا تھا۔ اس لیے وہ قیروان واپس ہو گیا۔

۱۔ فصل (۱۴) معز کی روانگی مغرب سے مصر کو۔

ابو منصور نزار العزیز باللہ

ولادت ۱۴ر محرم ۳۴۴ھ۔ آغاز حکومت ۱۰ر ذی حجہ ۳۶۵ھ۔ وفات ۱۲ر ماہ رمضان ۳۸۶ھ

اکثر فاطمیین کی وفات کے اعلان میں تاخیر

معز کا انتقال ۱۱ر ماہ ربیع الآخر ۳۶۵ھ کو ہوا لیکن اس کی موت کی خبر آٹھ مہینے تک چھپائی گئی۔ عید الاضحیٰ کے دن اس کے بیٹے عزیز کی امامت کا اعلان کیا گیا[1]۔ اکثر فاطمیین کے زمانے میں ایسا ہوا ہے کہ امام کی موت کی خبر اس وقت تک ظاہر نہیں کی گئی جب تک کہ اس کے جانشین کی امامت کا مسئلہ طے نہ ہو گیا۔ کیونکہ انھیں ہمیشہ اپنی رعیت کا ڈر لگا رہتا تھا جیسا اس سے پہلے بیان کیا جا چکا ہے[2]۔ اس امام کا نام نزار کنیت ابو منصور اور لقب عزیز باللہ تھا۔ اس کی پیدائش ۱۴ر محرم ۳۴۴ھ مہدیہ میں ہوئی۔ اس کی ماں تغرید نامی ایک عربی کنیز تھی جسے درزان بھی کہتے تھے اور جس نے ۳۶۶ھ میں قرافۂ کبریٰ میں ایک مسجد بنوائی[3]۔ یہ اپنے باپ معز کے ساتھ

[1] عیون الاخبار $\frac{6}{207}$ ۔　[2] فصل ۵ (اکثر مقامات)

[3] مقریزی $\frac{4}{64}$ ۔ $\frac{4}{120}$ بحوالہ مورخ قضاعی۔

مصر میں آیا اور ولی عہد بنایا گیا۔ اس سے قبل اس کا بڑا بھائی امیر عبد اللہ ولی عہد ہو چکا تھا۔ لیکن ۳۶۴ھ میں اس کا انتقال ہو گیا۔ اس لیے عزیز ولیعہد قرار پایا۔[۱] اس کی حکومت کے زمانے میں پھر نسب کا سوال اٹھایا گیا۔ ایک دن منبر پر اسے ایک رقعہ ملا جس میں چند اشعار لکھے ہوئے تھے۔ ان کا خلاصہ یہ ہے "ہمیں تمھارے نسب میں شک ہے۔ تم جو کہتے ہو اگر سچ ہے تو اپنا نسب خلیفۂ عباسی طائع باللہ[۲] کے نسب کی طرح واضح کرو۔ ورنہ عام لوگوں کے نسب میں شامل ہو جاؤ"۔ اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ عام مصریوں کو بنو فاطمہ کے خاص باطنی شیعی عقاید سے کوئی ہمدردی نہ تھی جیسا اس سے پہلے بھی بیان کیا جا چکا ہے۔[۳]

بلاد مغرب میں یوسف بلکین کی سرگرمیاں

حکومت کی باگ ہاتھ میں لیتے ہی عزیز نے اہل مغرب کے قلوب کی بہت تالیف کی۔ بہت سا سونا ان میں تقسیم کیا گیا۔ یوسف بلکین کو معز نے صرف بلاد مغرب کی ولایت دی تھی۔ لیکن عزیز نے اسے طرابلس (الغرب) کا بھی حاکم بنایا اور سیف العزیز کا خطاب دیا۔[۴]

قبیلۂ زناتہ کبھی بھروسے کے لایق نہ ہوا۔ اس کے سردار بہ نسبت فاطمیین کے بنو امیہ کی طرف زیادہ مائل تھے۔ اس سے پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ ۳۴۸ھ میں جوہر نے معتز باللہ کو سجلماسہ پر والی مقرر کیا تھا۔[۵] اس والی نے دولت فاطمیہ سے الگ ہو کر خلیفۂ اموی ہشام ثانی کی ماتحتی قبول کر لی۔ ۳۶۶ھ میں خزرون بن فلفول زناتی نے قبیلۂ مغراوہ کی مدد سے والی مذکور کو قتل کر کے

۱۔ Wustenfeld, p. 130) اس کی تائید ابن ہانی کے ایک قصیدے سے بھی ہوتی ہے (تبیین المعانی ۴۳ / ۶۶-۸۳)

۲۔ ابن خلکان ۲ / ۱۴۲

۳۔ فصل ۱۱ (باغیوں کے قتل کا نتیجہ۔ دولت فاطمیہ کے مذہبی دور کی تبدیلی سیاسی دور میں)

۴۔ کہا جاتا ہے کہ یہ کوئی مخلص والی نہ تھا۔ اس کی طاعت خوشامد پر مبنی تھی (ابن الاثیر ۸ / ۲۶۳)

۵۔ فصل ۱۴ (مغرب اقصیٰ کے والیوں کا انحراف)

سجلماسہ کی حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی۔ لیکن یہ والی بھی بنو امیہ کا طرفدار بن گیا۔ حالانکہ مغربی والیوں کو بنو امیہ کی طرف سے زیادہ مدد نہیں ملتی تھی[1]۔ یوسف بلکین نے جب یہ دیکھا کہ بنو امیہ کا زور دن بدن بڑھتا جا رہا ہے تو ۳۶۹ھ میں ایک بڑا لشکر تیار کر کے فاس سجلماسہ وغیرہ کی طرف روانہ ہوا۔ اور ان شہروں کے والیوں کو ایسا پسپا کیا کہ سب سبتہ کی طرف بھاگ گئے جو بنو امیہ کے قبضے میں تھا۔ اس کے بعد بلکین ایک بیڑے کی مدد سے موضع برغواطہ پہنچا۔ جہاں کے والی کو لوگ نبی مانتے تھے بلکین نے اس کی بھی خوب خبر لی۔ بہر حال بلکین نے اہل سبتہ کو مرعوب کر کے زناتہ کو بہت دور بھگا دیا[2]۔ ۳۷۳ھ میں بلکین نے وفات پائی۔ اس کے بعد بھرو ندون نے سجلماسہ پر قبضہ کر لیا۔ یہ شخص زیری بن عطیہ کا بیٹا تھا جسے بلکین نے سجلماسہ میں شکست دی تھی۔

بلکین کے بعد اس کے بیٹے منصور کی حکومت

بلکین نے اپنے انتقال کے وقت یہ وصیت کی تھی کہ میرے بیٹے منصور کو بلاد مغرب کی ولایت دی جائے۔ اس زمانے میں منصور موضع آشیر میں تھا۔ اس نے ایک دفعہ اپنے خطبے میں کہا کہ "میرا قیام اور عزل کسی کے فرمان سے تعلق نہیں رکھتا۔ یعنی عزیز مجھے معزول نہیں کر سکتا۔" رقادہ میں قوت حاصل کرنے کے بعد اس نے دس لاکھ دینار کا ایک بیش بہا ہدیہ عزیز کی خدمت میں بھیجا اور آہستہ آہستہ خود مختاری حاصل کر کے عبد اللہ بن محمد الکاتب کو جو عزیز کی طرف سے خراج جمع کرنے پر مامور تھا قتل کر دیا۔ یہ کاتب قیمتی تحفے بھیج کر عزیز سے قربت حاصل کرنا چاہتا تھا۔ منصور کو خوف ہوا کہ کہیں یہ شخص اس کی جگہ نہ چھین لے۔ ۳۷۶ھ میں عزیز نے اپنے ایک داعی ابو الفہم کو قبیلہ کتامہ کی طرف روانہ ہونے کا حکم دیا تاکہ اس قبیلے کی مدد سے وہ منصور کو جس کے ساتھ صنہاجی قبیلہ ہو گیا تھا افریقیہ کی ولایت سے معزول کر سکے۔ منصور نے شہر سطیف پر جو کتامیوں کا مرکز تھا حملہ کر کے

---

[1] Wustenfeld p. 135.

[2] ابن الاثیر $\frac{8}{263}$

ان کی قوت توڑ دی اور ابو الفہم اور عزیز کے دیگر داعیوں کو قتل کر دیا۔ عزیز نے منصور کو تحفے بھیج کر اپنی طرف مائل کرنے کی بہت کوشش کی ۳۸۶ھ میں منصور اور عزیز دونوں نے وفات پائی۔ منصور کے بعد اس کا بارہ سالہ لڑکا بادیس بلادِ مغرب کا حاکم ہوا۔ اس کی ولایت امام حاکم نے بھی تسلیم کی۔

بلادِ شام میں افتکین کی شکست اور پھر اس کی گرفتاری ۳۶۸ھ

اس سے پہلے معز کے ذکر میں بیان کیا جا چکا ہے کہ وہ افتکین کے مقابلے کی تیاری کر رہا تھا لیکن اس اثناء میں وہ انتقال کر گیا۔ اس سے افتکین کی ہمت اور بڑھ گئی۔ اس نے سواحل شام کے ان شہروں کو فتح کرنے کی طرف توجہ کی جو بنو فاطمہ کے قبضے میں تھے۔ پہلے اس نے صیدا کا محاصرہ کیا جہاں ظالم بن موہوب العقیلی والی تھا۔ اس کے ساتھ بہت سے مغاربہ بھی تھے۔ باوجود ان کی کثرت کے افتکین بازی لے گیا۔ اور ان کو پسپا کر دیا۔ چار ہزار سپاہی ان کے قتل کیے۔ اس کے بعد وہ عکہ اور طبریہ کی طرف بڑھا اور ان شہروں کو بھی لوٹ کر دمشق واپس ہو گیا۔

عزیز نے جب یہ خبر سنی کہ افتکین بلادِ شام میں فساد برپا کر رہا ہے تو اس نے اپنے وزیر یعقوب بن کلس کے مشورے سے جوہر کو ایک بڑے لشکر کے ساتھ شام کی طرف بھیجا۔ ۲۲ ذی قعدہ ۳۶۵ھ میں جوہر شام کو پہنچا اور دمشق کا محاصرہ کیا۔ افتکین اور اس کے ساتھیوں کی لڑائی دیکھ کر جوہر کو بہت تعجب ہوا۔ تقریباً دو مہینے تک فریقین لڑتے رہے مگر کچھ نتیجہ نہ نکلا۔ اہل دمشق نے جوہر کو شکست دینے کے لیے قرامطہ سے مدد طلب کی اور حسن بن احمد قرمطی کو بحرین کے شہر الاحساء سے بلوایا۔ جوہر اس خوف سے کہ وہ دو لشکروں کے درمیان گرفتار نہ ہو جائے دمشق کے محاصرے کو چھوڑ کر واپس چلا گیا۔ دشمن نے ان کا رملہ تک پیچھا کیا۔ اس وقت افتکین اور قرمطی کی فوجوں کی تعداد پچاس ہزار کے لگ بھگ تھی۔ ان فوجوں نے جوہر کو عسقلان تک ہٹا دیا۔ پانی اور غلے کی کمی سے جوہر مجبور ہو گیا اور افتکین سے

صلح کے متعلق مراسلت شروع کی اور اس کو مال وزر کی ترغیب دلائی۔ افتکین کچھ راضی ہوگیا تھا۔ مگر حسن قرمطی نے اس کو صلح سے روکا۔ جب جوہر پر روز بروز زیادہ سختی گذرنے لگی تو اس نے مصر واپس ہو کر عزیز سے صورت حال بیان کی۔ اب عزیز خود جوہر کو ساتھ لے کر افتکین کے مقابلے کے لیے روانہ ہوا[1]۔ اس دفعہ پھر رملہ کے قریب لڑائی ہوئی جس میں افتکین نے وہ دلیری اور جوانمردی دکھائی جس سے عزیز بہت متاثر ہوا۔ اب اس نے خود افتکین سے صلح کرنا چاہی اور اس کو دمشق کی ولایت دینے کا وعدہ کیا۔ اس دفعہ بھی حسن قرمطی نے صلح نہ ہونے دی۔

اب عزیز نے جان توڑ حملہ کرنے کی کوشش کی۔ کیونکہ اس نے یہ سوچا کہ اگر افتکین اور قرامطہ کا زور نہ ٹوٹا تو یہ لوگ پیش قدمی کرتے ہوئے مصر کو فتح کرلیں گے جس سے خود دولت فاطمیہ کی بقا مشکل ہو جائے گی۔ اس لیے افتکین کے میسرہ پر حملہ کرتے ہی عزیز نے قلب لشکر سے حملہ کردیا۔ عزیز کا یہ حملہ ایسا زبردست تھا کہ افتکین اور قرمطی دونوں کے قدم اکھڑ گئے اور دونوں اپنی فوجوں کے ساتھ بھاگ گئے۔ عزیز کو بڑی کامیابی ہوئی۔ اس نے یہ اعلان کیا کہ جو شخص افتکین کو زندہ پکڑ لائے گا اس کو ایک لاکھ دینار انعام دیا جائے گا۔ افتکین کو اس کا ایک دوست مفرج بن دغفل گرفتار کرکے لایا۔ عزیز نے اس کو مقررہ انعام دیا۔ اور افتکین سے دوستانہ سلوک کیا۔ اس کا لوٹا ہوا مال اس کو واپس دے کر اسے اپنے خاص حاجبوں میں شامل کیا۔ اس قدر عزیز نے اس پر احسان کیا کہ خود افتکین کہتا ہے کہ وہ عزیز کے روبرو جاتے ہوئے

---

[1] مقریزی ۴/۶۶ بلاد شام کو روانہ ہوتے وقت عزیز نے جبر بن القاسم کو مصر میں اپنا خلیفہ مقرر کیا۔ تمام سرکاری احکام اسی کے نام سے جاری ہوتے تھے۔ وزیر یعقوب بن کلس کے قید کے زمانے میں یہ اس کا قایم مقام بنایا گیا تھا۔ (ابن صیرفی صفحہ ۹۰) معز نے اسے شرطہ علیا پر مامور کیا تھا (اتعاظ الحنفاء صفحہ ۱۰۰)

مجھے شرم آتی ہے۔ میں نے ہر طرح اس کی مخالفت کی۔ مگر اس نے اس کا بدلا نہ لیا بلکہ مجھ پر بڑے احسانات کیے" جب عزیز نے یہ سُنا تو اس نے اپنے چچا حیدرہ سے کہا " اے چچا مجھے یہ دیکھ کر نہایت خوشی ہوتی ہے کہ لوگ میرے احسان کے دریا میں غرق ہوں" ایک دفعہ شریف ابو اسمٰعیل ابراہیم نے عزیز کو لکھ بھیجا کہ " اے عزیز نہایت تعجب ہے کہ تو افتکین پر اتنا احسان کرتا ہے حالانکہ اس نے تیری خلافت کو مٹانے کی کوشش کی" عزیز نے جواب دیا کہ " میں نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ میرے قابو میں آجائے تو میں اس سے اچھا سلوک کروں گا مجھ پر اپنے وعدے کی پابندی لازم ہے[1]۔ بہر حال افتکین ایک زمانے تک مصر میں ایسے اعزاز سے رہا۔ جس کی وجہ سے وزیر یعقوب بن کلس اس سے حسد کرنے لگا۔ کہا جاتا ہے کہ خفیہ طور پر اس نے افتکین کو ۳۷۲ھ میں زہر دے کر مروا ڈالا۔ عزیز اس سے بہت رنجیدہ ہوا۔ اور اسے ایک سال تک قید میں رکھا اور اس سے ۵ لاکھ دینار بطور تاوان کے لیے۔ اس وزیر کے قید ہونے سے وزرات کے امور میں خلل پڑ گیا۔ اس لیے عزیز نے بہ مجبوری اسے چھوڑ دیا[2]۔

افتکین کا تو یہ انجام ہوا۔ حسن قرمطی کی طرف عزیز نے اپنا قاصد بھیج کر اسے بلوایا اور اس سے بھی احسان کا وعدہ کیا مگر وہ نہ مانا۔ پھر عزیز نے اس کو دس ہزار دینار بھیجے۔ اس کے بعد وہ اپنے مستقر کو واپس چلا گیا۔ قرامطہ کی دوستی برقرار رکھنے کے لیے عزیز ہر سال ان کو دس ہزار دینار بھیجتا تھا۔

---

[1] مورخ ادریس لکھتے ہیں کہ عزیز نے یہ جواب دیا کہ " میں نے خدا سے معاہدہ کیا تھا کہ اگر میں اس پر فتح پاؤں تو اس کی خطا معاف کر دوں گا اور اس سے اچھا سلوک کروں گا" (عیون الاخبار $\frac{6}{224}$)

[2] ابن الاثیر $\frac{8}{260}$ قید کے زمانے میں جبر بن القاسم کو اس کی جگہ دی گئی۔ مگر چند ماہ بعد وہ رہا کر دیا گیا اور پھر وزیر بنایا گیا (ابن الصیرفی صفحہ ۹۴)۔

افتکین کے بعد قسام اور بکجور کی ولایت دمشق پر ۳۶۸ - ۳۷۸ھ

دمشق سے روانہ ہوتے وقت افتکین نے قسام کو اپنی جگہ مقرر کیا تھا۔ جب قائد ابو محمود عزیز کی طرف سے والی ہو کر دمشق پہنچا تو قسام نے اس کی پروانہ کی قائد ابو محمود کے بعد دو اور والی فضل بن صالح اور سلیمان بن جعفر بن فلاح الکتامی بھی عزیز کی طرف سے بھیجے گئے۔ لیکن کوئی بھی قسام کا مقابلہ نہ کر سکا۔ ۳۶۹ھ تک قسام ہی دمشق کا والی رہا اور عزیز کو خوش کرنے کے لیے خطبے میں اس کا نام لیتا اور اسے یہ باور کراتا رہا کہ وہ عضد الدولہ کے حملے سے بلادِ شام کو بچانا چاہتا ہے۔ یہ دیکھ کر عزیز نے چشم پوشی کی کیونکہ عضد الدولہ کا دمشق پر قبضہ اسے گوارا نہ تھا۔

۳۷۰ھ میں مفرج بن دغفل بن جراح نے فلسطین میں بڑی قوت حاصل کر لی اور رعیت پر ظلم شروع کیا۔ عزیز نے اس کے مقابلے کے لیے قائد بلتکین ترکی کو بھیجا۔ مفرج نے شکست کھا کر انطاکیہ سے ہوتے ہوئے بکجور کے پاس پناہ لی۔ بکجور وہ شخص تھا جو ۳۶۶ھ میں سعد الدولہ ابو المعالی بن سیف الدولہ کی طرف سے حمص پر والی مقرر کیا گیا تھا۔ اس نے عزیز کو ایک خط اس مضمون کا لکھا کہ "دمشق کی حالت قسام کی ولایت کے زمانے سے بہت خراب ہو گئی ہے۔ قحط کی وجہ سے وہاں کے باشندے حمص کی طرف چلے جا رہے ہیں۔ میں نے دمشقیوں کی غلے وغیرہ سے بڑی مدد کی ہے۔" اس حیلے سے بکجور نے عزیز سے قربت حاصل کی۔ عزیز نے اسے دمشق کی ولایت دینے کا وعدہ کیا۔ جب سعد الدولہ سے بکجور کے تعلقات خراب ہو گئے تو اس نے عزیز کو اس کے وعدے کی یاد دہانی کی۔ عزیز نے بکجور کو دمشق پر مقرر کر کے قسام کو واپس بلا لیا۔ حالانکہ وزیر ابن کلس نے اسے اس فعل سے روکا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بکجور اہل دمشق پر ظلم کرنے لگا۔ ۳۷۸ھ تک یہی بدنظمی جاری رہی۔ اسی سال اس کے مقابلے کے لیے عزیز نے اپنے غلام منیر کو

روانہ کیا۔ جس نے طرابلس کے والی نزال کی مدد سے بکجور کو موضع داریہ پر شکست دی۔ بکجور نے وہاں سے بھاگ کر رقہ پر قبضہ کر لیا۔

بکجور کی سازش اور اس کا قتل ۳۸۱ھ

یہاں سے ۳۸۱ھ میں بکجور نے بھاء الدولہ بن بویہ۔ باذ الکردی (والی دیار بکر اور موصل) اور سعد الدولہ بن سیف الدولہ (والی حلب) سے مراسلت کی۔ مگر کسی نے اسے جواب نہ دیا۔ پھر اس نے عزیز کو لکھا کہ سعد الدولہ عیش و عشرت میں مشغول ہے۔ اس موقع پر حلب کا فتح کرنا آسان ہے۔ چونکہ یہ شہر عراق کی دہلیز ہے اس لیے اس کے بعد دوسرے شہر بہت آسانی سے مسخر کیے جا سکتے ہیں۔ عزیز نے نزال (والی طرابلس) اور دوسرے والیوں کو حکم دیا کہ وہ لشکر سے بکجور کی مدد کریں۔ لیکن اس تجویز کو عیسیٰ بن نسطورس نے جو ابن کلس کے بعد وزیر ہوا خراب کر دیا۔ کیونکہ اس کے اور بکجور کے درمیان بڑی دشمنی تھی۔ اس نے نزال کو لکھا کہ وہ ظاہر میں بکجور کی مدد کرے۔ لیکن عین لڑائی کے موقع پر اس کا ساتھ چھوڑ دے۔ نزال نے ایسا ہی کیا۔ بکجور دھوکے میں آ گیا اور حلب فتح نہ کر سکا۔ جب بکجور کی روانگی کی خبر سعد الدولہ کو پہنچی تو اس نے اسے ٹالنے کی بڑی کوشش کی اور رقہ سے لے کر حمص تک کی جاگیر دینے کا وعدہ بھی کیا۔ لیکن بکجور نے قبول نہ کیا۔ سعد الدولہ نے قسطنطنیہ کے قیصر سے اتحاد کیا جس نے ایک بڑا لشکر اس کی مدد کے لیے بھیجا۔ علاوہ اس کے اس نے بکجور کے ساتھ جو عرب تھے ان کو مال و زر کا لالچ دے کر اپنی طرف مائل کر لیا۔ عین موقع پر ان عربوں نے خود بکجور اور اس کے ساتھیوں کو لوٹ لیا۔ پھر بھی بکجور نے ہمت نہ ہاری اور جان توڑ کوشش کی۔ لیکن آخر میں اسے سعد الدولہ نے قتل کر دیا۔ اس کے بعد سعد الدولہ رقہ روانہ ہوا جہاں بکجور کا وزیر ابو الحسن علی بن حسین المغربی[1] اور بکجور کے رشتہ دار تھے جنہوں نے رقہ سعد الدولہ کے سپرد کر دیا۔

---

[1] ابن الاثیر $\frac{9}{25}$

وزیر یعقوب بن کلس ۳٦۷ تا ۳۸۰ھ

غرہ محرم ۳٦۷ھ میں عزیز نے یعقوب بن کلس کو اپنا وزیر بنایا۔ یہی وہ پہلا شخص ہے جو عہد فاطمی میں وزیر کہلایا یوں تو عزیز سے پیشتر چار امام گذرے اور ان کے مددگار بھی ہوئے۔ سب سے بڑا سیاسی عہدہ دار امام کا اول مددگار "واسطہ" کہلاتا تھا۔ یعقوب پہلے یہودی تھا اور بغداد اس کا وطن تھا۔ کافور کی خدمت میں اس نے زمینداری اور دیہات کا تجربہ حاصل کیا۔ کافور کو اس کی دیانتداری پسند آئی۔ ایک دن اس نے کہا اگر یعقوب مسلمان ہوتا تو میں اسے اپنا وزیر بنا لیتا۔ یہ سن کر یعقوب نے ایک خاص استاد مقرر کرکے اسلام کے اصول سیکھے اور مسلمان ہو گیا۔ پھر ترقی کرتے کرتے کافور کا حاجب بن گیا۔ جس کی وجہ سے وزیر ابن الفرات اس سے حسد کرنے لگا۔ کافور کے انتقال کے بعد ابن الفرات نے اس کے معتمدوں کو گرفتار کر لیا جن میں یعقوب بھی شامل تھا۔ لیکن کچھ رقم ادا کرکے اس نے اپنے آپ کو چھڑا لیا اور ۳۵۷ھ میں چھپ کر بلاد مغرب چلا گیا۔ یہاں معز نے اسے اپنی خدمت میں رکھ لیا اور کچھ دنوں بعد محکمۂ مال پر مامور کیا۔[1] یعقوب نے بہت کامیابی سے اس محکمے کا انتظام کیا جس کی تفصیل معز کے ذکر میں گذر چکی ہے۔

عزیز نے اسے وزارت کا عہدہ دیا۔ اس نے ملک کے مختلف صیغوں کی اصلاح کی۔ ملکی انتظامات کی قابلیت کے علاوہ یہ شخص علم و فضل کے زیور سے آراستہ تھا جیسا ہم آئندہ بیان کریں گے۔[2]
اسی وزیر کے زمانے میں جامع ازہر میں مذہبی تعلیم کی ابتدا ہوئی جو آج تک جاری ہے۔ ۳۷۳ھ میں کئی مہینے تک یہ وزیر اپنے عہدے سے علیحدہ کر دیا گیا تھا اور قائد فضل بن صالح اور اس کے بھائیوں کے ساتھ اسے قید کی سزا بھی دی گئی تھی۔ اس زمانے میں جبر بن قاسم وزارت کا

---

[1] - ابن الصیرفی صفحہ ۹۰ - ۹۴ - مقریزی $\frac{2}{192}$ - [2] فصل ۲۹ (فاطمیین کے عہد کے علماء)

کام انجام دیتا تھا۔ ۳۷۴ھ میں یہ وزیر رہا کیا گیا اور پھر اسے وزارت کا عہدہ دیا گیا۔ اس کا سبب شاید دمشق کے وہ ناخوشگوار واقعات ہوں جو بیان کیے جا چکے ہیں۔ یا عزیز کو اس وزیر کی دیانت داری میں کچھ شبہ پیدا ہوا ہو کیونکہ دو لاکھ دینار بھی اس سے وصول کیے گئے۔ یہ رقم اسے پھر واپس کر دی گئی[1]۔ ۳۸۰ھ میں اس نے وفات پائی۔ عزیز کو اس کے مرنے کا نہایت رنج ہوا۔ بڑے اہتمام سے اس کی تجہیز و تکفین ہوئی۔ پچاس پارچے اس کے کفن میں لگے جن میں تیس زرین تھے[2]۔ قاہرہ میں ایک محلہ "الحارۃ الوزیریہ" اسی وزیر کی طرف منسوب ہے۔ سالانہ ایک لاکھ دینار اس کی تنخواہ تھی۔ اس کی ثروت کی تفصیل حیرت انگیز ہے جو آئندہ بیان کی جائے گی[3]۔ مختصر یہ کہ اس کے ترکہ کی قیمت کا اندازہ چالیس لاکھ دینار بتایا گیا ہے۔ یہ رقم علاوہ ان دو لاکھ دیناروں کے تھی جو اس کی لڑکی کی شادی کے لیے علٰحدہ رکھے گئے تھے۔ اس کا باڈی گارڈ چار ہزار جوانوں پر مشتمل تھا۔ اس کے محل میں لونڈیوں کے علاوہ کئی بیویاں تھیں۔ اس کے دربانوں کا لباس عزیز کے دربانوں کے لباس کی طرح ریشمی تھا[4]۔ چونکہ یہ وزرا قابل تھے اس لیے انھوں نے عیش و عشرت کی زندگی میں اپنے حکمرانوں کی ہمسری کی[5]۔

والی حلب کی بغاوت۔ اور بلادِ شام میں روم اور دولت فاطمیہ کے درمیان لڑائیاں ۳۸۴-۳۸۶ھ

گو شام کے اہم شہر مثلاً دمشق، حلب، حماۃ، حمص، شیزر وغیرہ ممالکِ فاطمیہ میں شامل ہو چکے تھے اور طرابلس الشام دولت فاطمیہ کا سب سے آخری شمالی شہر تھا لیکن ان پر حکومت کرنے میں بنو فاطمہ کو بہت کم کامیابی ہوئی۔ ان شہروں میں لگاتار جھگڑے

---

[1] ابن الصیرفی ۹۲۔ Wustenfeld, p. 149 ابن الاثیر کی روایت کے مطابق پانچ لاکھ دینار ($\frac{۸}{۱۲۰}$)۔

[2] مقریزی $\frac{۳}{۷-۱۱}$

[3] فصل ۳۰۔

[4] مقریزی $\frac{۳}{۷-۱۱}$

[5] Lane - Poole, p. 121.

ہوتے رہے جن کو دبانے کے لیے مصر سے فوجیں بھیجنی پڑیں۔ دمشق کے جھگڑوں کی کیفیت گذر چکی ہے۔ دوسرے شہروں نے بھی تھوڑی ہی مدت میں خود مختاری حاصل کر لی۔ ۳۸۱ھ میں حلب کا حکمران ابو الفضائل بن سعد الدولہ بن سیف الدولہ عزیز سے باغی ہو گیا[1]۔ عزیز نے وہاں کے ایک سردار علی بن حسین المغربی کے مشورے سے منجوتکین کو شام کا والی بنا کر بھیجا تاکہ وہ حلب کو پھر مسخر کرے۔ منجوتکین نے ۳۸۳ھ میں حلب کا محاصرہ شروع کیا جو تقریباً تیرہ مہینے جاری رہا۔ والی حلب کے غلام لؤلؤ نے روم کے حاکم بسیل سے مدد مانگی۔ چونکہ والیان حلب بنو فاطمہ کے قدیم باطنی دشمن تھے اس لیے روم نے ان سے دوستی پیدا کی۔ ان کی اصل غرض یہ تھی کہ وہ انطاکیہ کی حفاظت کریں جس کو انھوں نے ۳۵۹ھ میں مسلمانوں سے واپس لے لیا تھا۔ کیونکہ حلب انطاکیہ کے لیے ایک پشتے کا کام دیتا تھا۔ اس لیے قیصر قسطنطنیہ بسیل روم نے والی انطاکیہ کو پچاس ہزار سپاہیوں کے ساتھ حلب روانہ کیا۔ منجوتکین اس خوف سے کہ کہیں وہ دشمنوں کے درمیان گرفتار نہ ہو جائے حلب کو چھوڑ کر روم کے مقابلے کے لیے نکلا خوش قسمتی سے اُسے کامیابی ہوئی۔

انطاکیہ کی لوٹ سے فارغ ہو کر پھر وہ حلب کی طرف لوٹا۔ حلبیوں نے حاکم روم بسیل کو یہ کہلا بھیجا کہ اگر حلب فتح ہو گیا تو انطاکیہ کا فتح ہونا مشکل نہ ہوگا۔ انطاکیہ کے بعد قسطنطنیہ کی باری آئے گی۔ یہ سن کر بسیل خود حلبیوں کی مدد کے لیے روانہ ہوا۔ اس کے پہنچتے ہی مصری فوج دمشق کی طرف واپس ہو گئی۔ بسیل نے حمص اور شیزر کو فتح کرتے ہوئے طرابلس پر بھی ایک ناکام حملہ کیا۔ مصری صرف دو سو (۲۰۰) قیدی گرفتار کر کے واپس ہوئے۔ ۳۸۶ھ میں خود عزیز روم کے مقابلے کے لیے روانہ ہوا لیکن اثناء سفر میں موضع بلبیس[2] میں اس کا انتقال ہو گیا۔

---

[1] بہت ممکن ہے کہ حکمرانِ مذکور نے کچھ دنوں کے لیے عزیز کی اطاعت قبول کر لی ہو اور پھر باغی ہو گیا ہو۔

[2] ایک موضع ہے جس کے اور فسطاط کے درمیان دس فرسخ ہیں۔ عام لوگ اسے بلبیس کہتے ہیں (معجم البلدان ۱/۲۱۱)۔

عزیز کے پچھلے وزراء

ابن کلس کے بعد ابو الحسن علی بن عمر العدا اس وزیر مقرر کیا گیا۔ یہ بھی غبن کے جرم میں چند دنوں کے لیے قید کیا گیا پھر رہا کر دیا گیا۔ اس کے بعد ۳۸۲ھ میں وزارات ابو الفضل جعفر بن الفضل بن الفرات کو ملی۔[۱] کچھ عرصے کے لیے یہ بھی معطل کیا گیا۔ اس زمانے میں وزارات کا کام موسیٰ بن شہلول۔ عیسیٰ بن نسطورس۔ یحییٰ بن شان۔ اسحق بن منشا وغیرہ انجام دیتے رہے۔ پھر فائد فضل بن صالح الوزیری کو وزارت کا عہدہ ملا۔ لیکن آخر کار جعفر بن الفرات ہی مقرر کیا گیا۔[۲]

ان میں قابل ذکر عیسیٰ بن نسطورس نصرانی ہے جو عزیز کے آخری زمانے میں دو سال تک وزیر رہا۔ اسی عہد میں منشا نامی ایک یہودی شام کا صدر دالی مقرر کیا گیا۔ ان دونوں نے نصرانیوں اور یہودیوں کی تائید کی جس سے مسلمانوں کو بہت نقصان پہنچا۔ آخر کار انھوں نے تنگ آکر عورت کی شکل کا ایک پتلا بنایا اور اسے عزیز کے راستے میں کھڑا کیا۔ اس پتلے کے ہاتھ میں ایک رقعہ رکھا گیا جس کا مضمون یہ تھا۔ "اس ذات کا واسطہ جس نے یہود کو منشا سے اور نصاریٰ کو عیسیٰ بن نسطورس سے عزت دی اور مسلمانوں کو تیری وجہ سے ذلیل کیا۔ تو ہماری شکایت دور کر"۔ اس رقعہ کو پڑھ کر عزیز نے دونوں کو قید کیا اور ان سے بہت روپیہ وصول کیا۔ لیکن چونکہ اس کی لڑکی نے عیسیٰ کی سفارش کی اسلیے عزیز نے اس سے تین لاکھ دینار وصول کیے اور اسے اس کے عہدے پر بحال رکھا۔[۳]

---

[۱] - اس کی مکمل سوانح عمری کے لیے ملاحظہ ہو معجم الادباء $\frac{۲}{۴۰۵}$ - ابن خلکان $\frac{۱}{۱۱۰}$

[۲] - ابن الصیرفی صفحہ ۸۷ - ابن الفرات کے بعد مقریزی نے ابو عبداللہ الحسین - ابو محمد (حسن) بن عمار۔ فضل بن صالح الوزیری اور عیسیٰ بن نسطورس کے نام بتائے ہیں۔ (مقریزی $\frac{۴}{۶۷}$)۔

[۳] - ابن الاثیر $\frac{۹}{۴۸}$ - ابو الفدا $\frac{۲}{۱۳۱}$ -

قاضی القضاۃ محمد بن نعمان متوفی ۳۸۹ھ اور اسمٰعیلی فقہ کی پابندی

عزیز کے قاضیوں میں قاضی محمد اپنے باپ نعمان بن محمد کی طرح علم و فضل میں ممتاز درجہ رکھتا تھا۔ ابن زولاق کہتا ہے کہ "ہم نے علم۔ تقویٰ۔ عدل و انصاف میں محمد بن نعمان کا سا قاضی نہ مصر میں دیکھا نہ عراق میں"۔ اس کی بزرگی کی وجہ سے عزیز اسے اپنے ساتھ لے کر منبر پر بیٹھتا تھا۔ اس کے بعد اس کے لڑکے حاکم کی ابتدائی خلافت میں بھی وہی قاضی رہا[1]۔ قصر میں اس کے لیے ایک کرسی رکھی جاتی تھی جس پر بیٹھ کر یہ علوم اہل بیت پر لکچر دیتا تھا۔ لوگ کثرت سے جمع ہوتے تھے۔ ایک دفعہ اسی بھیڑ بھاڑ میں گیارہ آدمی ہلاک ہو گئے۔ عزیز کے زمانے میں اسمٰعیلی فقہ کی پابندی پر بہت زور دیا جاتا تھا۔ مالک کی کتاب "الموطا" کا رکھنا ممنوع قرار دیا گیا تھا۔ جو اس حکم کی خلاف ورزی کرتا اسے سزا دی جاتی تھی[2]۔ ۳۷۲ھ میں "صلوٰۃ التراویح" بھی موقوف کر دی گئی۔

ترکی فوج کی ابتداء

دولت فاطمیہ کا قیام بربری قوم کی مدد سے ہوا جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے[3]۔ اس کی ابتدا سے لے کر عزیز کی حکومت کے چند سال تک بھی فوج میں بڑا عنصر اسی قوم کا تھا۔ حکومت کے ذمہ دار افسر اسی قوم سے چنے جاتے تھے۔ لیکن جوں جوں زمانہ گذرتا گیا ان کے اخلاص اور وفاداری میں فرق آتا گیا۔ اور غرور کی وبا ان میں پھیلتی گئی۔ یہ لوگ اعتدال کی راہ سے بھٹک کر استبداد کی گھاٹی میں جا پہنچے۔ چنانچہ حسن بن عمار کتامی نے حاکم بامر اللہ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ مگر حاکم کی کمسنی کی وجہ سے چھوڑ دیا[4]۔ اس کا منشا یہ تھا کہ فاطمیین کا سلسلہ ختم ہو جائے اور مصر میں ایک بربری حکومت قائم ہو۔

---

[1] ابن خلکان $\frac{2}{197}$۔　[2] مقریزی $\frac{4}{157}$
[3] فصل ۷ (ابو عبداللہ کے مغرب پہنچنے کی کیفیت)
[4] فصل ۱۶ (استاد برجوان اور حسن بن عمار کا تنازع)

غرض کہ جب عزیز نے یہ محسوس کیا کہ اب بربری قوم بھروسے کے قابل نہیں رہی تو اس نے ترک اور دیلم کی ایک فوج تیار کرنے کی کوشش کی۔ اپنے وزیر یعقوب کو حکم دیا کہ وہ زیادہ سے زیادہ ترکی اور دیلمی غلام خریدے اور فوج میں بھرتی کرے۔ تاکہ بربری لشکر کی قوت کم ہو جائے[۱]۔ اور جتنے شاہی قیدی قوم ترک سے مصر میں تھے ان سب پر افتکین افسر مقرر کیا گیا۔

عزیز کی سیرت اور اس کا انتقال

عزیز کی تعریف میں اکثر مورخوں کا یہی بیان ہے کہ۔ یہ گندمی رنگ۔ اونچا قد۔ گہری نیلی سرخی مائل آنکھوں۔ بھورے بالوں اور چوڑے کندھوں والا شخص تھا۔ کرم۔ احسان۔ دلیری اور جوانمردی اس کی طبیعت میں تھی۔ افتکین کے ساتھ اس نے مہربانی کا جو سلوک کیا وہ اس کی رحمدلی کا نمایاں ثبوت ہے۔ حالانکہ افتکین اس کے ساتھ بہت بُری طرح سے پیش آیا تھا کئی دفعہ یہ خود دشمن کے مقابلے کے لیے لشکر لے کر نکلا۔ اس کا انتقال بھی بلبیس کے سفر ہی میں ہوا جب یہ روم کے مقابلے کے لیے مصر سے روانہ ہو چکا تھا۔

اُسے جواہرات۔ کپڑوں۔ گھوڑوں۔ اور شکاری پرندوں کا بڑا شوق تھا۔ قیمتی اور نایاب جواہرات خریدتا۔ اس کے لیے بلاد شام سے مختلف قسم کے پرندے مہیا کیے جاتے تھے اور ان میں شرطیں کھیلی جاتی تھیں جنگلی جانوروں کے شکار میں بھی اکثر حصہ لیا کرتا تھا۔ اس کے علاوہ یہ بڑا ادیب فاضل تھا۔ ابو منصور الثعالبی نے اس کے چند اشعار اپنی مشہور کتاب میں نقل کیے ہیں[۲]۔ اس کے

---

[۱]۔ عیون الاخبار ۶/۱۹۲ یہ سلوک درحقیقت فاطمیین کی بدلی ہوئی حکمت عملی پر دلالت کرتا ہے جیسے ہم ابھی بیان کر چکے ہیں۔ چونکہ افتکین ایک کامیاب سپاہی اور مدبر ثابت ہو چکا تھا اور ترکوں کا سرکردہ تھا اس لیے عزیز چاہتا تھا کہ کتامیوں کے مقابلے میں ترکوں کے دلوں کو موہ لیے۔ [۲]۔ ابن خلکان ۲/۱۵۲

زمانے میں بھی لوگوں نے نسب کا مسئلہ اٹھایا اور چند اشعار اس بارے میں پیش کیے۔ ایک روز یہ منبر پر چڑھا۔ دیکھتا کیا ہے کہ ایک پرچہ وہاں رکھا ہوا ہے جس پر یہ شعر لکھے ہوئے ہیں۔

بالظلم والجور قد رضینا ؛ ولیس بالکفر والحماقة
ان کنت عطیت علم غیب ؛ فقل لنا کاتب البطاقة

یہ پرچہ اس لیے لکھا گیا کہ فاطمیین علم مغیبات کا دعویٰ کرتے تھے[1]۔
دولت فاطمیہ کو فروغ دینے کے لیے اُس نے بے انتہا کوشش کی۔ افریقیہ کے باشندوں کے قلوب کی زر کثیر سے تالیف کی اور یوسف بن بلکین کو ان کی ولایت پر برقرار رکھا۔ شام میں افتکین کو گرفتار کرکے اس کی بغاوت فرو کی۔ روم کے مقابلے کے لیے لشکر تیار کیا۔ مکۂ معظمہ میں اپنے نام کا خطبہ جاری کیا۔ متعدد مسجدیں اور محل بنائے۔ اسی کے زمانے میں حمص۔ حماۃ۔ شیزر اور حلب فتح ہوے ۳۸۲ھ میں والی موصل مقلد بن مسیب عقیلی نے موصل اور اس کے اضلاع میں اسکے نام کا خطبہ اور سکہ جاری کیا۔ یمن میں بھی اس کا خطبہ پڑھا گیا۔ دولت فاطمیہ میں سوائے حاکم کے اکثر ائمہ کے زمانے میں اہل کتاب کے ساتھ بڑی رواداری کا برتاؤ کیا گیا۔ بلکہ بعض حکمرانوں نے انھیں اعلیٰ عہدے بھی دیے۔ چنانچہ عزیز نے اپنے آخری زمانے میں عیسیٰ بن نسطورس (نصرانی) اور اسحٰق بن المنسا (یہودی) کو وزراء مقرر کیا۔ گو بعض مسلمانوں نے اس طرز عمل سے ناراضی ظاہر کی۔ اپنی نصرانی بیوی کے دو بھائیوں کو اسکندریہ اور بیت المقدس کے بطریق بنایا۔ ابو سیفین کے گرجا کو جسے مسلمانوں نے تباہ کر دیا تھا از سر نو بنانے کی اجازت دی۔ اشمونین کے پادری سورس (Severus) کو قاضی القضاۃ

[1] ابن خلکان $\frac{۲}{۱۵۲}$ فصل ۳۷ (امام اور اس کے اوصاف)

محمد بن نعمان کے مذہبی جلسوں میں شریک ہو کر مناظرہ کرنے کی رغبت دلائی۔ ایک مسلمان کو جو نصرانی ہو گیا تھا موت کی سزا دینے سے انکار کیا[۱]۔ ۳۶۹ھ میں سلطان عضد الدولہ بویہی سے اتحاد پیدا کرنے کی کوشش کی۔ لیکن اس میں کوئی اہم کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ بہ خلاف اسکے ایک سال بعد عضد الدولہ نے بغداد کے شرفاء کو جمع کر کے بنو فاطمہ کے نسب کو باطل کرنے کی کوشش کی[۲]۔

عہد فاطمی میں یہی وہ پہلا حکمران ہے جس نے حکومت کی طرف سے جامع ازہر میں مدرسہ قائم کیا۔ ترکوں کو فوج میں بھرتی کرنے کی تباہ کن پالیسی اختیار کی۔ وزارت کا عہدہ قائم کر کے وزیر کا نام اپنے نام کے ساتھ شریک کیا۔ محکمۂ مالیات کا بہترین انتظام کیا اور ہر عہدہ دار کی تنخواہ مقرر کی۔ چوگان اور نیزہ بازی میں بھی حصہ لیا۔ انفطار کی رسم مسجدوں میں جاری کی۔ بہر حال اس کے زمانے میں ملک کو بڑا امن و امان حاصل ہوا۔ اس کے کرم وعفو کی وجہ سے اس کا عہد ضرب المثل ہو گیا تھا۔ اس کے سب دن "اعیاد و اعراس" تھے۔ اسی کے دور میں دولت فاطمیہ کو عروج حاصل ہوا۔ ملک میں تمول اتنا بڑھا تھا کہ سپاہیوں کے سنہری زین بننے لگے۔ غرض کہ محل میں درباریں وعوتوں اور دیگر تقریبوں میں ثروت کے آثار نمایاں ہونے لگے۔ اس کی دوسری مثالیں "ائمہ کے شاندار مظاہروں" میں ملیں گی جو دولت فاطمیہ کی خصوصیات میں شامل ہیں[۳]۔ اس حکمران کے بعد دولت فاطمیہ کا زوال شروع ہوا۔ ۳۸۶ھ میں اس نے بلبیس میں وفات پائی[۴]۔

۱۔ (S. Lane - Poole, p. 199.) بحوالہ ابو صالح الارمنی النصرانی ورق ۳۴-۳۶-

۲۔ ابن تغری بردی $\frac{۴}{۱۲۶}$ Wustenfeld, p. 142.

۳۔ فصل ۳۰ (فاطمیین کی ثروت اور ان کے شاندار مظاہرے)

۴۔ ابن خلکان $\frac{۲}{۱۵۲}$ -

ماخوذ از "الفاطميون فی مصر"
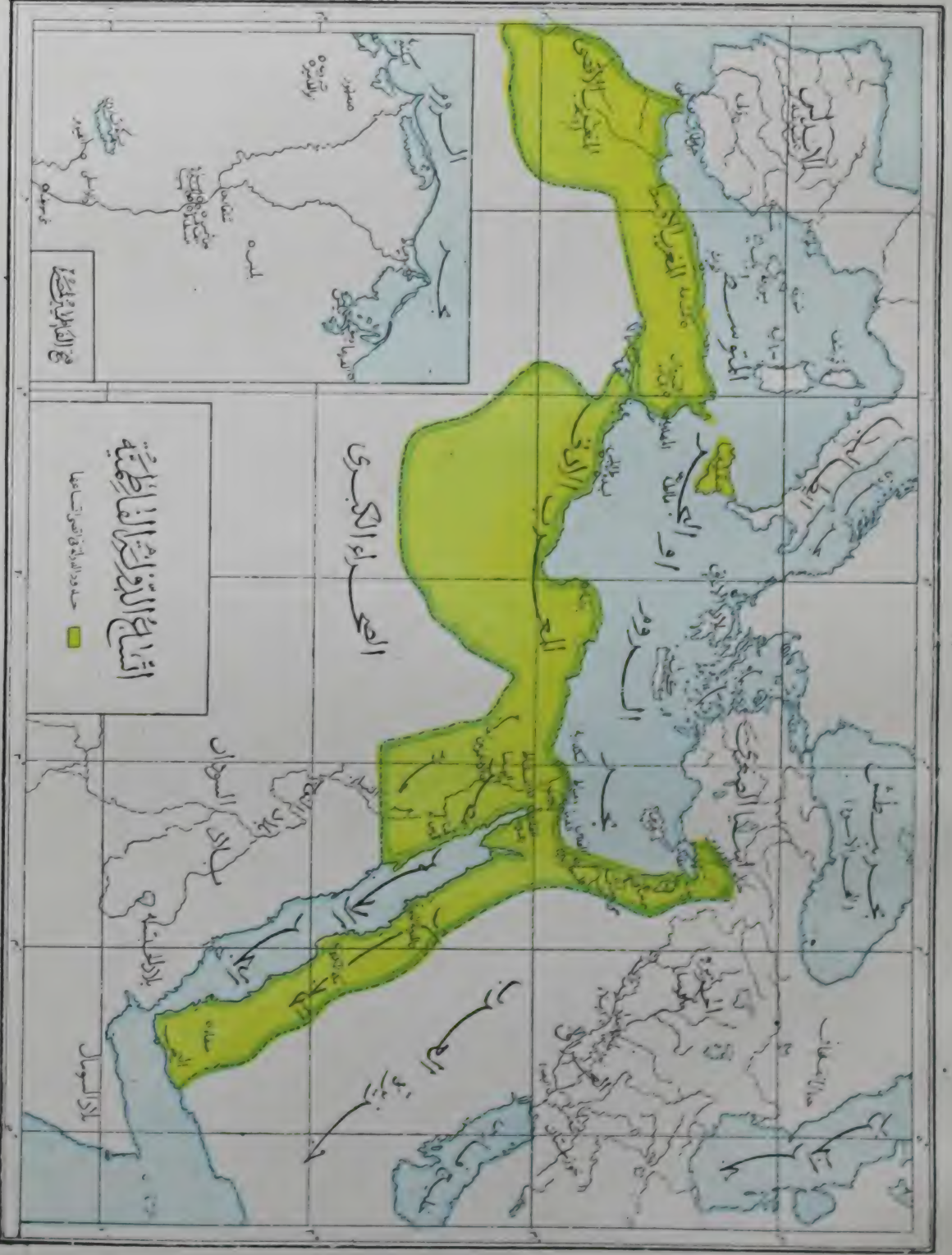
عزیز کے زمانے کی عمارتیں

ہندوستان کے شاہجہاں کی طرح عزیز کو بھی عمارتوں کا بہت شوق تھا۔
۳۸۰ھ کے ماہ رمضان میں اس نے باب الفتوح کے قریب ایک بڑی جامع مسجد کی بنیاد ڈالی۔ جس کی تکمیل حاکم کے زمانے میں ہوئی۔ اس کا نام جامع ازہر کے مقابلے میں جامع انور رکھا گیا لیکن یہ جامع الحاکم کے نام سے مشہور ہو گئی۔ ایک دوسری مسجد قرافہ (شاہی قبرستان) میں بنائی۔ دربار کے لیے ایک محل بنایا جسے "قصر الذہب" کہتے تھے۔ ایک دوسرا محل جس کا نام "قصر البحر" تھا بحر نیل کے قریب تیار کیا۔ یہ ایسا عظیم الشان اور نادر محل تھا جس کی نظیر نہ مشرق میں پائی جاتی تھی نہ مغرب میں۔ علاوہ ان دو محلوں کے موضع عین الشمس میں کئی شاہی محلات تیار کیے۔

فصل (۱۶)

ابو علی الحسین
الحاکم بامر اللہ
۳۸۶ - ۴۱۱ھ

پیدائش ۳ ربیع الاول ۳۷۵ھ　　آغاز حکومت ۳۸۶ھ　　غیبت ۲۷ شوال ۴۱۱ھ

حاکم کی بیعت

حاکم کی پیدائش بروز پنجشنبہ ۳ ربیع الاول ۳۷۵ھ ہوئی۔ اس کے باپ عزیز نے ماہ شعبان ہی میں جب حاکم کی عمر آٹھ سال کی تھی اس پر نص کر دی تھی۔ اور اس کو اپنا ولی عہد مقرر کر دیا تھا[۱]۔ تین سال بعد ۳۸۶ھ میں اس نے موضع بلبیس میں قولنج اور پتھری کی شکایت سے وفات پائی۔ یہ شکایت اسے اس وقت لاحق ہوئی جب وہ روم کی سرکوبی کے لیے سواحل شام جانے کی غرض سے

[۱] ۔عیون الاخبار ۶/۲۰۴ ابن الاثیر ۹/۵۰ ابن خلکان ۲/۱۵۳

مصر سے روانہ ہو چکا تھا[1]۔ اثنائے سفر میں جب اسے یقین ہو گیا کہ اس کا آخری وقت بہت قریب ہے تو وہ حمام سے فارغ ہو کر برجوان کی فرودگاہ پر گیا جہاں اس نے تمام دن گذارا۔ دوسرے دن حسن بن عمار کتامی اور قاضی القضاۃ محمد بن نعمان کو طلب کر کے ان دونوں کو حاکم کے متعلق وصیت کی[2]۔ اسی طرح اس نے حاکم کو بھی بلا کر وصیت کی۔ اس کے بعد پھر وہ حمام میں گیا اور وہیں انتقال کیا۔ اس کی موت کی خبر چھپائی نہیں گئی جس طرح اس کے باپ معز کی خبر چھپائی گئی تھی[3]۔ حکومت فاطمیہ کا یہ دستور تھا کہ امام کے انتقال کا اعلان اس وقت تک نہیں کیا جاتا تھا جب تک کہ اس کے ولی عہد کی بیعت تکمیل کو نہ پہنچے۔ اسی وجہ سے بعض مورخین نے یہ لکھا ہے کہ ان کا تخت خوف پر مبنی تھا۔

عزیز کے انتقال کے بعد جو واقعات پیش آئے وہ خود حاکم نے ایک موقع پر مسبحی کے سامنے اس طرح بیان کیے ہیں۔ "اے مختار[4] جب میرے باپ عزیز کا انتقال ہوا تو فوراً برجوان میرے پاس آیا اور مجھے ایک درخت کی چوٹی پر دیکھ کر پکارا اترو۔ افسوس! خدا ہمیں اور تمھیں اپنی حفاظت میں رکھے۔ جب میں نیچے اترا تو برجوان نے میرے سر پر عمامہ رکھا جو جواہرات سے مرصع تھا۔ اور میرے سامنے زمین بوسی کی اور کہا السلام علیک یا امیر المومنین ورحمۃ اللہ وبرکاتہ پھر وہ مجھے اس لباس میں اہل بلبیس کے سامنے لے گیا۔ انھوں نے بھی زمین بوسی کی اور خلافت کی سلامی دی[5]۔ یہ واقعہ بروز سہ شنبہ ۲۵ رماہ رمضان ۳۸۶ھ میں ہوا۔

---

[1] ۔ فصل ۱۵ (بلادِ شام میں افتکین کی شکست)

[2] ۔ ابن خلکان ۲/۱۵۳ ۔

[3] ۔ برجوان نے عزیز کی موت کی خبر قاہرہ میں داخل ہونے تک چھپائی (عیون الاخبار ۶/۲۴۴)

[4] ۔ مختار الملک اس کا خطاب تھا۔

[5] ۔ ابن خلکان ۲/۱۵۳ ۔

قاہرہ میں جب یہ خبر پہنچی تو اہل قاہرہ حاکم کو لینے کے لیے گئے۔ برجوان جسکو عزیز نے حاکم کا وزیر مقرر کیا تھا ان لوگوں کو ساتھ لے کر قاہرہ کی طرف روانہ ہوا۔ حاکم کے سامنے اس کے باپ عزیز کا جنازہ تھا۔ حاکم کے بدن پر اونی قمیص۔ کمر میں تلوار۔ سر پر جواہر دوز عمامہ تھا۔ اس ہیئت سے وہ چہارشنبہ کے روز نماز مغرب کے قبل اپنے تمام لشکر کے ساتھ قاہرہ میں داخل ہوا۔ اور عزیز کی تجہیز و تکفین میں مصروف ہوا۔

دوسرے دن پنجشنبہ کو تمام اہل دولت قصر شاہی کی طرف روانہ ہوئے۔ حاکم کے لیے ایوان کبیر میں سونے کا تخت بچھایا گیا۔ اس تخت کی نشست بھی سونے کی تھی۔ جب حاکم اپنے قصر سے نکلا تو تمام حاضرین زمین بوس ہوئے اور اس کے سامنے چلے۔ دربار میں پہنچے کے بعد انھوں نے پھر حاکم سے بیعت کی۔ اس وقت اس کی عمر گیارہ سال پانچ ماہ اور چھ روز کی تھی۔ حاکم کی بیعت کے بعد کئی قسم کے غیر قانونی محاصل یعنی مکوس[1] جو ساحل پر عائد کیے گئے تھے عوام کی آسائش کے خیال سے منسوخ کر دیے گئے۔ قائد حسین بن جوہر کو برید اور انشاء کا کام سپرد کیا گیا اور ابن سعدین اس کا نائب بنایا گیا۔ عیسیٰ بن نسطورس (نصرانی) کو دیوان خاص کی خدمت ملی۔ لیکن تقریباً چار مہینے بعد وہ قتل کر دیا گیا[2]۔ سلیمان بن جعفر بن فلاح کو بلاد شام کی ولایت دی گئی۔ حسن بن عمار واسطہ مقرر کیا گیا۔ یہ لفظ دولت فاطمیہ میں وزیر کا مترادف تھا۔ لیکن اہل دولت نے اس کی مخالفت کی جس کی وجہ سے کئی لڑائیاں ہوئیں۔ گیارہ مہینے کی وزارت کے بعد وہ اپنے عہدے سے معزول کر دیا گیا اور اس کی جگہ برجوان جو ترکی

[1] ۔ فصل ۳۰ (خراجی اور ہلالی)   [2] ۔ دو سال قبل عزیز کی بیٹی کی سفارش پر یہ قید سے رہا کیا گیا تھا اور اسے خدمت ملی تھی (فصل ۱۵ عزیز کے پہلے وزراء)

فوج کا سردار تھا پھر وزیر مقرر کیا گیا۔[۱] لیکن دوسری روایت یہ ہے کہ عزیز نے یہ وصیت کی تھی کہ برجوان حاکم کی سرپرستی کے ساتھ وزارت کا کام بھی انجام دے اور حسن بن عمار کتامی افواج کی سپہ سالاری پر برقرار رہے۔ اسی وجہ سے ابن خلدون نے حسن کو برجوان کا ردیف کہا ہے جس کے معنی نائب اور تابع کے ہیں[۲]۔ عیون الاخبار کی روایت بہت مجمل ہے۔ اس سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ عزیز نے ۳۸۳ھ میں حاکم پر نص کی اور اسے اپنا ولی عہد قرار دیا۔ اس وقت حاکم کی عمر آٹھ سال کی تھی۔ تین سال بعد عزیز کا انتقال ہوا۔ برجوان اور وزیر حسن بن عمار مملکت پر چھا گئے اور کتامیوں اور ترکوں کو تباہ کر دیا۔ حاکم نے انھیں بہت روکا مگر انھوں نے نہ مانا۔ اس لیے حاکم نے انھیں قتل کر دیا[۳]۔

استاد برجوان اور حسن بن عمار کا جھگڑا اور مصر و شام پر اس کا اثر ۳۸۷ھ

الغرض عزیز کے انتقال کے بعد برجوان نے حاکم کو تختِ امامت پر بٹھا کر تمام لوگوں سے بیعت لی اور وزارت کا کام انجام دینے لگا۔ حسن بن عمار کو یہ خوف ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ برجوان اور اس کی ترکی فوج کتامی فوج پر غلبہ حاصل کر لے۔ اس لیے وہ دولتِ فاطمیہ کو نیست و نابود کرنے کے درپے ہو گیا۔ برجوان کے تمام اقتدارات چھین لیے اور خود بخود وزیر بن کر امین الدولہ کا لقب اختیار کیا۔ دولت فاطمیہ میں یہ پہلا شخص ہے جس نے اس قسم کا لقب اختیار کیا۔ اس لقب کو مستشرق ڈساسی نے بڑی اہمیت دی ہے اور نتیجہ یہ نکالا ہے کہ قبیلۂ کتامہ نے حاکم کو قتل کر کے ایک بربری سیاسی حکومت قائم کرنے کی کوشش کی جس میں مذہب کو کوئی تعلق نہ ہو۔ کیونکہ ان کی نظر میں مہدی اور اسکے جانشین معمولی اشخاص ثابت ہوئے۔ انھوں نے یہ گوارا نہ کیا کہ ان کی جد و جہد کا

۱ھ - مقریزی ۲/۶۸ - ابن الصیرفی ۸۶ - ۲ھ - ابن خلدون ۲/۵۶ ابن الاثیر ۹/۴۹
۳ھ - عیون الاخبار ۶/۲۰۴ -

ثمرہ برجوان اور اس کی فوج کو ملے جو ترک تھے[1] اس کی تائید خود داعی احمد حمید الدین الکرمانی کے قول سے ہوتی ہے جو یہ کہتا ہے کہ کئی دفعہ لشکر اور امراء سے اس بارے میں بیعت لی گئی کہ حاکم قتل کردیا جائے[2]۔ یہ ملحوظِ خاطر رکھنا چاہیے کہ قبیلۂ کتامہ کے خلوص اور وفاداری میں عزیز کے پچھلے زمانے سے بہت کچھ فتور پیدا ہوگیا تھا۔ ایک دفعہ انھوں نے اپنے سردار حسن بن عمار کو حاکم کے قتل کرنے کا مشورہ بھی دیا تھا۔ سردارِ مذکور نے حاکم کو حقیر اور کمسن سمجھ کر چھوڑ دیا[3]۔ اب وہ علانیہ دولتِ فاطمیہ کو نقصان پہنچانے لگے۔ برجوان اور ابن عمار کے آپس کے جھگڑے سے مشارقہ (ترکی فوج) اور مغاربہ (بربری کتامی فوج) میں لڑائیاں چھڑ گئیں۔ یعنی قوم داری مخالفت شروع ہوگئی جو دولتِ فاطمیہ کے زوال کا پہلا سبب ہے۔ اس سے یہ دولت ایسی متزلزل ہوئی کہ پھر سنبھل نہ سکی۔ بہرحال حسن بن عمار نے برجوان کو بے بس کردیا۔ اس کا اقتدار صرف خلیفہ کے قصر تک محدود ہوگیا۔ وہ صرف حاکم کی حفاظت کرتا رہا تاکہ اسے کوئی گزند نہ پہنچے اور اپنی کھوئی ہوئی وزارت کے حاصل کرنے کی فکر میں رہا۔

اس زمانے میں شکر نامی ایک ترکی شرف الدولہ بویہی کی قید سے بھاگ کر مصر آیا ہوا تھا اور دولتِ فاطمیہ کی پناہ لی تھی۔ یہ بااثر شخص تھا اس میں اور برجوان میں موافقت تھی۔ برجوان نے اس کو اور ایک کتامی سردار جیش بن صمصامہ کو اپنے ساتھ لے کر والی شام منجوتکین سے مراسلت کی اور اس کو حسن بن عمار کی بغاوت سے مطلع کیا۔ منجوتکین نے ایک ترکی ہونے کی حیثیت سے ترکوں کی طرفداری کی۔ اور برجوان کی مدد کے لیے فوج لے کر شام سے مصر کی طرف روانہ ہوا۔

---

[1] ادیری۔ صفحہ ۱۲۵ بحوالۂ وساسی۔ [2] کتاب المصابیح فی البرھان السادس من المصباح السابع من المقالۃ الثانیۃ [3] ابن الاثیر $\frac{9}{49}$ ۔

جب حسن بن عمار کو یہ بات معلوم ہوئی تو اس نے شہر کے لوگوں کو یہ سمجھایا کہ منجوتکین بغاوت پر آمادہ ہو کر مصر پر چڑھائی کے لیے شام سے روانہ ہو چکا ہے۔ اور حاکم کی نافرمانی پر تلا ہوا ہے۔ اس بہانے سے حسن بن عمار مغاربہ کی ایک بڑی فوج تیار کرنے میں کامیاب ہوا۔ اور ابو تمیم سلیمان بن جعفر بن فلاح کو اس کا سردار مقرر کر کے منجوتکین کے مقابلے کے لیے بھیجا۔ اس لشکر نے منجوتکین کو شہر عسقلان میں گھیر لیا اور اس کے دو ہزار آدمی قتل کر ڈالے۔ سلیمان نے منجوتکین کو گرفتار کر کے مصر بھیج دیا۔ حسن بن عمار نے منجوتکین کو کوئی سزا نہیں دی بلکہ اس کے ساتھ مہربانی سے اس لیے پیش آیا کہ ترکوں کو اپنا طرفدار بنا کر خود اپنی وزارت کو مستحکم کرے۔ کیونکہ وہ خوب جانتا تھا کہ جب تک ترک اس کا ساتھ نہ دیں شہر میں امن قائم ہونا مشکل ہے[1]۔

سلیمان بن جعفر بن فلاح جو فوج کا سردار بنا کر بھیجا گیا تھا شام کا والی مقرر کیا گیا۔ یہ شخص طبریہ پہنچا اور وہاں سے اپنے بھائی ابو تمیم علی بن جعفر کو دمشق کا عامل بنا کے بھیجا۔ اہل دمشق نے اپنی قدیم عادت کے موافق ہلڑ مچایا اور علی کو شہر میں داخل نہ ہونے دیا۔ علی نے جب حملے کی دھمکی دی تو دمشقیوں نے اس کی اطاعت قبول کر لی۔ وہ شہر میں داخل ہوا اور شرارت کرنے والوں کو سزائیں دیں۔ کچھ دنوں بعد خود سلیمان نے دمشق پہنچ کر مجرموں کا قصور معاف کیا اور ان سے وفاداری کا عہد و پیمان لیا اور اپنے بھائی علی کو ساحل شام کے شہروں کی طرف بھیجدیا تاکہ وہاں جاکر وہ ان کی حفاظت کرے۔ یہ طرز عمل اس نے اس وجہ سے اختیار کیا کہ دولت فاطمیہ کو اس موقع پر ساحل شام کے شہروں کے حفاظت کی زیادہ ضرورت تھی۔ تاکہ وہ

---

[1] ۔ عزیز نے بہت سے ترکی سپاہیوں کو اپنی فوج میں داخل کر لیا تھا تاکہ کتامیوں کا توازن قائم رہے

روم کی زد سے بچیں۔ عزیز کی بھی یہی پالیسی تھی کہ جہاں تک ہو سکے ساحل شام کے شہروں کی حفاظت اچھی طرح کی جائے۔ تاکہ رومیوں کو بلادِ اسلامیہ پر حملہ کرنے کا موقع نہ ملے۔ علی سے پہلے ان شہروں پر جیش بن صمصامہ عامل تھا۔ سلیمان نے اس کو مصر واپس کر دیا جہاں وہ پہنچ کر برجوان کے ساتھ ہو گیا۔ اور دمشق کا مستقل انتظام اس وقت ملتوی کر کے کسی مناسب موقع کے لیے اٹھا رکھا۔

برجوان کی کامیابی اور حسن بن عمار کی شکست ۲۷ رمضان ۳۸۷ھ

اگو بظاہر حسن بن عمار منجوتکین کو گرفتار کرانے میں کامیاب ہوا۔ اور برجوان اپنے مقصد میں کہ منجوتکین مصر پر حملہ کر کے حسن ابن عمار کی قوت کو توڑ دے ناکام رہا۔ مگر پھر بھی حسن بن عمار اپنی وزارت کے عہدے کو زیادہ عرصے تک برقرار نہ رکھ سکا۔ برجوان نے مصر میں تمام ترکی سپاہیوں کو مال و زر کا لالچ دے کر ملا لیا تھا۔ دوسرا موقع اس کو یہ ملا کہ اس وقت کتامی فوجیں زیادہ تر شام میں تھیں اور مصر میں ان کی تعداد کم رہ گئی تھی جو حسن بن عمار کی طرفدار تھیں۔ اس موقع سے برجوان نے فائدہ اٹھا کر ترکی فوجوں کو یہ حکم دیا کہ وہ حسن بن عمار اور اس کی باقی ماندہ کتامی فوجوں پر حملہ کر دیں۔ کتامی اور ترکی فوجوں کے درمیان مصر میں چند معرکے ہوئے۔ حسن بن عمار کو بھاگنا پڑا۔ اور وہ روپوش ہو گیا۔ دس مہینے پچیس دن اس کی وساطت باقی رہی۔ اس کے شکست کھانے کے یہ معنی ہوئے کہ دولتِ فاطمیہ میں کتامی سردار جن کے بزرگوں کی مدد سے یہ دولت قائم ہوئی تھی ہمیشہ کے لیے ایسے پسپا ہوئے کہ پھر کبھی سر نہ اٹھا سکے۔ ان کے بعد فوج میں ترکی عنصر بہت بڑھ گیا۔ ابن عمار کے روپوش ہوتے ہی برجوان نے حاکم کو پھر پبلک میں لا کر بیعت کی تجدید کی۔ اور خود بغیر کسی مددگار کے وزارت کا کام انجام دینے لگا۔ حسن بن عمار کو کوئی سخت سزا نہیں دی گئی۔ بلکہ کچھ دنوں بعد اس کی ضبط کردہ جائداد بحال کر دی گئی۔

اور اس کو دربار میں آنے جانے کی اجازت بھی مل گئی۔ برجوان نے یہ طرز عمل ممکن ہے اس وجہ سے اختیار کیا ہو کہ اس کو خوف لگا ہوا تھا کہ کتامی فوجیں شام سے واپس ہو کر پھر اس پر حملہ نہ کریں اور حسن بن عمار پھر اس پر قابو نہ پائے۔ سنہ ۳۹۰ھ میں چند ترکی سپاہیوں نے حسن کو قتل کر ڈالا۔

شام میں فتنہ و فساد اور اس کا انسداد ۳۸۸ھ

بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ برجوان کی کامیابی کے بعد ایشیا کے صوبے بنو فاطمہ کے قبضے سے نکل گئے۔ وزارت کا عہدہ ملتے ہی اس نے اہل دمشق کو یہ حکم بھیجا کہ سلیمان بن جعفر الکتامی کو جو حسن بن عمار الکتامی کا مقرر کردہ والی تھا شہر سے نکال دیا جائے اور اس کے ساتھی اگر مزاحمت کریں تو قتل کر دیے جائیں۔ یہ حکم پہنچتے ہی سلیمان پر حملہ کیا گیا اس کا جتنا مال تھا لوٹ لیا گیا اور اسکے ساتھی جو کتامی سپاہی تھے مار ڈالے گئے۔ وہ بھاگ کر رملہ چلا گیا۔ اب چونکہ ملک شام میں کوئی زبردست والی نہ رہا اس لیے وہاں فتنہ و فساد برپا ہو گیا۔ معمولی لوگوں کی حکومت قائم ہو گئی۔ موضع صور[1] پر ایک ملاح علاقہ حاکم بن گیا۔ رملہ میں ایک بدو مفرج بن دغفل بن الجراح الطائی کی حکومت قائم ہو گئی۔ قلعۂ افامیہ[2] پر شہنشاہِ روم کا محاصرہ ہو گیا۔ یہ دیکھتے ہی برجوان نے جیش بن صمصامہ کو شام کا والی بنا کر بھیجا۔ یہ ایک زبردست فوج لے کر رملہ روانہ ہوا جہاں اُسے سلیمان ملا جسنے دمشق سے بھاگ کر رملہ میں پناہ لی تھی۔ جیش نے اُسے گرفتار کر کے مصر بھیج دیا۔ اس کے بعد جیش نے ابو عبداللہ حسین بن ناصر الدولہ حمدانی کے تحت ایک فوج کا دستہ صور کو روانہ کیا۔ اس کے مقابلے کے لیے والی صور نے روم سے مدد طلب کی۔ ان کی مدد سے علاقہ نے حسین سے

---

[1] Tyre.　[2] Apamea

جنگ کی مگر ناکام رہا حسین صور میں داخل ہوا اور علاقہ کو قید کر کے مصر بھیج دیا جہاں اُسے سولی دی گئی۔ صور کی تسخیر کے بعد جیش بن صمصامہ خود مفرج بن دغفل کی سرکوبی کے لیے رملہ روانہ ہوا۔ اسی باغی کے متعلق وزیر ابن کلس نے اپنے انتقال کے وقت عزیز کو یہ وصیت کی تھی کہ "اے عزیز! رومی جب تک تجھ سے مصالحت سے پیش آئیں تو بھی ان سے مصالحت کر۔ حمدانی حکومت کے والیان حلب سے صرف خطبہ اور سکے پر قناعت کر۔ اور مفرج بن دغفل پر کبھی رحم نہ کر۔ جب کبھی رخصت ملے اس کی خبر لے"۔[1] بہرحال جیش بن صمصامہ کے لشکر نے مفرج کو بھگا دیا اور رملہ پر قبضہ کر لیا۔

روم کی شکست اور حاکم کی ان سے دہ سالہ مصالحت ۳۸۹ھ

۳۸۹ھ میں جیش دمشق پہنچا۔ یہاں کے باشندوں نے اس کی اطاعت قبول کر لی اور اس کا دوستانہ استقبال کیا۔ جیش بھی ان سے نرمی سے پیش آیا اور یہ حکم نافذ کیا کہ جو مغربی اہل دمشق کو ستائے اس کا خون حلال ہے۔[2] اُسے اس وقت روم کی طرف توجہ کرنے کی زیادہ ضرورت تھی۔ کیونکہ روم کا معاملہ زیادہ خطرناک ہوتا جا رہا تھا۔ اس لیے اس نے افامیہ کا رُخ کیا۔ جہاں اُسے روم کا مقابلہ کرنا تھا۔ ابتدا میں اُسے بڑی شکست ہوئی۔ اس اثناء میں کہ رومی اُس کا مال لوٹ رہے تھے ایک کُردی احمد بن عبد الحق (بشاری) چند سپاہیوں کے ساتھ رومی حاکم دوقاس کی جانب اس وقت بڑھا جب وہ اپنے لڑکے اور چند رومیوں کے ساتھ ایک ٹیکری پر کھڑا ہوا جنگ کا معائنہ کر رہا تھا۔ شہنشاہ سمجھا کہ یہ شخص اطاعت قبول کرنے کے لیے اس کے پاس آرہا ہے۔ مگر اس نے قریب پہنچتے ہی بادشاہ پر ایسا بھرپور وار کیا کہ

[1] - ابن الصیرفی صفحہ (۹۰) [2] - ابن الاثیر - ۹/۵۰

اس کا کام تمام ہو گیا۔ مسلمان چلائے "اے بھائیوں ملعون مارا گیا رومیوں کا پیچھا کرو"۔ اس واقعے سے رومی پریشان ہو کر بھاگنے لگے۔ مسلمانوں نے ان کا پیچھا کیا۔ اور ۳۸۹ھ میں ان کو آخری شکست دی۔ اس سے پہلے بھی روم نے ساحل صور پر شکست کھائی تھی۔ اس کے بعد جیش انطاکیہ کو روانہ ہوا جہاں چند مفسدوں کو قتل کر کے دمشق واپس ہوا۔ اور جتنے دمشقیوں نے سرکشی کی تھی انھیں سخت سزا دی۔ کہا جاتا ہے کہ وہ اکثر اُن نوجوانوں کو جو ہمیشہ فساد کرتے تھے دعوت دیتا تھا۔ حسب دستور ایک دفعہ اس نے سب کو ایک مکان میں جمع کیا۔ کھانا کھلانے کے بعد اس نے مکان کا دروازہ بند کروا دیا اور جتنے اہل شہر وہاں جمع تھے ان سب کو قتل کرا دیا[1]۔ روم کے مذکورہ واقعہ کے بعد برجوان نے ان کے قیصر بسیل سے دہ سالہ مصالحت کی تاکہ اُسے مصر کے اندرونی معاملات کی طرف توجہ کرنے کا موقع ملے۔

جیش بن صمصامہ کا انتقال ۳۹۰ھ اور اُس کے بعد دمشق کی ولایت کا انتظام

نو سال کی خدمت کے بعد ۳۹۰ھ میں جیش کا انتقال ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ بڑا ظالم اور خونخوار تھا[2]۔ اس نے اپنی وفات سے پہلے یہ وصیت کی تھی کہ میرا جتنا ترکہ ہے اس میں میرے بچے اور رشتہ داروں کا کوئی حق نہیں ہے۔ وہ سب کا سب قصر پر وقف ہے۔ یہ وصیت نامہ لے کر اس کا لڑکا حاکم کے پاس پہنچا۔ حاکم نے کہا "میں نے تمھارے باپ کا وصیت نامہ پڑھا۔ جو کچھ ترکہ تمھارے باپ نے چھوڑا ہے وہ تمھیں لے لو۔ وہ تمھیں کو مبارک ہو"۔ اس ترکے کی قیمت تقریباً دو لاکھ دینار تھی[3]۔ جیش کے بعد دمشق کے والی فحل بن تمیم

[1] - ابن الاثیر $\frac{9}{50}$

[2] - ابن تغری بردی

[3] - مقریزی $\frac{4}{59}$

علی بن فلاح ۔ تمو صلت بن بکار اور مفلح لحیانی یکے بعد دیگرے ہوئے۔

برجوان کی دوسری کارگزاریاں اور اس کا قتل سنہ ۳۹۰

بلادِ شام کے انتظام کے علاوہ برجوان نے افریقیہ کی طرف بھی توجہ کی اور اس پر یانس (غلام) کو والی مقرر کیا۔ طرابلس الغرب اس زمانے میں منصور بن یوسف بلکین کے قبضے میں تھا۔ گو اس والی کو حاکم نے تالیف کی غرض سے اپنے ابتدائی زمانے میں تحفے اور خلعت بھیجے تھے لیکن اس نے خود مختاری حاصل کرلی۔ برائے نام حاکم کا خطبہ پڑھتا تھا۔ مصر کی قربت کی وجہ سے برجوان نے افریقیہ کے معاملے کو مستحکم کرنے کے لیے یانس کی قیادت میں ایک لشکر روانہ کیا۔ کچھ عرصے کے لیے یہ علاقہ پھر بنو فاطمہ کے قبضے میں آگیا۔[۱] غزہ[۲] اور عسقلان جو سرحدی مقامات تھے ان کی ولایت یمن (غلام) کو دی۔ صور کی ولایت نحل بن اسمٰعیل کے سپرد کی۔ محمد بن نعمان متوفی سنہ ۳۸۹ کے انتقال کے بعد ابوعبداللہ حسین بن علی بن نعمان کو قاضی القضاۃ کا عہدہ دیا۔ فہد بن ابراہیم (نصرانی) کو اپنا معتمد مقرر کیا۔ وزارت کے تمام کام اسی کے ذریعہ انجام پاتے تھے۔ بہر حال برجوان نے اپنے ابتدائی زمانے میں بڑی مستعدی سے کام کیا۔ پھر وہ ایسا عیش پسند ہوگیا کہ اپنا اکثر وقت لہو ولعب میں گزارنے لگا۔ حاجتمند اس کی ڈیوڑھی پر منتظر رہا کرتے تھے۔ مگر وہ دوپہر تک قصر اللؤلؤ[۳] میں جسے عزیز نے

---

[۱] ۔ ابن خلدون $\frac{4}{59}$

[۲] ۔ غزہ ایک شہر ہے جو شام کے آخری حصہ میں واقع ہے۔ اس کے اور عسقلان کے درمیان دو فرسخ کا فاصلہ ہے۔ (معجم البلدان $\frac{3}{799}$)

[۳] ۔ موتی محل (ذکر منظرۃ اللؤلؤ۔ مقریزی $\frac{2}{348}$)

بنایا تھا گانا سنتا رہتا تھا۔ حاکم سے بھی بدسلوکی کرنے لگا۔ کسی امر میں اس سے مشورہ نہیں لیتا تھا۔ جو چاہتا تھا خود کرتا تھا۔ ایک دفعہ آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا اور اپنا پاؤں حاکم کے منہ کی طرف کر کے اس سے گفتگو کرنے لگا۔ حاکم نے اس کا نام "چھپکلی" رکھا تھا۔ اب اس نے یہ ارادہ کر لیا کہ کسی نہ کسی طرح برجوان قتل کر دیا جائے۔ لیکن چونکہ برجوان نے اپنے آپ کو عوام میں بہت محبوب بنا لیا تھا اس لیے اس کا قتل نہایت مشکل تھا۔ ایک سال سے حاکم اسی تدبیر میں لگا ہوا تھا اور موقع کا منتظر تھا۔ آخر کار اس نے ایک باغ کی تعمیر کا بہانہ کیا۔ اس کی نگرانی پر اپنے غلام ریدان صقلبی (چتر بردار) کو مقرر کیا۔ اور اسے یہ حکم دیا کہ جب وہ اشارہ کرے برجوان قتل کر دیا جائے۔ ہر روز وہ برجوان کو ساتھ لے کر اس باغ کے معائنہ کے لیے جاتا تھا۔ ایک روز ریدان نے اس کے حکم کے مطابق برجوان پر حملہ کیا۔ فوراً ہی اس کے ساتھیوں نے برجوان کو قتل کر ڈالا۔ اس واقعے سے ترکی فوج میں ایک ہنگامہ برپا ہوا۔ حاکم نے فوج سے مخاطب ہو کر کہا "اے لوگو! مجھے اطلاع ملی کہ برجوان نے میرے خلاف ایک سازش کی ہے۔ اس لیے میں نے اسے قتل کرا دیا۔ اب تم میری مدد کرو اور میرے ساتھ سختی سے پیش نہ آؤ۔ میں ابھی کم سن ہوں"[1] یہ کہ کر حاکم رو پڑا۔ بہر حال برجوان اپنے استبداد کی وجہ سے مار ڈالا گیا۔ اس نے حاکم کی وہی حالت کر دی تھی جو کافور نے اخشیدی شہزادوں کی۔

مورخ ادریس نے بھی برجوان کے قتل کی یہی وجہ بتائی ہے کہ

---

[1] - مقریزی $\frac{۳}{۵-۴}$

[2] - مقریزی $\frac{۳}{۵}$ مستشرقین نے یہاں غلط سمجھا ہے کہ برجوان نے حاکم کا نام چھپکلی رکھا تھا۔ Lane-Poole, p. 125

اس نے کتامیوں پر ظلم کرنا شروع کیا۔ حسن بن عمار کا جو خود کتامی فوجوں کا سپہ سالار تھا یہ جرم تھا کہ اس نے کتامیوں کے خیالات بنو فاطمہ کی طرف سے پھیر دیے تھے اس لیے وہ بھی قتل کی سزا سے بچ نہ سکا۔ حسن بن عسلوج کا بھی یہی حشر ہوا[1]۔

حسین بن جوہر کی وزارت ۳۹۰ھ-۳۹۷ھ اور حاکم کے عجیب و غریب احکام ۳۹۰ھ-۴۰۰ھ

برجوان کے قتل کے بعد حاکم نے حکومت کی باگ اپنے ہاتھ میں لی اور حسین بن جوہر کو اپنا وزیر بنایا۔ ظاہر ہے اس کے نام کے ساتھ وزیر کا لفظ استعمال نہیں کیا جاتا تھا۔ اسے صرف قائد القواد کہتے تھے[2]۔ اسی نے حاکم کو برجوان کے قتل کا مشورہ دیا تھا۔ اس لیے بھی اپنی وزارت کے زمانے میں برجوان کے نصرانی مددگار فہد بن ابراہیم کو اپنا مشیر بنایا۔ فہد نے اپنی قوم نصرانیوں کی طرفداری شروع کی اور مسلمانوں پر ظلم کرنے لگا۔ حاکم اسے برطرف کرنا نہیں چاہتا تھا کیونکہ یہ شاہی خزانے میں بہت روپیہ جمع کرتا تھا[3]۔ لیکن آخر کار حاکم کو اسے معزول کرنا پڑا۔ ۳۹۳ھ میں اسے قتل کر دیا گیا اور اس کی لاش جلا دی گئی۔

دمشق میں کچھ عرصے تک امن و امان رہا۔ جیش بن صمصامہ کے انتقال کے بعد عارضی طور پر اس کا بیٹا محمود اس کی نیابت کرتا رہا۔ پھر فحل بن تمیم والی بنا کر بھیجا گیا۔ اس کے انتقال کے بعد علی بن فلاح کو دمشق کی ولایت ملی جس طرح ہم بیان کر چکے ہیں۔ اس وقت حاکم کی عمر تقریباً سولہ سال کی ہو چکی تھی۔ سب سے پہلے اس نے یہ حکم نافذ کیا کہ کوئی شخص مجھے سیدنا و مولانا کے الفاظ سے خطاب نہ کرے۔ صرف امیر المومنین پر اکتفا کرے۔ اس حکم کی خلاف ورزی میں قتل کی سزا مقرر کی گئی۔ بہر حال ۳۹۰ھ اور ۴۰۴ھ کے درمیان حاکم سے

۱؎ - عیون الاخبار ۶/۲۶۱ ۲؎ - مقریزی ۴/۶۸

۳؎ - Wustenfeld p. 176

عجیب وغریب افعال واحکام صادر ہوئے جن کی وجہ سے اکثر مورخین نے اسے فاتر العقل اور مجنون ٹھیرایا ہے۔ منجملہ ان افعال کے شب کا دربار ہے۔ اکثر راتوں کو حاکم سوار ہو کر باہر نکلتا اور دربار منعقد کرتا تھا عام لوگوں کو بھی یہ حکم دیا گیا کہ وہ اپنا کاروبار رات ہی کو کریں۔ دکانیں رات کو کھلتی تھیں اور روشنی کی جاتی تھی۔ غرض رات دن سے بدل گئی۔ اکثر بُری باتیں جو راتوں کو درپردہ ہوتی تھیں دن دہاڑے ہونے لگیں۔ لہو ولعب زیادہ ہوگیا۔ جب تماشہ دیکھنے کے لیے عورتیں باہر نکلنے لگیں تو ان کے روکنے کیلئے سخت احکام صادر کیے گئے۔ تاکہ شام کے وقت وہ اپنے گھروں ہی میں رہیں۔ رات کے دربار کا سلسلہ ۳۹۱ھ سے لے کر ۳۹۳ھ تک یعنی تین سال برابر جاری رہا۔ اس کے بعد حاکم نے اُسے بالکل موقوف کردیا اور یہ حکم صادر کیا کہ رات کو کوئی شخص باہر نہ نکلے۔

۳۹۳ھ میں حاکم نے جرجیر[1]۔ متوکلیہ[2] اور ملوخیہ[3] کے متعلق ایک

---

[1] - جرجیر ایک پودا ہے جو مسالے کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کے لیے ہندی لفظ چنسر ہے۔ فارسی میں اسے ترہ تیزک کہتے ہیں۔ اس کا نباتاتی نام Cichorium Endiva. ہے۔ انگریزی میں اسے Water Cress کہتے ہیں۔ مصر میں عام طور پر اس کے پتے کھانے کے ساتھ بہت استعمال کیے جاتے ہیں۔

Its blunched leaves are used as winter salad. Rocket (De slane,

Vol. 3, p. 450

[2] - متوکلیہ غالباً الوان طعام میں سے ایک لون کا نام ہے۔ چونکہ یہ خلیفہ متوکل کو زیادہ پسند تھا اس لیے اس کا نام متوکلیہ پڑ گیا۔

[3] - ملوخیہ ایک قسم کی ترکاری ہے جس کا مصری اور شامی سالن پکاتے ہیں۔ اس کی طبیعت

فرمان صادر کیا کہ ان ترکاریوں کا استعمال ممنوع ہے۔ جو شخص ان کی خرید و فروخت کرے گا یا انھیں کھائے گا اسے سخت سزا دی جائے گی۔ جبر جیر حضرت عائشہؓ اور متوکلیہ خلیفہ عباسی متوکل کی طرف منسوب ہے۔ ملوخیا (یا ملوخیہ) امیر شام معاویہ کی پسندیدہ ترکاری ہے۔ جبر جیر کی ممانعت کی روایت حضرت رسول خدا صلعم سے کی جاتی ہے۔ آپ نے فرمایا ہے کہ "ہندباد ہماری (نبات) ہے اور جبر جیر بنو امیہ کی۔ گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ جبر جیر کے اُگنے کی جگہ جہنم ہے اور باذورج کے پیدا ہونے کا مقام جنت ہے"۔ ایک دوسری روایت میں یہ ہے کہ "ہندباد کا کوئی ایسا پتا نہیں جس میں جنت کے پانی کا قطرہ نہ ہو"[1]۔

بعض قسم کی مچھلیاں مثلاً دنیس غیر فلس دار مچھلیاں[2] اور بدبو دار ترمس[3] حرام کی گئیں۔ جتنے مچھلی پکڑنے والے تھے ان سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) بارد ہے۔ جب خلیفہ معز نے مصر میں سکونت اختیار کی تو اس کے مزاج میں ایک قسم کا یبس پیدا ہو گیا۔ اطبا نے علاج میں ملوخیہ کا استعمال تجویز کیا۔ جس سے اُسے بہت فائدہ ہوا اور اس کے مُرید کثرت سے اسے کھانے لگے اور اس کا نام ملوکیہ رکھا۔ عام لوگوں نے اس میں تحریف کر دی اور اُسے ملوخیہ کہنے لگے۔ (شفاء الغلیل فیما فی کلام العرب من الدخیل صفحہ ۱۹۶) مقریزی جو خفاجی سے تقریباً تین سو سال قبل گذرا ہے یہ کہتا ہے کہ ملوخیہ معاویہ کی پسندیدہ ترکاری تھی (مقریزی $\frac{۲}{۱۵۸}$) ڈی سلین مترجم تاریخ ابن خلکان یہ کہتا ہے:-

The Molukhya is a species of Mellows. The Botanical name is core Horus olitorius (De slane, Vol. 3, p. 450)

[1] ذکر صنوف الاطعمۃ من دعائم الاسلام۔ ورق ۷۹۔۸۰۔

[2] ذکر ما یحل اکلہ و ما یحرم منہ من دعائم الاسلام۔ ورق ۸۹۔

[3] ترمس کا ذکر مقریزی نے مچھلیوں کے ساتھ اس طرح کیا ہے:-

سخت عہد و پیمان لیا گیا کہ وہ اس قسم کی مچھلیاں نہ پکڑیں اور نہ بیچیں۔ ان احکام کی جس نے خلاف درزی کی اس کی گردن ماری گئی۔[۱]

شراب نوشی کو بہت سختی سے روکا گیا۔ شراب بنانے والوں کے متعلق یہ حکم جاری کیا گیا کہ وہ انگور ہی نہ خریدیں تاکہ وہ شراب تیار نہ کر سکیں۔ انگور کی ہزاروں بیلیں کاٹ ڈالی گئیں۔ شہد کے پانچ ہزار مٹکے نہر نیل میں اُلٹ دیے گئے[۲] تاکہ شہد سے بھی شراب نہ بنائی جائے۔ ایسے مشروبات بھی جن میں کچھ سکر ہو مثلاً انقاع وغیرہ ممنوع قرار دیے گئے۔ قمار بازی پر سخت نگرانی رکھی گئی۔ شطرنج۔ چوسر وغیرہ کے مہرے جس قدر مل سکتے تھے ان سب کو ایک جگہ جمع کر کے آگ کی نذر کیا گیا۔ حماموں میں اکثر لوگ ننگے داخل ہوا کرتے تھے۔ حاکم نے اس بے حیائی اور بے شرمی کا بھی انسداد کیا۔ عورتیں بناؤ سنگھار کر کے سڑکوں پر پھرتیں۔ نہر نیل کے کنارے سیر و تفریح کے لیے جمع ہوتیں۔ جنازوں کے پیچھے چلتیں، ماتمی مجلسوں میں شریک ہوتی تھیں۔ حاکم نے ان کو اس سے روکا۔ مگر جیسا کہ حاکم کی عادت تھی اس سے زیادہ سخت احکام عورتوں کے متعلق جاری کیے۔ خواہ رات کا وقت ہو یا دن کا ان کا گھر سے نکلنا ہی بند کر دیا گیا۔ موچیوں کو ہدایت کی گئی کہ ان کے جوتے ہی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) "والدلینس والسمک الذی لا قشر لہ والترمس العفن" (مقریزی $\frac{۲}{۱۵۹}$)۔ لیکن لغت میں ترمس ایک نبات ہے جس کے دانے چوڑے ہوتے ہیں اور جس کا مزہ کڑوا ہوتا ہے۔ اُسے کئی دن پانی میں رکھ کر کھاتے ہیں۔ ابن خلکان کے انگریزی ترجمہ میں یہ لکھا ہے:۔

Lupin pellefs made to be eaten with that (pot herb) (De slane, Vol. 3. p. 450

[۱] - مقریزی $\frac{۲}{۱۵۹}$ [۲] - ابن خلکان $\frac{۱}{۱۶۶}$

نہ بنائیں۔ یہاں تک ان پر پابندی عائد کی گئی کہ وہ اپنے چہرے مکانات کے دریچوں سے بھی باہر نہ نکالیں۔[1]

حاکم کی اہل کتاب پر سختی اور اس کے اسباب ۳۹۵-۴۰۵ھ

حاکم کی ابتدائی حکومت سے تقریباً آٹھ دس سال تک نصاریٰ کے ساتھ وہی سلوک کیا جاتا جو مسلمانوں کے ساتھ کیا جاتا تھا۔ جو حقوق انھیں عزیز کے زمانے میں دیے گئے تھے ان سے وہ برابر فائدہ اٹھاتے رہے۔ بلکہ ان میں سے بعض تو وزارت اور دوسرے اہم عہدوں پر بھی پہنچ گئے تھے۔ چنانچہ عیسیٰ بن نسطورس دو سال تک محکمۂ مال کا وزیر رہا۔ حسین بن جوہر کی وزارت میں فہد بن ابراہیم اس کا مددگار مقرر کیا گیا۔ منصور بن عبدون (ملقب بہ کافی) کے بعد زرعہ بن عیسیٰ بن نسطورس کو وزارت دی گئی۔ ان عہدہ داروں نے اپنے ہم مذہبوں کی طرفداری شروع کی جس سے اہل کتاب کو بڑا اقتدار حاصل ہو گیا۔ انھوں نے مسلمان رعیت پر ظلم کرنا شروع کیا۔ ملک میں بدنظمی پھیل گئی۔ یہ دیکھ کر حاکم کو غصہ آیا۔ جب اسے غصہ آتا تھا تو اس کی طبیعت بے قابو ہو جاتی تھی۔ اس نے فوراً نصاریٰ کی خبر لی۔ عیسیٰ بن نسطورس[2] اور فہد بن ابراہیم کو قتل کرا دیا۔[3] فہد کے جسے کو نذر آتش کیا گیا۔ اس کے بعد اس کے بال بچوں کو بلا بھیجا اور انھیں جان و مال کی حفاظت کا یقین دلایا اور یہ حکم نافذ کیا کہ کوئی انھیں نقصان نہ پہنچائے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حاکم نے دونوں وزیروں اور چند دوسرے

---

[1] ۔ ابن خلکان $\frac{1}{129}$ ــــ مقریزی $\frac{2}{69}$

[2] ۔ عیسیٰ بن نسطورس کے قتل کی تاریخ میں کچھ اختلاف ہے۔ بعض روایتوں میں یہ ہے کہ وہ حاکم کی خلافت کے دوسرے سال قتل کیا گیا۔ Lane-Poole, p.

[3] ۔ مقریزی $\frac{2}{398-399}$ ۔

نصرانیوں کو جن میں ابو نجاح بھی شامل تھا اسلام لانے پر مجبور کیا تاکہ اہل اسلام کا یہ اعتراض کہ حکومت کے مالک اہل کتاب ہوگئے ہیں رفع ہو جائے۔ ان میں سے چار مسلمان ہوگئے اور بچ گئے۔ دوسرے جنھوں نے اسلام قبول نہ کیا مار ڈالے گئے[1]۔

دوسری وجہ نصرانیوں پر سختی کی یہ بتائی جاتی ہے کہ مصر میں ایک راہب رہتا تھا۔ یہ ایک بطریق سے جس نے اسے بشپ کا درجہ دینے سے انکار کیا تھا انتقام لینا چاہتا تھا۔ اس نے حاکم کے پاس شکایت پیش کی کہ "آپ اس شہر کے بادشاہ تو ہیں لیکن نصاریٰ کا ایک الگ بادشاہ ہے جو اپنی ثروت کے باعث آپ سے زیادہ قوت رکھتا ہے۔ وہ مذہبی عہدوں کو بیچ کر خوب روپیہ کماتا اور ایسا طریقہ اختیار کرتا ہے جس سے خدا ناخوش ہوتا ہے"۔

بہرحال ۳۹۵ھ سے حاکم نے اہل کتاب کے ساتھ رواداری کا سلوک چھوڑ دیا اور ان پر بیجا سختیاں شروع کیں۔ انھیں تین باتوں میں سے کوئی ایک بات اختیار کرنے پر مجبور کیا۔ یا تو وہ اسلام قبول کریں۔ یا مملکت فاطمیہ سے نکل کر دوسرے ملک میں چلے جائیں یا اگر نصاریٰ ہوں تو کالا لباس پہنیں جو بنو عباس کا شعار تھا اور اپنی گردنوں میں ایسی وزنی صلیبیں ڈالیں جو ایک ذراع لانبی اور ایک ذراع چوڑی ہوں اور جن کا وزن تقریباً پانچ رطل ہو۔ یہ صلیبیں ان کے کپڑوں پر نظر آتی ہوں[2]۔ انھیں اپنی مذہبی عیدیں مثلاً عید صلیب۔ عید غطاس وغیرہ منانے کی ممانعت کر دی گئی۔ ان موقعوں پر جو تماشے ہوا کرتے تھے وہ موقوف کر دیے گئے۔ اگر یہود ہوں تو انھیں یہ حکم دیا گیا کہ جب

[1] O'Leary. p 143, 144.

[2] مقریزی ۲/۲۰۰

وہ باہر نکلیں تو پیلے رنگ کے عمامے اپنے سروں پر رکھیں اور اپنی گردنوں میں گول لکڑی کی بنی ہوئی گائے کے بچھڑے کی شکلیں ڈالیں جن کا وزن تقریباً پانچ رطل ہو اور جو اُن کے لباس پر نظر آتی ہوں۔ بعض روایتوں میں ہے کہ وہ اپنے گلوں میں چھوٹی گھنٹیاں ڈالیں تاکہ ان کے اور مسلمانوں کے درمیان امتیاز ہو سکے۔ ۴۰۸ھ میں اہل کتاب اور مسلمانوں کے حمام بھی الگ الگ کر دیے گئے۔ نصاریٰ کے حماموں پر صلیب اور یہود کے حماموں پر گائے کے بچھڑے کی شکلیں لٹکائی گئیں۔

تین سال بعد یعنی ۳۹۸ھ میں اہل کتاب کی عبادت گاہوں سے متعلق جتنے اوقاف تھے وہ سب ضبط کر لیے گئے۔ اس کام کے لیے ایک خاص دفتر کھولا گیا۔ جامع اکبر کے دروازے پر متعدد صلیبیں جلا دی گئیں۔ تمام صوبوں میں بھی یہی عمل کیا گیا۔ مسلمان جس گرجا کے گرانے کی درخواست کرتے وہ گرا دیا جاتا تھا۔ تقریباً تیس ہزار گرجا ڈھا دیے گئے۔ ان میں مشہور شنودہ اور قمامہ[1] ہیں۔ ان میں جو قیمتی فرنیچر اور اسباب تھا اسے مسلمانوں نے لوٹ لیا۔

بہت ممکن ہے کہ ان ناپسندیدہ احکام میں اکثر حاکم کے مذہبی تعصب پر مبنی ہوں گے۔ لیکن بعض ایسے بھی تھے جن کا سبب خود اہل کتاب کی بیجا حرکتیں تھیں۔ چنانچہ کنیسۂ قمامہ جو بیت المقدس میں نصاریٰ کا بڑا مشہور گرجا تھا اس کے ڈھا دینے کا یہ سبب بتایا جاتا ہے کہ اس میں آگ جلائی جاتی تھی جسے آتش مقدس کہتے تھے۔ پادری اپنے تابعین کو دھوکا دیتے اور یہ باور کراتے تھے کہ یہ آگ آسمان سے اُترتی ہے۔ حالانکہ

[1] ۔ القمامہ کے معنی کوڑا ہیں۔ مسلمان اس لفظ کو کنیسۃ القیامہ کے لیے جو بیت المقدس میں ہے تحقیراً استعمال کرتے ہیں۔ القمامہ کو بعض مرتبہ بغیر ال کے قمامہ بھی لکھتے ہیں۔ دی سلین۔ جلد ۲ صفحہ ۴۵۴

وہ کسی حیلے سے اس کو عبادت خانہ کی قندیل تک پہنچا دیتے تھے۔ عبادت خانہ کے ایک پادری نے جسے دوسرے پادریوں سے کچھ شکایت تھی اس دھوکے کا راز مسلمان والی پرجس کے پاس عبادت خانہ کی کنجیاں رہتی تھیں فاش کر دیا۔ حاکم کو جب یہ خبر ہوئی تو اس نے گرجا ہی کو تباہ کرنے کا حکم دے دیا۔[1]

حارہ جودریہ یہود کا ایک محلہ تھا جس میں یہ لوگ رہتے گایا بجایا کرتے اور راگ میں یہ شعر گاتے تھے۔

وامّۃ قد ضلّوا - ود ینھم معتلٌ

قال لھم نبیّھم نعم الادام الخلُّ

یہ شعر ایسے تھے جن سے اسلام کی توہین اور مسلمانوں کی دل شکنی ہوتی تھی۔ حاکم نے اس محلے کو گانے والوں کے ساتھ جلوا دیا۔ مقریزی کے زمانے تک اس محلے میں کوئی یہودی رہنے کی جرائت نہیں کرتا تھا۔[2]

اسی طرح کا لباس خود نصاریٰ اپنی خوشی سے دو صدی پہلے اختیار کر چکے تھے۔ انھیں گھوڑوں پر سوار ہونے سے روکنا صرف انھیں کے لیے مخصوص نہ تھا بلکہ مصریوں کے لیے بھی یہی حکم تھا تاکہ فوجی اور غیر فوجی لوگوں میں امتیاز ہو سکے۔ اس زمانے میں فوجی لوگ ہی گھوڑے کی سواری کے مجاز تھے۔ خود حاکم نے بھی گھوڑے کی سواری ترک

---

[1] (Lane-Poole, footnote, p. 127) بحوالہ Renandat. Hist. Patr., 388 and

O,Leary, p. 187 بحوالہ Bar Hebraeus Chron., p. 215 sqq

اس گرجا کے گرا دیے جانے کی تاریخ ۳۹۸ھ ہے (تغری بردی ۴/۲۱۸)

[2] مقریزی ۳/۶

کردی تھی۔ وہ خچر یا گدھے پر سوار ہو کر باہر نکلتا تھا۔[1]

ان احکام پر تقریباً دس سال تک عمل ہوتا رہا۔ اس اثنا میں اکثر اہل کتاب خصوصاً دیہاتی مسلمان ہو گئے۔[2] اس کے بعد یہ احکام منسوخ کر دیے گئے۔ حاکم نے عام اجازت دے دی کہ اہل کتب اگر چاہیں تو اپنے مذہب کی طرف لوٹ سکتے ہیں۔

سب السلف اور اہل سنت کے ساتھ حاکم کا سلوک ۳۹۵ھ

حاکم کا ایسا سلوک صرف اہل کتاب ہی تک محدود نہ رہا۔ بلکہ اہل سنت بھی اس زد میں آ گئے۔ نوجوانی ہی سے اُس نے اپنا مذہبی جوش دکھانا شروع کیا۔ ۳۹۱ھ میں بلادِ شام میں ایک آدمی گرفتار کیا گیا جو یہ کہتا تھا کہ میں حضرت علی کو نہیں پہچانتا۔ اُس نے قاضی القضاۃ حسن بن نعمان کے سامنے بھی یہی بیان دیا۔ قائد القواد حسین بن جوہر نے اُسے بہت کچھ سمجھایا۔ مگر وہ نہ مانا۔ حاکم نے اُسے قتل کرنے کا حکم دیا۔ پھر اس کی لاش سولی پر چڑھائی گئی۔ ۳۹۳ھ میں تیرہ آدمی گرفتار کیے گئے جنھوں نے صلوٰۃ الضحیٰ پڑھی تھی۔ یہ لوگ پٹوائے گئے اور شہر میں اونٹوں پر تشہیر کرائے جانے کے بعد انھیں تین دن کی قید کی سزا دی گئی۔ تراویح کی نماز موقوف کر دی گئی۔ ۳۹۵ھ میں دکانوں، مکانوں اور قبرستانوں کے دروازوں اور دیواروں پر سب السلف لکھوایا گیا۔ اہل سنت اپنے مکانوں پر رنگین اور منقش تحریروں میں اپنے بزرگوں پر لعنت ملامت لکھوانے پر مجبور کیے گئے۔ ایک دفعہ حاجیوں کا قافلہ مصر میں اُترا انھیں سب السلف پر مجبور کیا گیا۔ ان کے رکنے پر اُن کی بے عزتی کی گئی۔ اکثر لوگ جبراً دعوتِ اسمٰعیلیہ میں داخل کیے گئے۔ ہر ہفتے میں دو دن

---

[1] Lane-Poole. footnote. p. 127 (بحوالہ ابو صالح 52)

[2] ابن خلکان ۲/۱۲۶ مقریزی ۴/۶۹-۷۳

ان کے لیے مقرر کیے گئے جن میں اسمٰعیلی طریقے پر ان کا عہد و پیمان لیا جاتا تھا۔ مردوں کے لیے یکشنبہ عورتوں کے لیے چہار شنبہ اور شرفا کے لیے سہ شنبہ کا دن مقرر کیا گیا۔ اتنی کثرت سے لوگ جمع ہونے لگے کہ ایک دفعہ اژدحام میں کئی عورتیں اور مرد پامال ہوگئے۔ اسی سال "دارالحکمۃ" کا افتتاح بھی ہوا۔ جس کا ذکر آئندہ کیا جائے گا۔[1]

اذان میں "الصلوٰۃ خیر من النوم" کہنے کی بجائے "حی علیٰ خیر العمل" کے اعلان کا حکم دیا گیا۔ ماہ رمضان کے روزوں کی ابتدا اہل سنت رویت ہلال سے کرتے تھے۔ انھیں حکم دیا گیا کہ وہ ظاہری رویت پر عمل نہ کریں بلکہ حساب سے روزے شروع اور ختم کریں۔ چنانچہ ایک سال رویت ہلال سے ماہ صیام کی ابتدا شنبہ سے ہوتی تھی۔ حاکم نے فرمان جاری کیا کہ اس کی ابتدا جمعہ سے کی جائے اور عید اتوار کو منائی جائے۔[2]

شونہ (مخزن) کی تیاری اور امان کے فرامین ۳۹۵ھ

اسی زمانے میں جب کہ حاکم نے اہل کتاب اور اہل سنت پر ایسی سختیاں شروع کر دی تھیں اس نے ایک اور حرکت کی جس سے تمام مصر کی رعایا خوف زدہ ہو گئی۔ جبل مقطم کے قریب ایک شونہ یعنی مخزن تیار کرنے کا حکم دیا ذی الحجہ ۳۹۴ھ سے لے کر ربیع الاول ۳۹۵ھ تک اس کا کام جاری رہا۔ اس میں جلانے کی لکڑیاں جمع کی گئیں۔ جن اشخاص کا تعلق حاکم کی خدمت سے تھا وہ یہ سمجھتے تھے کہ یہ مخزن ان کے جلانے کے لیے تیار کیا جا رہا ہے۔ نہ معلوم حاکم کا اس سے کیا مقصد تھا لیکن اکثر مورخین نے اس کو حاکم کے جنون کی ابتدا بتائی ہے۔ کیونکہ اس وقت اس کی عمر

---

[1] یہی فصل (عہد حاکم کے رفاہ عام کے کام وغیرہ)

[2] مقریزی $\frac{۲}{۶۸-۷۴}$ و $\frac{۲}{۱۵۷-۱۶۰}$

تقریباً بیس سال تھی اور اس کی جوانی کا آغاز تھا۔ شہر کی مختلف کچہریوں کے لوگ جن میں نصاریٰ۔ یہود۔ مسلمان وغیرہ سب شامل تھے جمع ہو کر محل کی طرف چلے راستے میں زمین بوسی کرتے ہوئے وہاں تک پہنچے اور معافی کی درخواست قائد القواد حسین بن جوہر کے ذریعے حاکم کی خدمت میں پیش کی۔ حسین نے ان کو یہ حکم دیا کہ وہ اپنے اپنے گھروں کو واپس جائیں اور دوسرے دن حاضر ہوں۔ دوسرے دن جب یہ سب جمع ہوئے تو حاکم نے کئی فرامین جاری کیے۔ ان میں سے ایک کا مختصر ترجمہ یہ ہے:۔ "یہ فرمان اللہ کے بندے اور اس کے ولی منصور ابو علی حاکم بامر اللہ کی طرف سے ہے "مسجد عبداللہ" کے لوگوں کے لیے ہے۔ اے لوگو! تم سب کو خدا کا امان دیا جاتا ہے کہ تمھاری جانیں اور اموال وغیرہ سب محفوظ ہیں تمھیں کوئی خوف نہیں کوئی تم کو نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ مورخہ جمادی الاخریٰ ۳۹۵ھ[1]

احکام مذکورۂ بالا کی منسوخی ۳۹۷ھ حاکم نے اِدھر تو اہل کتاب پر سختی کر کے انھیں ناراض کیا۔ اُدھر اہل سنت کو اپنا دشمن بنا لیا۔ تمام ملک میں بے چینی پھیل گئی۔ ابورکوہ جیسے جاہل اور آوارہ شخص کو جس کا ذکر آگے آئے گا دولت فاطمیہ کے خلاف بغاوت کا جھنڈا بلند کرنے کا موقع ملا۔ ہزاروں آدمی اس کے طرفدار بن گئے۔ اس کی اتنی قوت بڑھی کہ اگر وہ آخر میں شکست نہ کھاتا تو دولت فاطمیہ کا خاتمہ کر دیتا اس لیے حاکم نے ۳۹۵ھ میں جو احکام اہل سنت کے خلاف صادر کیے تھے انھیں ۳۹۷ھ میں منسوخ کر دیا۔ سبُّ السّلف کو ممنوع قرار دیا۔ کوتوال بلدہ کو حکم دیا کہ وہ خود بازاروں میں گشت لگا کر جہاں جہاں سبُّ السّلف لکھا ہوا پائے وہاں سے مٹوا دے بہرحال تمام

[1] مقریزی ۳/۳۲-۳۳

اسلامی مذاہب کو پوری آزادی دی گئی۔ اس کے متعلق حاکم نے جو فرمان جاری کیا اس کا ترجمہ یہ ہے :۔ "روزے کے مسئلے میں رویت پر عمل کرنے والے رویت پر عمل کریں۔ حساب کی پابندی کرنے والے حساب کی پابندی کریں۔ پانچ نمازوں کے علاوہ "صلوٰۃ الضحیٰ" اور "صلوٰۃ التراویح" جو چاہے پڑھے اس بارے میں کسی قسم کی کوئی روک ٹوک نہیں کی جائے گی۔ نماز جنازہ میں پانچ تکبیریں کہنے والے پانچ اور چار کہنے والے چار تکبیریں کہیں۔ اذان دینے والے اگر چاہیں تو "حی علی خیر العمل" کہیں۔ اگر نہ چاہیں تو نہ کہیں۔ سلف میں سے کسی کو گالیاں نہ دی جائیں جو شخص جس طرح چاہے کرے۔ ہر مسلمان کو اپنے دین میں اجتہاد کا حق حاصل ہے[1]۔ اہل سنت کو اور زیادہ خوش کرنے کے لیے حاکم نے ۳۹۵ھ میں ایک مدرسہ مالکی فقہ کی تعلیم کے لیے کھلوایا۔ اس کا صدر ابو بکر انطاکی مقرر کیا گیا اور اس میں ایک کتب خانہ بھی قائم کیا گیا کہتے ہیں کہ مصری مالکی مذہب اور شافعی مذہب کی طرف بہ نسبت اور مذہبوں کے زیادہ مائل تھے اور یہی مذہب مصر میں بنو فاطمہ کے آنے سے پہلے زیادہ رائج تھا[2]۔

ابورکوۃ کا حملہ ۳۹۶-۳۹۷ھ اور اس کا انجام

اس شخص کا نام ولید بن ہشام بن عبد الملک بن مروان (بنو امیہ) سے ہے مگر یہ عام طور پر "ابورکوۃ" کے نام سے مشہور ہے۔ رکوہ عربی میں چھوٹی مشک کو کہتے ہیں۔ چونکہ یہ ہمیشہ اپنے ساتھ سفر میں صوفی لوگوں کی طرح رکوۃ رکھا کرتا تھا۔ اس کو

---

[1] - مقریزی $\frac{۲}{۱۵۹}$

[2] - (ا) مقریزی $\frac{۲}{۱۴۵}$ ابتدا میں مصری مالکی مذہب پر تھے۔ اس کے بعد شافعی کا اثر ہوا۔
(ب) مقریزی $\frac{۲}{۱۶۹}$
(ج) ابن تغری بردی $\frac{۴}{۱۷۸-۲۲۲}$

لوگ ابورکوہ پکارنے لگے۔ خلیفۂ اندلس یعنی مؤید ہشام بن الحاکم سے اس کی نسبی قرابت تھی۔ جب اندلس میں منصور بن ابی عامر نے مؤید مذکور پر قابو پاکر اس کو لوگوں سے پوشیدہ کردیا تو اس کے رشتہ داروں کا پیچھا کیا۔ ان میں سے بعض قید اور کچھ قتل کر دیے گئے۔ جو لوگ بھاگ گئے اور بچ نکلے ان میں ابورکوہ بھی تھا۔

یہ پہلے مصر گیا اور وہاں فن حدیث کی تعلیم پانے میں مشغول ہوا۔ اس کے بعد برقہ پہنچا جہاں وہ بچوں کو تعلیم دیتا اور اپنے آپ کو بڑا متقی اور پرہیزگار ظاہر کرتا تھا۔ مگر درپردہ اہل مغرب کو بنی فاطمہ کی مخالفت پر آمادہ کرتا تھا اور یہ کہتا تھا کہ مذہبی کتابوں میں لکھا ہے کہ وہ ایک دن مصر کا بادشاہ بنے گا اور بنی فاطمہ سے انتقام لے گا اسی لیے اس نے "الثائر بامر اللہ" اور "المنتصر من عدل اللہ" جیسے القاب اختیار کیے۔ آہستہ آہستہ اس نے بربر کے کتامی قبائل کو اپنی طرف مائل کر لیا۔ اس سے ایک سال پہلے حاکم نے بنو قرہ کی جو اہل بحیرہ کہلاتے اور برقہ کے اطراف میں رہتے تھے مختلف موقعوں پر خوب سرکوبی کی تھی اور ان میں سے بعض کو جلا بھی دیا تھا۔ یہ لوگ ہمیشہ بنو فاطمہ کے مخالف رہتے تھے۔ اب ان لوگوں کو اچھا موقع ہاتھ لگا اور یہ ابورکوہ کی طرف ہو گئے۔ جس سے اس کو بڑی قوت حاصل ہو گئی۔

اس زمانے میں مصر میں بھی کئی وزیر اور عہدہ دار حاکم کے ہاتھوں قتل ہو چکے تھے اور کچھ گرفتار کر لیے گئے تھے۔ رعیت بھی آئے دن کی سختیوں سے تنگ آ گئی تھی۔ اس موقع سے ابورکوہ نے خوب فائدہ اٹھایا اور بنو قرہ اور دوسرے بربری قبیلوں کو ساتھ لے کر مشرق کی طرف بڑھا اور برقہ پر دھاوا کر دیا۔ عامل برقہ نے حاکم کو اس واقعہ کی خبر دی۔ مگر حاکم نے اس وقت چشم پوشی کی اور عامل کو لکھ بھیجا کہ وہ کوئی مدافعانہ کارروائی نہ کرے۔ تھوڑے ہی دنوں میں

ابورکوہ نے برقہ پر قبضہ کر کے حاکم کی فوجوں کو وہاں سے نکال باہر کیا۔ برقہ فتح ہوتے ہی اس نے شہر میں امن وامان قایم کر دیا تاکہ مغربیوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ وہ کوئی غارت گر لٹیرا نہیں۔ جب حاکم کی فوجیں شکست کھا کر مصر پہنچیں تو حاکم نے قائد ینال[1] کو پانچ ہزار کے لشکر کے ساتھ برقہ روانہ کیا۔ یہ لشکر موضع ذات الحمام تک تو اچھی طرح پہنچا۔ مگر یہاں سے برقہ تک اس کو ایک بیابان جنگل طے کرنا پڑا۔ ابورکوہ نے اس کی روانگی کی اطلاع ملتے ہی راستے کے اکثر کنوئیں پٹوا دیے تاکہ مصری فوجوں کو پانی کی تکلیف ہو۔ اور وہ خود اپنی ایک ہزار فوج لے کر برقہ کی آخری منزل پر ٹھیرا رہا چونکہ مصری فوجیں پیاس اور سفر کی اذیت سے بہت کمزور ہو گئی تھیں۔ دشمن کے مقابلے کی تاب نہ لا سکیں۔ اس کے علاوہ عین لڑائی کے وقت پر بعض کتامیوں نے جو مصری فوج میں شامل تھے دغا کی اور ابورکوہ سے مل گئے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ان کا افسر ینال مارا گیا۔ اب ابورکوہ کی قوت بڑھی۔ برقہ کو اپنا مستقر بنا کے وہ صعید کی جانب بڑھنے لگا۔ حاکم اور تمام اہل مصر سخت تردد میں تھے۔ ایسے نازک موقع پر حکومت کے بعض عہدہ داروں نے جن میں خود قائد القواد حسین بن جوہر بھی شامل تھا ابورکوہ سے خفیہ مراسلت ہی نہیں کی بلکہ اسے مصر پر حملہ کرنے کی ہمت دلائی۔[2] جس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ حاکم کی سختی سے خود اس کے عہدہ دار نالاں تھے۔ پھر بھی حاکم نے غیر معمولی مستعدی سے کام لیا اور کچھ شامی اور مصری فوجوں کو جن کی تعداد تقریباً بارہ ہزار تھی فضل بن حسن بن صالح کی سرکردگی میں ابورکوہ کے مقابلے کے لیے روانہ کیا۔ فضل نے اپنی حکمت عملی سے بنو قرہ کے ایک

۱۔ ینال الطویل (ابن تغری بردی ۲۱)

۲۔ ابن خلدون ۴/۵۸ ۔ ابن الاثیر ۹/۸۲-۸۴ ۔ عیون الاخبار ۶/۲۷۳

امیر مہدی بن مقرب کو ملالیا تاکہ وہ ابورکوہ کی حرکات سے مطلع کرتا رہے۔ ابورکوہ نے موضع کوم شریک[1] کے قریب فاطمی سپہ سالار پر ایک زبردست حملہ کیا جس میں فریقین کے کئی آدمی مارے گئے۔ گویہ حملہ فیصلہ کن نہ تھا مگر مصریوں کو بہت نقصان اُٹھانا پڑا۔ ابورکوہ کی فوجیں دیکھ کر فضل بہت گھبرایا اور پیچھے ہٹنے پر مجبور ہوا۔ اب ابورکوہ کو اپنی کامیابی کا پورا الیقین ہو گیا۔

حاکم کے لشکر میں جو عربوں کے سردار تھے انھیں بنو قرہ (بربر) نے یہ لالچ دلایا کہ اگر وہ ابورکوہ سے مل جائیں تو فتحیابی کے بعد شام کا ملک انھیں دیدیا جائے گا اور مصر پر ابورکوہ کا قبضہ رہے گا۔ اس سے پہلے بھی بربر نے یہ منصوبہ باندھا تھا کہ شمالی افریقہ اور مصر میں وہ اپنی حکومت قائم کریں۔ اور شام عربوں کے حوالہ کر دیں مگر اس وقت یہ منصوبہ بار آور نہیں ہوا۔ بہر حال حاکمی لشکر کے عرب حکومت کے لالچ میں بنو قرہ سے مل گئے اور آپس میں یہ طے پایا کہ فلاں شب کو ابورکوہ فضل کے لشکر پر حملہ کرے۔ جب جنگ شروع ہو جائے تو تمام عرب بھاگ جائیں تاکہ مصر آسانی سے فتح ہو سکے مگر بدقسمتی سے مہدی بن مقرب نے جس کا ذکر اوپر گذر چکا ہے فضل کو اس سازش کی اطلاع دیدی جب مقررہ رات آئی تو فضل نے عرب کے سرداروں کو اپنے ہاں ایک خیمہ میں افطار کی دعوت دی اور بہت دیر تک ان سے ادھر اُدھر کی باتیں کرتا رہا اور اپنے آدمیوں کو یہ حکم دیدیا کہ وہ ان کی نگہبانی کرتے رہیں۔ اس کے بعد فضل نے اپنی فوج کو ابورکوہ کی فوج سے جو ادھر سے آرہی تھی لڑنے کا حکم دیا دونوں فوجیں آپس میں لڑتی رہیں۔ عرب کے سرداروں نے بہت کوشش کی کہ وہ اپنے لوگوں سے جا ملیں اور اپنی قرارداد پر عمل کریں مگر فضل نے

---

[1] اسکندریہ کے قریب ایک موضع ہے (معجم البلدان ۴/۳۳۳)

ان کو اپنے خیمے ہی میں روک رکھا اور عربوں کو بھی یہ حکم دیا کہ وہ جاکر مصریوں کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کریں۔ چونکہ ان کو اپنے سرداروں کی سازش کا علم ہی نہ تھا اس لیے یہ لوگ خوب لڑنے لگے یہ دیکھ کر ابورکوہ پریشان ہوگیا اور اسے شکست ہوئی۔

اس کے بعد حاکم نے اور چار ہزار کی مدد بھیجی۔ ابورکوہ بھی فوراً اپنا لشکر لے کر روانہ ہوا تاکہ اس مدد کو راستے ہی میں روک لے۔ چاروں طرف سے راستے بھی اس لیے بند کردیے کہ فضل کو کوئی خبر پہنچ نہ سکے۔ اس دفعہ مہدی بن مقرب بھی کوئی اطلاع نہ دے سکا۔ ابورکوہ نے جیزہ کے قریب ان چار ہزار سپاہیوں کا مقابلہ کرکے ان میں سے ایک ہزار کو قتل کردیا۔ اس ہولناک واقعے کی خبر نے مصر میں تہلکہ ڈال دیا۔ حاکم مارے خوف کے باہر نہ نکل سکا۔ لیکن اس نے اور تھوڑا سا لشکر جیزہ کو روانہ کیا۔ جس کی وجہ سے ابورکوہ اپنی جگہ سے ہٹ کر اہرام کے قریب ٹھیرا۔ حاکم نے فضل کو یہ خبر بھیجی کہ ابورکوہ بھاگ گیا تاکہ اس کے لشکر میں انتشار پیدا نہ ہو۔ لیکن خفیہ طور پر حقیقتِ حال سے بھی مطلع کردیا۔

ابورکوہ کے لیے دریا عبور کرنا آسان نہ تھا کیونکہ وہاں ابھی کچھ مصری فوجیں تھیں اس لیے اس نے فیوم کا رُخ کیا اور موضع سنجہ کی گھنی جھاڑیوں میں اپنی فوج کے ایک دستے کو چھپاکر دوسرے دستے کو فضل کی طرف روانہ کیا اس دستے کو یہ ہدایت دی کہ وہ ایک معمولی سا حملہ فضل کے لشکر پر کرکے بھاگنا شروع کردے تاکہ فضل کا لشکر اس کا پیچھا کرے۔ ابورکوہ کا مقصد یہ تھا کہ جب فضل کا لشکر اس کوشش میں لگ جائے تو کمین گاہ میں چھپے ہوئے سپاہی باہر نکل کر اس کا پیچھا کریں اور اسے شکست دیں مگر بدقسمتی سے کمین گاہ کے سپاہیوں کو اصلی واقعات سے مطلع نہیں کیا گیا تھا۔ جب انھوں نے اپنے سردار کے دستے کو بھاگتے ہوئے دیکھا تو یہ سمجھا کہ

وہ واقعی میں شکست کھا کر بھاگ رہے ہیں۔ اس لیے وہ بھی ان کے ساتھ بھاگنے لگے۔ اب ابورکوہ کی فوج میں بڑا انتشار پیدا ہو گیا اور اس نے ۴ ذیحجہ ۳۹۶ھ میں پوری شکست کھائی۔

ابورکوہ خود تو بھاگ گیا مگر فضل نے وہاں سے بھی اُسے گرفتار کروا کر قاہرہ بھیج دیا اس نے اپنے فعل پر ندامت ظاہر کی اور حاکم سے معافی کی درخواست کی جو نامنظور ہوئی۔ جب وہ قاہرہ میں داخل ہوا تو اس کے سر پر ایک لانبی ٹوپی رکھی گئی اور وہ شہر میں پھرایا گیا۔ اس کے پیچھے ایک بندر بٹھایا گیا جسے یہ سکھایا گیا تھا کہ وہ اُسے پیچھے سے دھول مارا کرے تاکہ مصریوں کو اس سے عبرت حاصل ہو۔ پھر اسے قتل کرنے کے لیے شہر کے باہر لے گئے لیکن اس سے پہلے ہی اس کا دم نکل گیا۔ اس کے بعد اس کا سر الگ کیا گیا اور سولی پر چڑھا دیا گیا۔

فضل چھ ہزار دشمنوں کے سر اور ایک سو قیدی لے کر حاکم کے دربار میں باریاب ہوا[1]۔ حاکم نے اسے بہت انعام دیا اور اس کی بڑی قدر کی یہاں تک کہ جب وہ بیمار ہوا تو کئی دفعہ عیادت کیلئے اس کے مکان پر گیا۔ صحت پانے کے بعد اُسے بڑی بڑی جاگیریں عطا کیں لیکن دو سال بعد اسے قتل کرا دیا۔

ابورکوہ کے حملے کا اثر۔ مصر میں قحط ۳۹۸ھ۔ حاکم کا اہل سنت کے ساتھ اچھا برتاؤ

ابورکوہ کے حملے کا اثر یہ ہوا کہ ۳۹۸ھ کی ابتدا سے حاکم نے اپنے نظام حکومت میں بڑی اہم تبدیلیاں کیں۔ جن عہدہ داروں نے ابورکوہ سے خفیہ مراسلت کی تھی اور اسے مدد دینے کا وعدہ کیا تھا انھیں اپنے عہدوں سے معزول کر دیا۔ چنانچہ ۱۰ شعبان ۳۹۸ھ میں

[1] مقریزی ج ۲

وزیر اعظم حسین بن جوہر سے وزارت کی خدمت لے لی گئی۔ گو کچھ دنوں بعد یہ پھر اپنے عہدے پر بحال کر دیا گیا۔ مگر ۳۹۹ھ میں وزارت کا عہدہ صالح بن رودباری کے سپرد کر دیا گیا۔[1] اسی طرح حاکم نے قاضی القضاۃ اور داعی الدعاۃ عبدالعزیز کو بھی اپنی خدمت سے برطرف کر کے مالک بن سعید الفارقی کو اس کی جگہ مقرر کیا۔ یہ قاضی اور وزیر مذکور ایسے خوف زدہ ہوئے کہ دونوں کے دونوں مصر سے بھاگ گئے۔ مگر پھر واپس ہوئے اور حاکم نے ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا لیکن ۴۰۱ھ میں ان کو قتل کرا دیا۔ دمشق کے والی منجوتکین کے انتقال کے بعد اس کی جگہ علی بن فلاح کو دی گئی۔

۳۹۸ھ میں دریائے نیل میں پانی کی آمد بہت کم ہو گئی جس سے غلے کا نرخ بڑھ گیا لوگوں نے شکایتیں پیش کیں کہ غلہ بیچنے والوں نے بہت سا غلہ جمع کر رکھا ہے اور من مانی قیمتیں بڑھا دی ہیں حاکم حسب عادت خود تحقیق کے لیے نکلا۔ تاجروں کے گوداموں میں اپنے آدمی بھیجے۔ آخر معلوم ہوا کہ جو شکایتیں پیش ہوئی تھیں ان کی کوئی اصلیت نہیں۔ ۳۹۹ھ میں بھی نیل کے پانی میں کچھ اضافہ نہ ہوا۔ روٹی مشکل سے ملنے لگی۔ قحط کی مصیبتوں میں طاعون نے اور اضافہ کر دیا۔ اس لیے بہت سے محاصل معاف کر دیے گئے۔ ۴۰۰ھ میں رعیت سے جو خمس۔[2] فطرہ۔[3] زکات اور نجوی[4] وغیرہ لیا جاتا تھا وہ اٹھا دیا گیا۔ قصر میں "مجالس الحکمۃ" جو خاص فرقۂ اسمٰعیلیہ کے لیے منعقد کی جاتیں تھیں

۱۔ یہ شخص دیوان شام میں مامور تھا۔ اس کی جگہ کاتب ابو عبداللہ (موصلی) مقرر کیا گیا۔

۲۔ عام طور پر مال غنیمت پر خمس لیا جاتا ہے لیکن اسمٰعیلی ہر مال پر خواہ وہ غنیمت کا ہو یا کسب کا زکات سے بیشتر خمس لیا کرتے تھے۔ پھر اس کی زکات بھی لیتے تھے (کتاب الہمۃ۔ ۶۱)

۳۔ عید الفطر کا صدقہ جو ہر شخص سے لیا جاتا ہے۔

۴۔ امام یا داعی سے باریاب ہونے کے وقت ہر ایک مرید کچھ رقم نذر پیش کرتا ہے۔

بند کردی گئیں۔ اذان میں "حی علی خیر العمل" کہنے کی ممانعت کردی گئی اسکی بجائے "الصلوۃ خیر من النوم" کہنے کا حکم دیا گیا۔ ممکن ہے کہ یہ احکام اس وجہ سے صادر کیے گئے ہوں کہ قحط اور وبا کی وجہ سے جو عوام میں بے چینی پھیل گئی تھی وہ دور ہو جائے۔ کیونکہ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ دولت فاطمیہ میں رعیت کا بہت بڑا حصہ اہل سنت کا تھا۔ شیعہ ان کے مقابلے میں بہت کم اور اسمٰعیلی تو ان سے بھی کم تھے۔

حاکم کے احکام میں عدم استقلال

ان احکام کو حاکم نے ۱۳ ربیع الاول ۴۰۳ھ میں پھر منسوخ کر دیا۔ اذان میں "الصلوۃ خیر من النوم" کہنے کی ممانعت کردی۔ اس کی بجائے "حی علی خیر العمل" کے اعلان کا حکم دیا۔ صلوٰۃ الضحیٰ اور صلوٰۃ التراویح پھر موقوف کردی گئیں۔ قصر میں پہلے کی طرح مجالس الحکمۃ منعقد ہونے لگیں۔ ان مجالس کی صرف پانچ مہینے ممانعت رہی۔

رحبہ پر صالح بن مرداس کا قبضہ ۳۹۹ھ

حاکم کی طرف سے رحبہ[1] پر ابو علی بن ثمال الخفاجی عامل تھا۔ ۳۹۹ھ میں عیسیٰ بن خلاط عقیلی نے اس کو قتل کر کے رحبہ پر قبضہ کر لیا۔ کچھ عرصے کے بعد اسی قبیلے کے ایک دوسرے سردار بدران بن مقلد عقیلی نے اس سے رحبہ چھین لیا۔ حاکم نے اپنے دمشق کے نائب لؤلؤ بشاری کو رحبہ کی طرف بڑھنے کا حکم دیا۔ اس نے رقہ کی تسخیر کے ساتھ رحبہ پر بھی قبضہ کر لیا۔ لیکن اس کے دمشق کو واپس ہونے کے بعد رحبہ پر علی بن طھیان نامی وہیں کے ایک باشندے کا قبضہ ہو گیا۔ اس شخص نے اپنی قوت کو بڑھانے کے لیے صالح بن مرداس کو شام سے بلا بھیجا مگر اس نے علی بن طھیان کو دھوکے سے مروا ڈالا۔ اور خود رحبہ کا والی بن گیا۔ ایک مدت تک اس نے

---

[1] ۔ اس سے مراد "رحبہ دمشق" ہے۔

وجبہ پر حکومت کی مگر دعوت فاطمیین ہی کے نام سے جاری رہی[1]۔

مکۂ معظمہ میں بنو فاطمہ کا عارضی سکہ اور کوفہ اور موصل میں ان کا عارضی خطبہ ۴۰۱ھ

۳۸۱ھ میں جب عزیز مصر میں حکمران تھا ابو الحسن علی بن الحسین المغربی بغداد سے مصر میں وارد ہوا۔ عزیز نے اس کی تنخواہ چھ ہزار دینار سالانہ مقرر کی اور شیوخ الدولہ میں اسے شریک کیا۔ اس کے سات لڑکے تھے جن میں ابو القاسم حسین المغربی بہت مشہور رہے۔ ابتدا جوانی سے اُسے ملک گیری کا شوق تھا۔ ترقی کرتے کرتے یہ حاکم کے وزیروں میں شامل ہو گیا۔ ۴۰۰ھ میں حاکم نے اس کے باپ اور دونوں بھائیوں کو قتل کرا دیا گھبرا کر اس نے ایک حمال کے بھیس میں مصر سے بھاگ کر رملہ میں پناہ لی جہاں حسان بن مفرج بن دغفل بن جراح والی تھا۔ یہاں ابو القاسم حسین نے حسان کو حاکم کی بغاوت پر آمادہ کیا۔ شریف مکہ ابو الفتوح حسن بن جعفر علوی کو امام بنانے پر دونوں کا اتفاق ہوا۔ شریف مذکور کو یہ تجویز پسند آئی۔ ۴۰۱ھ میں اس نے راشد باللہ کا لقب اختیار کیا اور اپنے نام کا سکہ بھی جاری کیا۔ مصر سے حاکم نے اپنے غلام ختکین کو روانہ کیا۔ لڑائی میں اس غلام نے شکست کھائی اور مارا گیا۔ شام میں بنو جراح کی قوت بڑھ گئی۔ حاکم نے حسان بن مفرج کو پچاس ہزار دینار دے کر ملا لیا۔ حسین بن علی المغربی آمد کو بھاگ گیا اور حاکم سے معافی چاہی۔ ابو الفتوح مایوس ہو کر مکہ واپس چلا گیا[2]۔

قرواش بن مقلد (معتمد الدولہ) جو بنو عقیل کا سردار تھا بہاء الدولہ بویہ کی طرف سے موصل۔ انبار۔ مدائن۔ کوفہ وغیرہ پر والی تھا۔ یہ ان شہروں میں حسب دستور بنو عباس کا خطبہ پڑھتا تھا۔

۱ھ۔ ابن الاثیر $\frac{9}{87}$ ۔

۲ھ۔ مقریزی $\frac{2}{342}$ ابن الاثیر $\frac{9}{49-51}$ ۔

لیکن ۴۰۱ھ سے اس نے بنو فاطمہ کا خطبہ پڑھنا شروع کر دیا۔[1] خلیفۂ عباسی قادر باللہ کو جب یہ خبر پہنچی تو اس نے قاضی ابو بکر باقلانی کے ذریعے بہاء الدولہ کو اس کی اطلاع دی۔ جس نے اپنے قائد کے ساتھ ایک لشکر روانہ کیا۔ اور ایک لاکھ دینار سپاہیوں میں تقسیم کیے۔ قرواش اس لشکر کا مقابلہ نہ کر سکا اور بنو فاطمہ کا خطبہ موقوف کر کے بنو عباس کا خطبہ جاری کر دیا۔[2]

حلب کے واقعات ۴۰۲ - ۴۰۷ھ

۴۰۲ھ میں غلام ابو النصر منصور بن لؤلؤ نے اپنے مالک سعد الدولہ بن سیف الدولہ الحمدانی کے بیٹے سے حلب چھین لیا اور حاکم کا خطبہ پڑھنا شروع کیا۔ حاکم نے اس کے صلے میں اسے مرتضی الدولہ کا لقب عطا کیا۔ یہ دیکھ کر صالح بن مرداس اور بنو کلاب اس کے مخالف ہو گئے اور دو ہزار کا لشکر تیار کر کے حلب کا محاصرہ کر لیا۔ ابن لؤلؤ نے شکست کھائی لیکن کچھ رقم ادا کر کے رہائی حاصل کر لی۔ ۴۰۵ھ میں قلعہ کا ایک نائب فتح نامی حلب پر قابض ہو گیا۔ فتح کو حاکم کی طرف سے مبارک الدولہ کے لقب کے ساتھ صیدا اور بیروت کی ولایت بھی ملی۔ دو سال تک اس نے کامیاب حکومت کی۔ ۴۰۷ھ میں حلب ایک حمدانی امیر ابو شجاع کے تحت آ گیا۔ اس نے حاکم سے بالکل علیحدگی اختیار کی۔ آخر میں صالح بن مرداس ہی کو حلب کی ولایت مل گئی۔[3]

بنو فاطمہ کے نسب کو باطل کرنے کے لیے ایک محضر کی تیاری ۴۰۲ھ

۴۰۲ھ میں خلیفۂ عباسی قادر باللہ نے ایک محضر تیار کروایا جس پر

---

[1] اس خطبہ کی نقل "النجوم الزاہرہ" میں موجود ہے (ابن تغری بردی $\frac{4}{225}$) ۳۹۶ھ میں محمد بن محمد علوی نے حرمین میں بھی حاکم کا خطبہ پڑھا تھا۔ (ابن تغری بردی $\frac{4}{214}$)

[2] مقریزی $\frac{2}{82}$ -

[3] ابن خلدون $\frac{4}{256}$ ابن الاثیر $\frac{9}{92-96}$ -

علوی خاندان کے سردار اور بغداد کے بڑے بڑے فقیہوں کے دستخط لیے گئے۔ ان سب لوگوں نے یہ گواہی دی کہ حاکم بامراللہ کا نسب صحیح نہیں ہے۔ ان میں جو مشہور ہیں ان کے نام یہ ہیں۔ (۱) الشریف الرضی (۲) اس کا بھائی المرتضیٰ (۳) ابن البطحاوی (۴) ابوحامد الاسفراینی (۵) القدوری (۶) الصیمری (۷) ابن الاکفانی (۸) الابیوردی (۹) ابوعبداللہ بن نعمان فقیہ الشیعہ[۱]۔ اس واقعہ پر ابن خلدون نے یہ تنقید کی ہے کہ "ان کی شہادتیں صرف سماع پر موقوف تھیں۔ ان میں سے اکثر بنوعباس کے طرفدار تھے جو خلفاء فاطمیین کے نسب پر ہمیشہ طعن کرتے تھے۔ مورخین نے جیسا سنا ویسا لکھ دیا۔ حق گوئی اور چیز ہے"[۲]

حاکم کے وزیروں۔ قاضیوں۔ رئیسوں اور خدمتگاروں کا قتل

وزیر برجوان کا ذکر جو حاکم کا پہلا وزیر تھا ہو چکا ہے[۳]۔ تین سال کی وزارت کے بعد اس نے سرکشی کی اس لیے حاکم نے ۳۸۹ھ میں اُسے قتل کرا دیا۔ حسین ابن جوہر اس کا قائم مقام بنایا گیا۔ تقریباً نو سال وہ وزیر رہا مگر ۳۹۷ھ میں حاکم نے اُسے برطرف کر دیا اور حکم دیا کہ وہ گھر سے باہر نہ نکلے۔ پھر اس کا قصور معاف کر دیا لیکن اسے وزارت کا عہدہ نہیں دیا گیا۔ اس کے بعد علی بن صالح رودباری جو شام کے دیوان پر مامور تھا وزیر مقرر کیا گیا اور ایک ہی سال میں معزول کر کے دو سال بعد ۴۰۰ھ میں قتل کر دیا گیا۔ ۳۹۸ھ میں اس کی جگہ منصور نصرانی کو دی گئی جو ابن عبدون کے نام سے مشہور تھا۔ اسی وزیر کے ذریعے حاکم نے کنیسۂ قمامہ منہدم کرایا۔ ۴۰۱ھ میں

۱۔ ابوعبداللہ حسین بن علی بن نعمان (فصل ۲۹ (ب) دور فاطمی کے علماء

۲۔ مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۲۳۔ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو فصل ۶۔ مقریزی اور تغری بردی نے اس محضر کی تاریخ ۴۰۲ھ بتائی ہے (مقریزی ۲/۱۵۹۔ تغری بردی ۴/۲۳۰)

۳۔ ابتداء ذکر حاکم۔

یہ بھی قتل سے بچ نہ سکا۔ اس کا جانشین احمد بن محمد قشوری ہوا جس کی وزارت صرف دس دن رہی۔ اور اس کی بھی گردن ماری گئی۔ اس کے بعد حاکم نے زرعہ بن عیسیٰ لنسطورس (نصرانی) کو اپنا وزیر بنایا اور اُسے شافی کا لقب دیا۔ دو سال کی وزارت کے بعد ۴۰۱ھ میں اس کا انتقال ہوگیا۔ حاکم کے وزیروں میں صرف یہی ایک وزیر ہے جو اپنی موت سے مرا باقی سب قتل کر دیے گئے[1]۔ زرعہ کے بعد امین الامنا حسین بن طاہر (وزان) کو عہدہ وزارت دیا گیا۔ یہ بھی دو سال کے اندر ۴۰۵ھ میں موت کے گھاٹ اتارا گیا۔ اس کی جگہ عبدالرحیم[2] ابن ابی السید (کاتب) کو ملی دو مہینے کے اندر رہی اس کی بھی موت سے مڈ بھیڑ ہوئی۔ اس کے بعد اس کا بھائی ابو عبداللہ حسین[3] وزیر مقرر کیا گیا۔ دو مہینے ہی میں اس کا بھی وہی حشر ہوا جو اس کے بھائی کا ہوا تھا۔ اس کے عہدے پر فضل بن جعفر بن الفرات مامور ہوا۔ اس بیچارہ کی زندگی کا تو صرف پانچ ہی روز میں خاتمہ کر دیا گیا۔ حاکم کا آخری وزیر ذوالریاستین قطب الدولہ ابوالحسن علی بن جعفر بن فلاح (کتامی) ہوا جس نے ۴۰۵ھ سے لے کر حاکم کے مفقود ہونے تک یعنی ۴۱۱ھ تک وزارت کی[4]۔

---

[1] - ابن الصیرفی ۸۵۔

[2] - کتاب الاشارہ میں اس کا نام عبدالرحمٰن ہے (ابن الصیرفی ۸۳)

[3] - کتاب الاشارہ میں اس کا نام "الحسن" ہے (ابن الصیرفی ۸۳)

[4] - ایک روایت یہ ہے کہ علی بن جعفر بن فلاح کے بعد ماہ رجب ۴۰۹ھ میں "الامین الظہیر شرف الملک تاج المعالی ذوالجدین صاعد بن عیسیٰ بن نسطورس" وزیر ہوا۔ لیکن اسی سال کے ماہ ذی الحجہ میں یہ قتل کر دیا گیا۔ اس کے بعد "الامیر شمس الملک المکین الامین ابوالفتح المسعود بن طاہر الوزان" کو وزارت کا عہدہ دیا گیا۔ کچھ دنوں بعد یہ برطرف کر دیا گیا۔ اس کی جگہ ۴۱۱ھ میں "الامیر الخطیر رئیس الرؤسا ابوالحسن عمار بن محمد" کو ملی۔ اس وزیر نے خلیفہ ظاہر کی بیعت لوگوں سے لی۔ سات ماہ میں یہ بھی قتل کر دیا گیا۔ (ابن الصیرفی ۸۰)

حاکم کا یہ سخت برتاؤ وزیروں ہی سے مخصوص نہ تھا بلکہ قاضی اور دوسرے عہدہ دار اور خدمت گار بھی اس کی زد سے بچ نہ سکے قاضی محمد بن قاضی نعمان بن محمد نے ۳۸۹ھ میں جو حاکم کی خلافت کا تیسرا سال تھا وفات پائی۔ اس کے بعد ابو عبداللہ حسین بن علی بن نعمان کو قاضی القضاۃ کی کرسی دی گئی۔ یہ قاضی داعی الدعاۃ بھی کہلاتا تھا کیونکہ بنو فاطمہ کے زمانے میں یہ دستور تھا کہ جو شخص قاضی القضاۃ ہوتا وہ داعی الدعاۃ بھی ہوا کرتا تھا۔ لیکن جب یہ عہدے الگ الگ دیے جاتے تو قاضی القضاۃ کا عہدہ داعی الدعاۃ سے اعلیٰ اور برتر سمجھا جاتا تھا۔ داعیوں کے مختلف درجے آیندہ فصل (۳۳) میں بیان کیے جائیں گے۔ حسین بن علی بن نعمان چھ سال تک قضا کے عہدے پر رہا۔ ۳۹۵ھ میں حاکم نے اسے قتل کرا کے اس کی لاش کو آگ میں جلوا دی۔ اس کی جگہ عبدالعزیز بن محمد بن نعمان کو دی گئی۔ دو ہی سال میں اس کی برطرفی عمل میں آئی۔ حاکم کے خوف سے یہ قاضی وزیر حسین بن جوہر کے ساتھ مصر سے بھاگ گیا۔ ۱۲ر جمادی الاخری ۴۰۱ھ میں جب یہ واپس ہوا تو حاکم نے اسے قتل کرا دیا اور مالک بن سعید الفارقی کو اس کی جگہ دی۔ چار سال بعد ۴۰۵ھ میں اس کی بھی گردن ماری گئی اور احمد بن محمد بن العوام قاضی القضاۃ بنایا گیا۔ خدا جانے اس قاضی کا انجام کیا ہوا۔

دوسرے عہدہ دار اور رئیس جو حاکم کے زمانے میں قتل کیے گئے اُستاد ریدان صقلی۔ علی بن عمر الدواس۔ قائد فضل بن صالح۔ ابو علی (فضل کا بھائی) قائد غنین۔ کاتب ابو القاسم علی بن احمد الجرجرائی اور مغربی کے سات بیٹے ہیں[۱]۔ جملہ تعداد وزیروں۔ قاضیوں۔ عہدہ داروں

---

[۱]۔ مقریزی $\frac{۲}{۱۴۱}$ ۳ ۔ اتعاظ الحنفاء میں تقریباً اور پندرہ آدمیوں کے نام بتائے گئے ہیں جنھیں حاکم نے قتل کیا۔ (صفحہ ۱۴۴)

اور رئیسوں کی جن کی گردنیں ماری گئیں ہیبیس ہے۔ جو شخص قتل ہوتا اس کی جائداد کی حفاظت کے لیے ایک خاص دفتر کھولا جاتا جسے دیوانِ مفرد کہتے تھے۔ ان عہدہ داروں میں قائد غین اور کاتب علی بن احمد جرجرائی کے واقعات عجیب وغریب ہیں جن سے اس زمانے کے عہدہ داروں کی روش اور حاکم کی طرزِ حکومت پر روشنی پڑتی ہے۔

ابتدا میں قائد غین حاکم کا ایک معمولی خادم تھا۔ ۹ ربیع الاول ۴۰۲ھ میں حاکم نے اسے اپنا قائد القواد بنایا اور قاہرہ اور جیزہ کی "حسبۃ" اور "شرطہ" کا کام بھی اس کے سپرد کیا۔ اس اعزاز میں اسے جلوس میں دس گھوڑے اپنے سامنے رکھنے کی اجازت دی۔ پھر ماہ ذیقعدہ میں اسے پانچ ہزار دینار اور پچیس گھوڑوں سے سرفراز کیا۔ غین نے ۴۰۴ھ تک اپنے فرائض انجام دیے۔ اس کے بعد "شرطہ" اور "حسبۃ" کا کام اس سے لے کر مظفر صقلی کو دے دیا گیا۔

علی بن احمد جرجرائی قائد غین کا کاتب تھا اس سے پہلے وہ حاکم کی بہن کا کاتب رہ چکا تھا۔ حاکم کے خوف سے اس نے اس کی خدمت چھوڑ کر غین کی خدمت اختیار کی۔ حاکم کی بہن اس سے ناراض ہوئی۔ غین نے اس کو خوش کرنے کے لیے ایک رقعہ لکھا مگر اس کا اثر اُلٹا ہوا حاکم کی بہن نے وہ رقعہ حاکم کے پاس بھجوا دیا۔ حاکم بہت ناراض ہوا اور جرجرائی کے دونوں ہاتھ کٹوا دیے۔ اس کا ایک اور یہ سبب بیان کیا جاتا ہے کہ حاکم کے محل میں ایک خبر رساں عقیل نامی تھا وہ ان تمام رقعوں کو جو حاکم کے نام آتے تھے غین کے حوالے کر دیتا تھا۔ غین اپنے کاتب جرجرائی کو یہ رقعے دے دیتا تھا تاکہ وہ خلوت کے وقت حاکم کی خدمت میں پیش کرے۔ جرجرائی ان رقعوں کی مہریں توڑ کر پڑھ لیتا اور پھر بند کر کے ان کو پیش کر دیتا تھا۔ ایک روز اس کی نظر سے ایک ایسا رقعہ گذرا جس میں اس کے اُستاد غین کی کچھ شکایت لکھی ہوئی تھی۔ اس نے اس جملے کو کاٹ کے

درست کر دیا۔ اور پھر مہر لگا دی۔ یہ خبر عقیل کو پہنچی اس نے حاکم کو اس کی اطلاع دی۔ حاکم نے جرجرائی کے ہاتھ کٹوا ڈالے اس کے پندرہ دن بعد قائد غین کا بھی ایک ہاتھ کٹوا دیا۔ اس کے تین سال پہلے اس کا دوسرا ہاتھ بھی کٹوا دیا گیا تھا۔ اب جرجرائی اور غین دونوں بیدست ہو گئے۔ کہا جاتا ہے کہ جب حاکم کے پاس غین کا کٹا ہوا ہاتھ ایک طبق میں بھیجا گیا تو حاکم نے غین کے مکان پر اطباء بھیجے اور کئی ہزار دینار اور کپڑے صلے میں اسے دیے اور تمام اہل دولت نے اس کی عیادت کی۔ دس دن بعد اس کی زبان کاٹی گئی۔ یہ زبان بھی جب حاکم کے پاس پہنچی تو پھر اس نے غین کے پاس اطبا بھیجے۔ اس کے بعد غین کا انتقال ہو گیا۔[1]

رئیسوں کے علاوہ بہت سے خادموں اور فراشوں کے بھی ہاتھ کٹوائے گئے۔ اور پھر ان کی گردنیں ماری گئیں۔ کہا جاتا ہے کہ ملوخیا جو حاکم کے خاص خادموں میں شامل تھا اسے خود حاکم نے اپنے ہاتھ سے قتل کیا۔

حاکم کے رفاہ عام کے کام۔ دار العلم یا دار الحکمۃ کا قیام۔ مساجد کی تعمیر اور ان کی آرائش اور خلیج اسکندریہ کی توسیع وغیرہ

۳۹۵ھ میں حاکم نے "دار العلم یا دار الحکمۃ" قائم کیا۔ اس کی اصلی غرض و غایت شیعی علوم کی اشاعت تھی۔ مگر اس میں قاری۔ فقیہ۔ نجومی۔ ادیب۔ منجم۔ اور طبیب وغیرہ بھی مقرر کیے گئے۔ کچھ عرصے کے بعد مذہب اہل سنت کی تعلیم بالکل موقوف کر دی گئی اور کئی اساتذہ جن میں فقیہ ابو بکر الانطاکی وغیرہ شامل تھے قتل کر دیے گئے۔[2] تقریباً دس سال بعد اس مدرسے کے دینی شعبے کی حالت بھی خراب ہو گئی جیسا کہ داعی احمد حمید الدین الکرمانی کے قول سے واضح ہے کہ "جب میں ہجرت کر کے

[1] مقریزی ۲/۸۸ [2] ابن تغری بردی ۴/۲۲۳

حضرت نبویہ اور علویہ میں پہنچا تو دیکھا کہ لوگ بڑی مصیبت میں مبتلا ہیں۔
رسومِ دعوت میں خلل پڑ گیا ہے۔ مجالس الحکمۃ کی پابندی چھوٹ گئی ہے۔
"اعلیٰ اسفل اور اسفل اعلیٰ ہو گئے ہیں۔ اولیاء دعوتِ ہادیہ ایسی
ہولناک پریشانیوں میں گرفتار ہیں کہ ان کے سر کے بال سفید ہو جاتے
ہیں۔ ایک دوسرے کو فاسق کہتا ہے۔ بعض غلو کی چوٹی پر پہنچ گئے ہیں۔
بعض اس قدر پستی میں گر پڑے ہیں کہ ان کے ہاتھ سے دین کا دامن
چھوٹ گیا ہے۔ ایمان پر صرف احاد باقی رہ گئے ہیں مجھے مستضعفین
پر ترس آیا۔ اس لیے میں نے یہ رسالہ حاکم کی امامت کے ثبوت میں لکھا۔"[1]
اس مدرسے کے ساتھ ایک کتب خانہ بھی کھولا گیا۔ جس میں
قصر شاہی کی تمام کتابیں منتقل کی گئیں۔ اس میں کاغذ دوات وغیرہ
غرض کہ جتنی چیزیں کتب خانے میں ہونی چاہئیں سب فراہم کی گئیں[2]۔
دور دور سے لوگ اس سے استفادہ کے لیے آتے تھے۔ اسی کتب خانہ
سے مشہور قاضی ابو یوسف نے بہت سی کتابیں حاصل کیں جیسا کہ
اسامہ بن مرشد نے اپنی کتاب معروف بہ "کتاب العصی" میں لکھا ہے کہ
میرے والد مرشد بن علی جب ملک شاہ[3] کے دربار میں باریابی کے لیے

---

[1] - رسالہ مباسم البشارات (ثلاث عشرۃ رسالۃ)
[2] - اس کے بعض مصارف کی تفصیل مقریزی نے لکھی ہے: قلمی نسخوں کے نقل کرنے کے لیے نو دینار۔ قلم روشنائی وغیرہ کے لیے بارہ دینار۔ کتب کی جلد بندی وغیرہ کے لیے بارہ دینار۔ فرش و فروش اور موسم سرما کے تکیوں کے لیے انیس دینار۔ پانی کے لیے بارہ دینار۔ مہتمم اور چپراسیوں کی تنخواہوں کے لیے ترسٹھ دینار۔ جملہ دو سو چھتر دینار حکومت سے دیے جاتے تھے (مقریزی $\frac{۲}{۳۳۴}$)۔ یہ اخراجات اس زمانے کے مصارفِ تعیش کے لحاظ سے بہت کم نظر آتے ہیں۔ Lane-Poole, p. 131.
[3] - الپ ارسلان سلجوقی کا بیٹا جو اس کے بعد اس کا جانشین ہوا۔ ان دونوں کا مشہور وزیر نظام الملک طوسی تھا۔
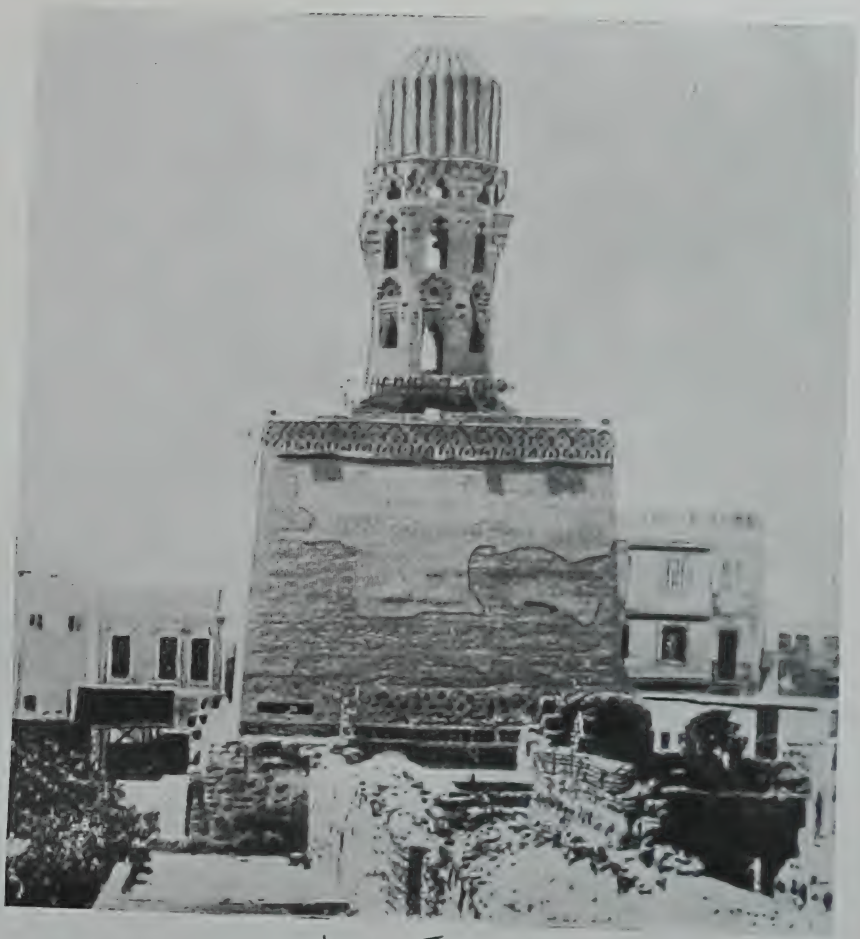
جامع حاکم کا منارہ۔
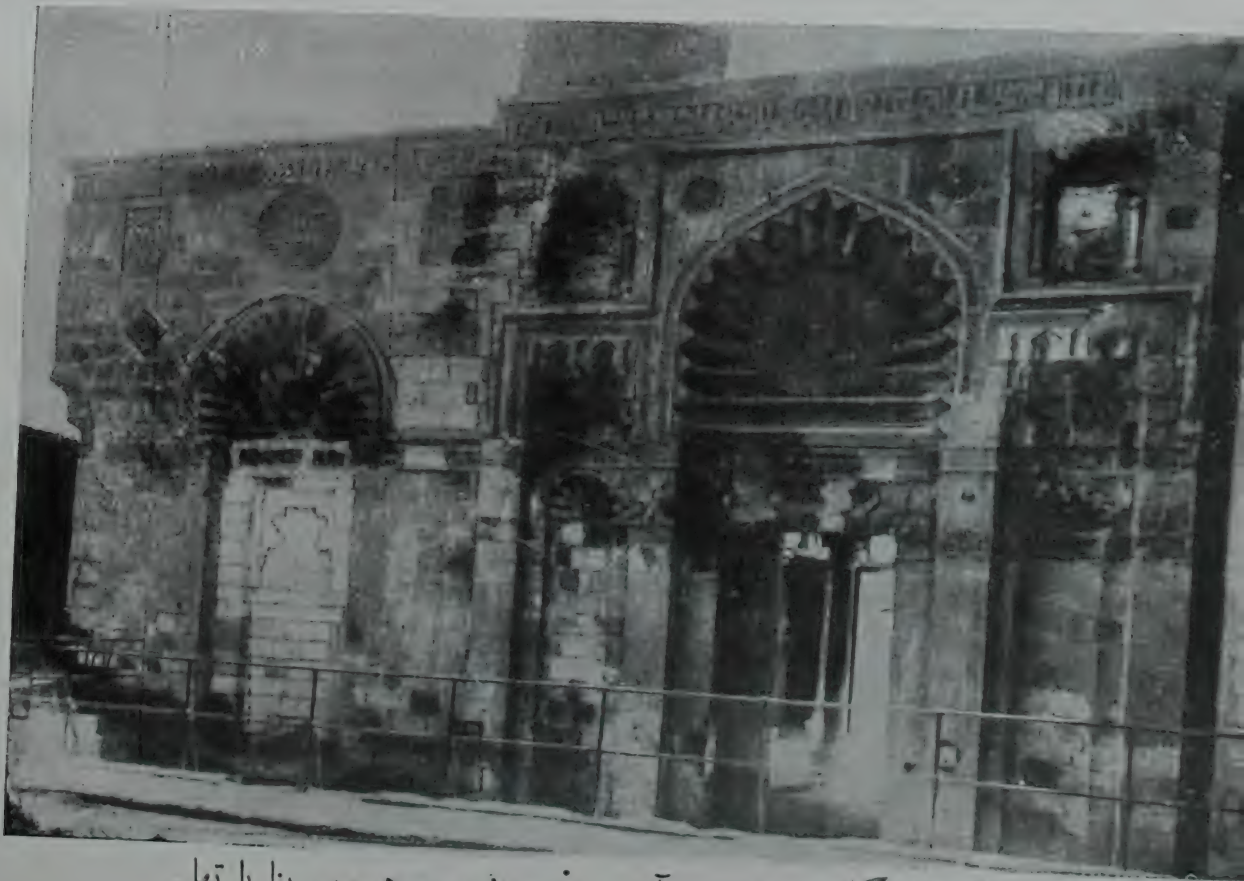
جامع اقمر کا اگلا حصہ جسے آمر نے سنہ ٥١٩ ھ میں بنایا تھا۔

مقابل صفحہ (٢١٣)

جا رہے تھے تو انھوں نے قاضی مذکور سے ملاقات کی۔ یہ وہی قاضی ہے جس نے حاکم کے زمانے میں مصر کا سفر کیا حاکم نے اس کی بڑی قدر ومنزلت کی اور بڑے گرانبہا صلے دیے۔ اس نے حاکم سے کہا کہ ان صلوں سے مجھے معاف فرمائیے۔ یہ میرے کس کام کے ہاں اگر آپ اپنے کتب خانہ سے میری پسندیدہ کتابیں مجھے لینے کی اجازت عنایت فرمائیں تو میں آپ کی اس مہربانی کو بہت بڑا صلہ سمجھوں گا۔ حاکم نے اجازت دیدی۔ قاضی نے چن چن کر بہت سی نایاب کتابیں لے لیں[1]

اس کالج اور کتب خانے کے علاوہ حاکم نے ایک رصدگاہ بھی بنوائی اور اپنے زمانے کے مشہور ہیئت داں علی بن یونس شاسی کو حکم دیا کہ ایک مفصل زیج تیار کرے۔ یہ زیج ایسی مفید اور مستند ثابت ہوئی کہ اکثر لوگ تقویم کے حسابات نکالنے میں اس سے مدد لیتے تھے۔ اس سے پہلے خلیفۂ مامون کے زمانے میں جو زیج تیار ہوئی تھی اس پر علی بن یونس نے بہت کچھ اضافہ کیا۔

حاکم کو مسجدوں کی تعمیر اور ان کی آرائش سے بڑی دلچسپی تھی۔[2] ان میں سب سے بڑی اور شاندار وہ مسجد ہے جو اسی کے نام سے اب تک جامع الحاکم کہلاتی ہے۔ اس مسجد کی بنیاد حاکم کے باپ عزیز نے رکھی تھی۔ مگر عزیز کے انتقال کے بعد حاکم نے چالیس ہزار دینار کے مصارف سے ۳۹۳ھ میں اس کی تکمیل کی اور مزید پانچ ہزار دینار کے خرچ سے اس کی چٹائیاں۔ قندیلیں۔ اور پردے مہیا کیے۔ چار بڑے بڑے چاندی کے تنور اس میں لٹکائے گئے۔ اس کی حفاظت اور مرمت کے لیے بڑی املاک اس پر وقف کی گئیں یہ مسجد قاہرہ کے

---

[1] - کتاب العصی لاسامۃ بن مرشد بن علی بن مقلد بن نصر بن منقذ صفحہ ۵۰۳-۵۰۴-
[2] - حاکم کے عہد کی تین مسجدیں "مساجد معلقہ" کہی جاتی تھیں۔ ان کا اب کوئی نشان باقی نہیں ہے (الخطط التوفیقیۃ $\frac{2}{42}$)

باب النصر (شمالی دروازے) کے قریب ہے۔[1] راقم الحروف نے اپنے مصر کے سفر میں یہ مسجد دیکھی۔ افسوس کہ اس کی حالت آجکل بہت خراب ہوگئی ہے۔ اس کے ایک حصے میں ایک گودام ہے۔ امید کہ حکومت مصریہ اس کی طرف توجہ کرے گی۔ اسی سال یعنی ۳۹۳ھ میں ایک اور مسجد موضع راشدہ میں بنوائی گئی۔ جہاں اکثر حاکم جمعہ کی نماز پڑھا کرتا تھا۔ اس کی محراب کا رُخ بہت ہی احتیاط سے علی بن یونس نے معین کیا جو حاکم کے زمانے کا بڑا ہیئت داں تھا۔ اس کا نام مسجد راشدہ رکھا گیا۔[2] اس کو بھی حاکم نے فرشوں پردوں اور چراغوں سے آراستہ کیا تیسری مسجد جو حاکم نے بنوائی وہ جامع مقس کہلاتی ہے۔[3]

ان مسجدوں کے علاوہ حاکم نے قاہرہ اور دیگر شہروں میں اور کئی مسجدیں بنوائیں اور کئی مسجدوں کی مرمت کروائی۔ ان میں کثرت سے کلام اللہ کے نسخے فراہم کیے۔ ان کو چاندی کے چراغوں ریشمی پردوں اور سامانی چٹائیوں سے آراستہ کیا۔ مسبّحی کہتا ہے کہ ۴۰۳ھ میں حاکم نے ان تمام مسجدوں کی گنتی کا حکم دیا جن کو کوئی غلّہ (یعنی امداد) نہیں ملتا تھا یا جن کو غلّہ تو ملتا تھا مگر کافی نہ تھا۔ معلوم ہوا کہ ایسی مسجدوں کی تعداد آٹھ سو تیس ہے اور ان کو ماہانہ نو ہزار دو سو بیس درہم کی ضرورت ہے۔ حاکم نے اس رقم کی منظوری دی۔ اس کے علاوہ ہر مسجد کے لیے ماہانہ بارہ درہم مقرر کیے گئے۔ اس کے بعد ۴۰۵ھ میں بڑی املاک[4] قاریوں، فقیہوں، موذنوں، پانی کے حوضوں، دواخانوں اور اموات کے

---

[1] مقریزی $\frac{۲}{۵۵-۵۶}$۔

[2] اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ مسجد خطۂ راشدہ بن ادب میں درمیان مدینۂ فسطاط اور دیر الطین کے واقع تھی۔ لیکن اب بے نشان ہوگئی ہے (مقریزی $\frac{۲}{۶۳}$)

[3] یہ مسجد نیل کے کنارے موضع مقس میں تھی۔ اس کا اب کوئی پتہ نہیں ہے (مقریزی $\frac{۲}{۶۵}$)

[4] مثلاً اطفیح۔ صول۔ طوخ اور دوسری چھ جاگیریں۔

کفنوں کے لیے وقف کی گئی۔[1]

حاکم ہی کے زمانے ۴۰۲ھ میں خلیج اسکندریہ تیار کی گئی جس پر حاکم نے پندرہ ہزار دینار صرف کیے۔[2]

حاکم کی سادگی اور فیاضی

بنو فاطمہ اپنی شان و شوکت کے لیے بڑا اہتمام کرتے تھے ان کے محلات طرح طرح کی آرائشوں اور زیبائشوں سے مزین کیے جاتے تھے۔ ان کی سواری بڑے تزک و احتشام سے نکلتی تھی۔ ان کی ثروت۔ ان کے محلات اور دربار عام کی کیفیت فصل (۳۰) میں ملے گی۔ حاکم نے اس عام روش کو بالکل بدل دیا۔ اور بہت سادہ زندگی بسر کرنے لگا۔ جب یہ باہر نکلتا تو بدن پر معمولی سوتی لباس، پاؤں میں معمولی جوتا اور سر پر سفید عمامہ ہوتا تھا جس میں جواہرات بھی ٹکے نہیں ہوتے تھے بلکہ بعض مرتبہ تو بغیر عمامے ہی کے نکلتا تھا۔ ۴۰۳ھ میں عیدین کے موقع پر جب اپنے محل سے عید گاہ کو گیا تو اس کی سواری سے سادگی ٹپکتی تھی۔ زینت کا کوئی سامان ساتھ نہ تھا۔ جلو میں صرف دس گھوڑے تھے جن پر معمولی زینیں کسی ہوئی تھیں۔ پھریرے سادے تھے۔ لباس قیمتی نہ تھا۔ عمامے پر سونے اور جواہرات کا کوئی کام نہ تھا۔ منبر فرش سے خالی تھا۔ حاکم اکثر گدھے پر سوار ہو کر باہر نکلتا۔ لوگ اس کے ارد گرد جمع ہو جاتے اور اپنی درخواستیں پیش کرتے۔ وہ بڑی دیر تک ان کی خاطر سے کھڑا رہتا۔ کوئی سپاہی ان کو روک نہ سکتا تھا۔

مال و دولت کے صرف کرنے میں حاکم بڑا فیاض تھا۔ خاصکر خدمت گاروں اور نوکروں کو بہت انعام دیتا تھا۔ داعی احمد بن محمد نیساپوری نے اپنی کتاب اثبات الامامۃ میں لکھا ہے کہ

---

[1] مقریزی ۴/۸۴ و ۲/۲۶۴ [2] مقریزی ۱/۲۷۶

"حاکم فیاضی میں نیک و بد کی تمیز نہیں کرتا تھا۔ دونوں اس کی بخشش سے بہرہ ور ہوتے تھے[1]۔ ایک دفعہ حاکم نے اتنے انعامات دینے کا حکم جاری کیا کہ حسین بن طاہر الوزان کو جو ۴۰۳ھ میں وزیر تھا اس کی تعمیل میں تاخیر کرنا پڑی۔ حاکم نے یہ فرمان بھیجا:۔

"بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ الحمد للہ کما ھو اھلہ

اصبحت لا ارجو ولا اتقي الا الاھي ولہ الفضل

جدي نبي وامامي ابي وديني الاخلاص والعدل

المال مال اللہ والخلق عباد اللہ ونحن امناؤہ فی الارض۔ اطلق ارزق الناس ولا تقطعھا۔ والسلام"۔

دولت فاطمیہ میں یہ رسم عام تھی کہ جب کبھی امام کی سواری نکلتی تو لوگ اس کے سامنے زمین بوسی کے لیے جھک جاتے۔ دربار میں اس کے سامنے سجدہ کرتے جیسا آئندہ بیان کیا جائے گا[2]۔ حاکم نے یہ رسم موقوف کر دی بلکہ رکاب بوسی اور دست بوسی کو بھی ممنوع قرار دیا۔ اس نے کہا کہ مخلوق کے لیے زمین کی طرف جھکنا روم کی رسم ہے۔ اس کے ساتھ یہ ہدایت بھی کی کہ کوئی اُسے "سیدنا و مولانا" کے الفاظ سے خطاب نہ کرے۔ سلام میں صرف "السلام علی امیر المومنین" کہنا کافی ہے۔ اس سے پہلے لوگ "الصلوٰۃ والسلام علی سیدنا و مولانا امیر المومنین" کہا کرتے تھے۔ خلیفہ کے محل کے اطراف نوبت بجائی جاتی تھی۔ یہ بھی موقوف کر دی گئی۔

سورس اشمونین Severus of Ashnunayan ایک پادری

---

۱ ۔ اثبات الامامۃ صفحہ ۱۳۶ ۔ ۱۴۴ ۔

۲ ۔ فصل ۳۰ (امام کے سامنے رعیت کی زمین بوسی اور سجود)۔

کہتا ہے کہ حاکم نے ایک دفعہ یہ حکم دیا کہ جتنے انگور شراب بنانے کے لیے خریدے گئے ہوں وہ سب تلف کر دیے جائیں۔ اسی ہنگامے میں کسی تاجر کے وہ انگور بھی تلف کر دیے گئے جو شراب بنانے کے لیے نہیں خریدے گئے تھے۔ اس تاجر نے حاکم پر دعویٰ دائر کیا۔ حاکم خود عدالت میں حاضر ہوا اور باقاعدہ اپنے مقرر کردہ قاضی کی کرسی کے سامنے کھڑا ہو کر مقدمے کی جوابدہی کی۔ تحقیقات سے جب ثابت ہوا کہ تاجر کے انگور شراب بنانے کی غرض سے نہیں خریدے گئے تھے تو قاضی نے فیصلے میں انگوروں کی قیمت حاکم کے ذمے عائد کی۔ یہ قیمت اسی وقت وصول کر کے حاکم سے امان کا فرمان بھی لکھوا لیا گیا۔ تاکہ پھر حاکم کسی انتقامی صورت میں تاجر کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکے۔ فیصلے کے بعد قاضی اپنی کرسی سے اٹھا اور حسب معمول خلیفہ کے سامنے نہایت ادب سے آداب بجا لایا۔ حاکم قاضی سے بہت خوش ہوا اور کہا کہ اس کے صلے میں تم کو انعام دیا جاتا ہے اور ہدایت کی جاتی ہے کہ مدعی علیہ خواہ کیسی ہی شان و شوکت کا کیوں نہ ہو اس سے مرعوب نہ ہونا چاہیے اور نہ فیصلے میں اس کی طرفداری کرنی چاہیے۔[1]

فسطاط میں حاکم کے غلاموں اور مصریوں کے درمیان معرکے ۴۱۰ھ-۱۰۲۰ء

حاکم کی تلون مزاجی اور سختی سے مصری تنگ آ کر اس سے نفرت کرنے لگے۔ اس کی اور اس کے بزرگوں کی مذمت کے کئی رقعے اس کے پاس بھیجے گئے۔ ایک عورت کا پتلا بنا کر اس کے راستے میں نصب کیا گیا۔ اس پتلے کے ہاتھ میں شکایتوں کا ایک رقعہ تھا۔ حاکم اپنی عادت کے مطابق بازاروں میں گشت کے لیے نکلا۔ جب رقعے پر اس کی نظر پڑی تو اس نے اسے منگوا کر پڑھا۔ پڑھتے ہی حکم دیا کہ رقعے والی عورت قتل کر دی جائے۔

[1] O'Leary, p. 165-166.

لیکن تحقیق سے معلوم ہوا کہ وہ ایک مصنوعی پُتلا ہے۔ قاہرہ آکر حاکم نے رازمیں اپنے غلاموں کو فسطاط کو آگ لگانے اور باشندوں کو لوٹ لینے کا حکم دیا۔ کتامیوں اور ترکوں نے غلاموں کا مقابلہ کیا۔ کئی جھڑپیں ہوئیں۔ فسطاط کا تقریباً تیسرا حصہ جل گیا۔ جانی اور مالی بڑا نقصان ہوا۔ حاکم کے پاس جب یہ شکایت پہنچی تو اس نے اپنی لاعلمی ظاہر کی اور فسطاط والوں کے لیے امن وامان کا فرمان جاری کیا۔

فرقۂ دروزیہ کی ابتداء اور اس کے عقیدے

کہا جاتا ہے کہ "حاکم کے آخری زمانے میں اس پر ایک نئے جنون کا دورہ پڑا۔ اُسے یہ خیال پیدا ہوا کہ اللہ تعالیٰ اس کے جسم میں حلول کر گیا ہے۔ اس نے اپنے مریدوں پر جبر کیا کہ وہ اُسے پوجیں۔ جب اس کا نام لیا جاتا تو اس کے مرید راستے میں یا اس کے محل میں جہاں کہیں بھی ہوتے سجدے کے لیے جھک جاتے تھے۔ یہ شیعی باطنی تصوف کا انتہائی نتیجہ ہے"[2] داعی ادریس کا یہ قول ہے کہ خود حاکم نے کبھی خدائی کا دعویٰ نہیں کیا البتہ اس کے چند داعیوں نے ایسا غلو آمیز مذہب اختیار کیا کہ حاکم کو خدا کا خلیفہ ماننے کی بجائے خدا ماننے لگے۔[3] اس کی تائید میں داعی مذکور نے "الرسالۃ الواعظۃ"[4] پیش کیا ہے جسے حاکم کے زمانے کے صدر داعی احمد حمید الدین کرمانی نے حسن فرغانی کی تردید میں جس کا ذکر آگے آئے گا لکھا ہے۔ اس کی وجہ تصنیف یہ ہے کہ فرغانی نے کرمانی کو ایک خط لکھا جس میں اس نے اپنے چند عقائد ظاہر کیے۔ مثلاً حاکم مجسم خدا ہے۔ اعمال شریعت کی

---

[1] - ابن تغری بردی $\frac{4}{180-182}$

[2] Lane-Pole, p. 132.

[3] - عیون الاخبار $\frac{7}{315-316}$ -

[4] - داعی احمد حمید الدین کرمانی کے تصنیف کیے ہوئے تیرہ رسالوں میں سے یہ ایک رسالہ ہے (تیرہ رسائل - صفحہ ۵۰۳)

اب کوئی ضرورت ہی نہیں۔ جس نے امام کو پہچان لیا وہ مرتبے میں انبیاء اور اوصیاء سے بڑھ گیا۔ دنیا کا دور ختم ہو گیا ہے۔ قیامت قائم ہو چکی ہے۔ کرمانی نے اپنے اس رسالہ میں ان عقائد کی تردید کی ہے۔[۱]

"بہر حال ۴۰۹ھ میں فرغانہ[۲] سے ایک اسمٰعیلی عجمی داعی مصر آیا جس کا نام حسن بن حیدرہ فرغانی (اخرم) ہے۔ اس کا یہ عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حاکم میں حلول کیا ہے۔ یہ اس عقیدے کی تبلیغ کرتا اور انبیا کی نبوتیں باطل قرار دیتا تھا۔ اس کے ماننے والوں کی تعداد روز بروز بڑھتی گئی۔ جب مصر میں اس کی شہرت ہوئی تو حاکم نے اُسے بلا بھیجا اور قیمتی خلعتوں سے سرفراز کیا۔ ایک دن یہ مصر کے بازاروں میں جا رہا تھا کہ ایک کوفی نے اچانک اس پر حملہ کیا اور گھوڑے سے گرا کر اُسے اتنا مارا کہ وہ ہلاک ہو گیا۔ حاکم نے خاص طور پر اس کے دفن کا انتظام کیا اور قاتل کو قتل کروا دیا۔ اہل سنت نے کوفی کی قبر بنوائی اور رات دن اس کی زیارت کرنے لگے۔

۴۱۰ھ میں حاکم کا ایک دوسرا عجمی داعی حمزہ لباد زوزن[۳] سے مصر پہنچا اور اُس مسجد میں رہنے لگا جو باب النصر کے باہر سقایہ ریدان کے قریب ہے یہ بھی حلول و تناسخ کا قائل تھا اس نے اپنے پیروؤں کو ہدایت کی کہ وہ بجائے خدا کے حاکم کی عبادت کریں۔ اس نے "ھادی المستجیبین" کا لقب اختیار کیا۔ بہت سے اس کا کلمہ پڑھنے لگے۔

۱۔ داعی الدعاۃ قاضی القضاۃ نعمان بن محمد نے بھی پیشین گوئی کی تھی کہ "امام حاکم خاتم الائمہ ہوں گے"۔ (ذکر تاویل الصوم۔ الجزء الثانی من تاویل دعائم الاسلام)

۲۔ ماوراء النہر کا ایک بڑا شہر ہے اور سمرقند سے پچاس فرسخ کے فاصلے پر واقع ہے۔

۳۔ ایک وسیع موضع کا نام ہے جو نیشاپور اور ہرات کے درمیان ہے۔ اور نیشاپور کے مضافات میں شمار کیا جاتا ہے (معجم البلدان $\frac{۲}{۶۵۸}$)

جب کبھی حاکم ادھر جاتا تو یہ مسجد سے نکل کر حاکم سے خلوت میں ملتا تھا۔ ایک دن اس نے حاکم سے کہا کہ مجھے اپنی جان کا خوف ہے کیونکہ مصری سپاہی میری گھات میں ہیں۔ انھوں نے مجھے قتل کی دھمکی بھی دی ہے۔ کہیں میرا بھی فرغانی کا سا حشر نہ ہو۔ یہ سن کر حاکم نے اس کی حفاظت کے لیے بہت سے ہتھیار اس کے پاس بھیجے روز بروز اس داعی کا بھی زور بڑھتا گیا۔ اس نے اپنے چند مددگار تیار کیے جنھیں عجیب عجیب القاب دیے۔ کسی کو "سفیر القدرہ" کا لقب دیا۔ اس مددگار کا یہ فریضہ تھا کہ یہ بڑے بڑے لوگوں کے پاس جاکر ان کی بیعت حاصل کرے۔

سنہ ۴۱۰ھ کے آخر میں ایک اور ترک نوجوان انوشتکین بخاری ظاہر ہوا۔ یہ داعی درازی کے نام سے مشہور ہے۔ اس نے بھی زوزنی کا طریقہ اختیار کیا۔ یہ بھی حاکم سے خلوت میں ملا کرتا تھا۔ اس نے اپنا لقب "سند الہادی اور حیاۃ المستجیبین" رکھا۔ ۱۲ صفر ۴۱۱ھ تک اس کا بھی بڑا زور رہا۔ ایک دن حمزہ زوزنی کے ماننے والے اپنے مذہب کا اعلان کرتے ہوئے جامع عتیق میں اپنی سواریوں پر داخل ہوئے۔ انھوں نے حلول و تناسخ کے متعلق ایسی گفتگو کی جس سے دوسرے لوگ سخت ناراض ہوئے۔ ان میں سے تین آدمی اس مقام تک پہنچے جہاں قاضی کا اجلاس ہوا کرتا تھا۔ جب قاضی مسجد میں داخل ہوا تو ان میں سے ایک آدمی نے آگے بڑھ کر قاضی کو ایک رقعہ دیا جس کی ابتدا اس طرح تھی۔

"بسم اللہ الحاکم الرحمٰن الرحیم" اس رقعہ میں قاضی کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ حاکم کی الوہیت کا اقرار کرے۔ قاضی نے کچھ جواب نہ دیا صرف اتنا کہا کہ میں "حضرت مولانا" سے مل کر اس کا جواب دوں گا۔ جب دونوں کے درمیان رفع کلام ہونے لگا تو حاضرین نے رقعہ پہنچانے والے کو قتل کرکے اس کے دونوں ساتھیوں کو بھی مار ڈالا۔

اس پر مسجد میں بڑا ہنگامہ ہوا۔ زوزنی کے دوسرے اصحاب اور عام لوگوں میں لڑائی ہوئی۔ ان میں سے اکثر مارے گئے۔

جب حاکم کو یہ خبر پہنچی تو اس نے پولیس کے نائبوں کو معزول کردیا اور زوزنی کے اصحاب پر ظلم کرنے والوں کو گرفتار کروا کے ان میں سے تقریباً چالیس آدمیوں کو متعدد اوقات پر قتل کروا دیا۔ رعیت اور ترکی سپاہیوں کو یہ امر شاق گزرا۔ یہ لوگ درآزی کے قتل کرنے کے ارادے سے اس کے گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ درآزی نے حاکم کے محل میں پناہ لی۔ جب لوگوں نے اس کا مطالبہ کیا تو حاکم نے کہا کہ وہ قتل کردیا گیا ہے۔ بہر حال حاکم نے اسے چھپا دیا۔ مصر سے بھاگ کر درآزی جبل لبنان (شام) پہنچا اور وہاں ایک نئے فرقے کی بنیاد ڈالی جو دروزیہ کہلاتا ہے اور اب تک موجود ہے۔ ترکی سپاہی حاکم کے محل سے نکل کر مسجد ریدان کی طرف گئے جہاں زوزنی رہتا تھا۔ لیکن اس کا بھی پتا نہ لگا۔

اہل فسطاط نے حاکم کے عجمی داعیوں سے جو سلوک کیا اس کا انتقام لینے کے لیے حاکم نے ایک مہینے بعد اپنی حبشی فوج فسطاط بھیجی۔ فوج کے سپاہیوں نے اہل فسطاط کے گھروں میں گھس کر انکا مال و اسباب لوٹا۔ حاکم اپنے گدھے پر سوار ہو کر اُدھر آیا لوگوں نے حبشی فوج سے نجات دلانے کی التجا کی۔ مگر حاکم نے ایک نہ سنی۔[۱] دروزیہ کی مفصل تاریخ آگے بیان کی جائے گی۔[۲]

حاکم کے خدائی دعوے سے متعلق ایک روایت

ایک روز حاکم کے سامنے حاضرین سے کسی نے کلام مجید کی

---

[۱] ۔ یہ اس عربی عبارت کا ترجمہ ہے جسے "ووسٹن فیلٹ" نے اپنی کتاب "تاریخ خلافت فاطمیہ" میں نقل کیا ہے۔ Wustenfeld, pp. 202, 216

[۲] ۔ فصل (۳۱)

یہ آیت پڑھی "فلا وربک لا یؤمنون حتیٰ یحکموک فیما شجر بینہم ثم لا یجدوا فی انفسہم حرجاً مما قضیت ویسلموا تسلیماً۔[1] اس کے قاری اثنائے قرأت میں حاکم کی طرف اشارہ بھی کرتا جاتا تھا۔ اس کے بعد ہی ایک نیک سیرت ابن المشجر نامی نے یہ آیت پڑھی " ایھا الناس ضرب مثل فاستمعوا لہ ان الذین تدعون من دون اللہ لن یخلقوا ذباباً ولو اجتمعوا لہ وان یسلبہم الذباب شیئاً لا یستنقذوہ منہ ضعف الطالب والمطلوب ماقدروا اللہ حق قدرہٖ ان اللہ لقوی عزیز۔[2] یہ سننا تھا کہ حاکم کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ مگر اس نے ابن المشجر کو سو دینار دیے اور پہلے قاری کو کچھ نہ دیا۔ ابن مشجر کے بعض دوستوں نے اسے یہ رائے دی کہ وہ مصر سے چلا جائے۔ کیونکہ حاکم متلون مزاج ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ کبھی نہ کبھی انتقام لے۔ ابن مشجر حج کے لیے مکہ معظمہ چلا گیا۔[3]

حاکم کا مفقود ہو جانا

حاکم اکثر گدھے پر سوار ہو کر قاہرہ کے باہر جبل المقطم کی طرف تنہا گھوما کرتا تھا۔ ۲۷ شوال دوشنبہ کو رات کے وقت اپنے محل سے نکلا اور تمام رات بھر گھومتا رہا۔ فقاعی کی قبر کے قریب صبح ہوئی۔ اس کے ساتھ دو خدمتگار بھی تھے۔ بعد ازیں اس نے اُن دونوں کو واپس بھیج دیا اور خود تنہا حلوان کے شرقی حصے کی طرف روانہ ہوا۔ جب اس کی واپسی میں بہت دیر لگی تو لوگ اسے ڈھونڈنے نکلے۔ پنجشنبہ تک تلاش جاری رہی۔ مگر کسی کو کامیابی نہ ہوئی۔ پھر اس کے چند خاص خدمتگار اور کتامی اصحاب نکلے یہ لوگ دیر القصیر اور موضع حلوان

---

[1] ۔ القرآن $\frac{4}{68}$
[2] ۔ قرآن مجید $\frac{22}{73}$
[3] ۔ ابن خلکان $\frac{2}{127}$ بحوالۂ سلفی متوفی ۵۷۶ھ جو خلیفہ ظاہر کے زمانے میں اسکندریہ کے مدرسے کا صدر تھا۔ (ابن خلکان $\frac{1}{31}$)
[4] De Slane 3|453

پہنچ کر جبل مقطم میں داخل ہوئے۔ دیکھتے کیا ہیں کہ اس کا گدھا جس پر وہ سوار ہو کر نکلا تھا جبل مذکور کی ایک چوٹی پر مردہ پڑا ہے۔ اس کے سامنے کے دونوں پاؤں تلوار سے کٹے ہوئے ہیں۔ اس پر زین اور لگام بھی ہے۔ یہ لوگ گدھے کے پاؤں اور دوسرے آدمیوں کے نشانات کا سراغ لگاتے ہوئے آگے بڑھے۔ یہاں تک کہ اس غار کے پاس پہنچے جو حلوان کے شرقی جانب تھا۔ ان میں سے ایک آدمی غار میں اترا۔ اسے حاکم کا صرف قمیص ملا۔ قمیص میں بوتام لگے تھے اور اس میں خنجر کے نشانات تھے۔ یہ قمیص قصر میں پہنچا دیا گیا۔ اب حاکم کے قتل میں کوئی شک نہ رہا۔ پھر بھی کچھ لوگ جو اس کی محبت میں غلو کرتے ہیں اس کے قتل کی خبر کو سچ نہیں مانتے۔ ان کے خیال میں وہ زندہ ہے اور ایک نہ ایک دن ضرور ظاہر ہوگا۔ وہ حاکم کی غیبت کی قسم کھاتے ہیں[1]۔ فرقہ دروزیہ کا بھی جس کا بیان آئندہ آئے گا یہی اعتقاد ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ دنیا حاکم کی پاک ہدایت کے لیے موزوں جگہ ثابت نہ ہوئی اس لیے اس نے "ستر"[2] اختیار کیا ہے یعنی ہماری نظروں سے پوشیدہ ہو گیا ہے وہ اس وقت ظاہر ہوگا جب کہ دنیا اس کی ہدایت کے لیے تیار ہو جائے گی۔

اس واقعہ کے چار سال بعد قبیلۂ بنی حسین کا ایک آدمی صعید اعلیٰ میں ظاہر ہوا جس نے یہ اقرار کیا کہ میں نے حاکم کو قتل کیا ہے۔ میرے ساتھ اور چار آدمی تھے جو مختلف شہروں میں اسی ارادے سے منتشر ہو گئے تھے۔ اس شخص نے اپنی شہادت میں حاکم کے سر کی جلد کا ایک حصہ اور اس کی لنگی کا ایک ٹکڑا پیش کیا۔ حاضرین نے اس سے پوچھا کہ تو نے حاکم کو کیوں قتل کیا اس نے جواب دیا "خدا اور اسلام کی غیرت کے لیے"۔ پھر اس سے پوچھا گیا کہ اس کو

---

[1] ابن خلکان [illegible]۔ [2] رسائل دروزیہ (یورپ کے اکثر کتب خانوں میں یہ رسائل پائے جاتے ہیں۔ کتب خانہ آصفیہ میں بھی چند رسالے ہیں)

کس طرح قتل کیا۔ جواب میں اس نے ایک خنجر نکالا اور اسے اپنے سینے میں بھونک کر کہا کہ "اس طرح میں نے اسے قتل کیا" پھر اس کا سر کاٹا گیا اور ان چیزوں کے ساتھ جو اس کے پاس سے برآمد ہوئیں خلیفۂ ظاہر کی حضرت میں بھیجا گیا۔ حاکم کے قتل کی یہی خبر صحیح ہے نہ یہ کہ حاکم کی بہن نے اسے قتل کروایا۔ جس طرح مشارقہ بیان کرتے ہیں۔[1]

حاکم کی ایک بڑی بہن جس کا لقب "ست الملک" تھا بڑی با اثر عورت تھی جیسا کہ آگے معلوم ہوگا۔[2] یہ اپنے بھائی کی بری حرکتوں سے ناراض تھی۔ اکثر اسے سمجھاتی اور کہتی بھیا مجھے یہ ڈر ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ گھرانہ تمھاری وجہ سے برباد ہو جائے۔" حاکم اسے قتل کی دھمکی دیتا اور اس پر بدعصمتی کا الزام لگاتا۔ اس لیے اس نے امیر کتامی حسین بن دواس سیف الدولہ کے ذریعے[3] اپنے بھائی کو قتل کرا کے اس کی لاش کو خفیہ طور پر اپنے محل میں دفن کرا دیا۔

حاکم کے قتل کے متعلق ایک عجیب و غریب روایت

ماہِ شوال ۴۰۹ھ میں حاکم اپنی عادت کے مطابق اپنے گھر سے قاہرہ کی طرف روانہ ہوا۔ جب اُن چھوٹے تالابوں کے قریب پہنچا جو خلیج سے متصل ہیں تو اسے بھیس بدلے ہوئے دو سوار ملے۔ ایک نے اسے تیر سے زخمی کیا اور ایسا بھاگا کہ گرفتار نہ ہو سکا۔ حاکم اپنے محل کو واپس ہوا اور دوسرے دن زخم کی تکلیف سے مر گیا۔ ولی عہد (ظاہر) نے قاضی القضاۃ کے ساتھ جنازے کی نماز پڑھی اور اسے دفن کیا۔[4]

بار ہیبرؤس Bar Habraeus کہتا ہے کہ مصر میں ایک

۱۔ مقریزی $\frac{۲}{۴}$۔

۲۔ فصل ۱۷ (ظاہر کی بیعت وغیرہ)

۳۔ ابن تغری بردی $\frac{۲}{۱۸۵-۱۹۰}$ ۔

۴۔ ابن الصیرفی ۸۱ - ۸۲ -

عام خیال یہ پھیل گیا تھا کہ حاکم موضع اسکیٹس (Sketis) میں ایک راہب کے بھیس میں پایا گیا۔ سویرس (Severus) کہتا ہے کہ سولہ سال تک حاکم کی واپسی کی برابر افواہ پھیلی رہی۔ ایک نووارد نصرانی شیرُدت نامی (Sherut) اپنے آپ کو ابوالعرب کہتا اور یہ دعویٰ کرتا تھا کہ میں حاکم ہوں۔ آواز اور شکل میں وہ بہت کچھ حاکم کے مشابہ تھا۔ بہت لوگ اس کے ساتھ ہو گئے۔ ۴۲۷ھ میں یہ مصر ادنیٰ میں رہنے لگا۔ اور بیس سال تک بہت سادہ زندگی بسر کرتا رہا۔ آخر کار حکومتِ فاطمیہ کو اس کی خبر ہوئی اور وہ بھاگ گیا۔ ابوالفدا کہتا ہے کہ ایک مدعی سکین نامی جس نے ۴۳۴ھ میں بغاوت کی گرفتار کیا گیا اور اسے سولی دی گئی۔ دساسی De Sacy کا خیال ہے کہ یہ آدمی شیروط (Sherut) ہی ہے جس کا ذکر سویرس نے کیا ہے نہایت تعجب ہے کہ ان مدعیوں میں سے ہر ایک مدعی کے ساتھ بہت سے لوگ ہو گئے گویا حاکم مصر کے خلفا میں سب سے زیادہ ہر دل عزیز خلیفہ تھا۔[1]

بہت ممکن ہے کہ حاکم کو کسی نے قتل کر دیا ہو۔ مگر اس مقام پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ پچیس سال کی حکومت کے بعد کیوں اس پر حملہ کیا گیا۔ حالانکہ اس کے مظالم اس سے بہت پہلے شروع ہو چکے تھے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ "اس کی خوئے خونخواری اور ایک طرح کے مخفی رعب نے اسے قتل کے خطروں سے بچایا تقریباً پچیس سال (حقیقت میں پندرہ سال[2]) تک اس پر حملہ کرنے کی

---

[1] O'Leary, p. 188

[2] کیونکہ حاکم جب امام ہوا اس کی عمر گیارہ سال کی تھی۔ تقریباً بیس سال کی عمر سے اس کے مظالم شروع ہوئے ہوں گے۔ کئی سال تک وہ برجوان کی نگرانی میں رہا۔ نصاریٰ اور اہلِ سنت پر سختیاں خلافت کے دس سال بعد ہوئیں۔

ہمت نہ ہوئی۔ یہ بات سچ ہے کہ اس کے پاس ہمیشہ خفیہ پولیس رہتی تھی[1] جن میں جاسوس عورتیں بھی تھیں جو بہت مستعدی سے اپنا کام کرتی تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ حاکم کے عجیب وضع کے چہرے اور اس کی بھیانک نیلی آنکھوں کو دیکھ کر لوگ ڈر جاتے تھے۔ اس کی بلند آواز ان کو لرزا دیتی تھی۔ مگر اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ وہ بلند ہمت تھا۔ اکثر تنہا اور کبھی ایک یا دو خدمتگاروں کے ساتھ گدھے پر سوار ہو کر لوگوں سے بھری ہوئی مصر کی گلیوں اور شہر کے باہر جنگلوں میں گھوما کرتا تھا[2]۔

کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ خود حاکم کے دروزی داعیوں نے اپنی تحریک کو قوی بنانے کے لیے حاکم کو چھپایا ہی نہیں بلکہ اسے قتل بھی کر دیا ہو تاکہ ان کے ماننے والوں کا یہ اعتقاد کہ حاکم خدا ہے اور خدا غائب ہو جاتا ہے اور مستحکم ہو جائے۔ خصوصاً حمزہ اور اس کے پیروؤں سے ایسی حرکت کا سرزد ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں کیونکہ انھوں نے کئی بے گناہوں کا خون کیا ہے[3]۔

حاکم کی سیرت

تمام فاطمیین مصر میں حاکم کی سیرت نہایت عجیب و غریب نظر آتی ہے۔ اس کے متعلق یہاں چند مشہور مورخوں کے اقوال نقل کرنا بے محل نہ ہوگا مقریزی کہتا ہے کہ "وہ حاکم مال میں سخی اور خونریزی میں بڑا خونریز تھا۔ اس نے بہت سوں کو قتل کیا۔ اس کی سیرت عجیب ترین سیرت ہے۔ وہ علوم اوائل کے مطالعے میں مشغول رہتا تھا۔ اسے علم نجوم کا بہت شوق تھا۔ اس نے جبل مقطم پر ایک رصد گاہ بنوائی تھی اور اس کے قریب ایک محل بھی بنایا تھا جس میں وہ لوگوں سے الگ ہو کر زندگی گذارتا تھا۔

---

[1] ۔ ابن ایاس ۵۶ ۔

[2] ۔ Lane-Poole. p. 131.

[3] ۔ عبداللہ عنان ۱۶۹ ۔

اس کے دماغ میں ایک طرح کی خشکی تھی جس کی وجہ سے اُس کے اقوال و اعمال مطابقت سے خالی تھے۔ کسی نے اس کے متعلق کیا اچھی بات کہی ہے :۔ "نہ اس کے اقوال و اعمال میں کوئی علت پائی جاتی ہے اور نہ اس کے وسوسوں کی کوئی تاویل کی جا سکتی ہے۔"[1]

ابن خلدون کہتا ہے کہ "حاکم کی حالت جور و عدل۔ خوف و امن۔ نسک و بدعت کے درمیان مضطرب تھی۔ لیکن اس پر جو کفر کا اور نمازوں کے اسقاط کا الزام لگایا جاتا ہے وہ نہ صحیح ہے۔ اور نہ کوئی عقلمند اس کا قائل ہے۔ اگر حاکم کبھی ایسا حکم دیتا تو وہ فوراً قتل کر دیا جاتا۔ البتہ اس کا رافضی مذہب مشہور ہے۔ اس مذہب میں بھی اسکی حالت یکساں نہ تھی۔ کبھی تو تراویح کی نماز کی اجازت دیتا اور کبھی خود اسے روکتا۔" اس کے بعد مورخ مذکور نے حاکم کا وہ فرمان نقل کیا ہے جسے اس نے تمام اسلامی مذاہب کی آزادی کے متعلق شائع کیا تھا۔[2] اس کا ترجمہ ہم اس سے پہلے نقل کر چکے ہیں۔[3]

اسٹانلی لین پول حاکم کی اصلاحیں بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ "جو لوگ ان احکام کی نافرمانی کرتے انھیں کوڑے لگائے جاتے یا ان کی گردنیں ماری جاتیں یا انھیں ایسے انوکھے طریقوں سے قتل کیا جاتا جن کے ایجاد کرنے میں خلیفہ بڑی دلچسپی لیتا تھا۔ بے شک بہت سے حیرت انگیز قاعدے اصلاحی جوش سے بنے اور جاری ہوئے۔ لیکن یہ جوش ایک مجنون مصلح کا سا تھا۔ قاہرہ کی زندہ دل بیگمات کے لیے ہمیشہ ایک سخت گرفت کی ضرورت رہی ہے۔ لیکن ایک عورت محض اس بنا پر کہ اس کے لیے جوتے نہ بنانے کا حکم حاکم نے دیا ہو گھر سے باہر نکلنے سے کیا رک سکتی ہے؟"[4]

---

[1] ۔ مقریزی $\frac{۴}{۷۴}$ ۔ [2] ۔۔ ابن خلدون $\frac{۴}{۶۰}$

[3] ۔ فصل ۱۶ (احکام مذکورۂ بالا کی منسوخی)

[4] ۔ حاکم نے موچیوں کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ عورتوں کے لیے جوتے نہ بنائیں۔

شراب وغیرہ۔ جوا کھیلنے اور عام تفریحوں کے فضول خرچ جلسوں کی روک ٹوک کرنے میں حاکم پکے مسلمان کی سی طبیعت رکھتا تھا۔ لیکن راتوں کو گھومنے۔ غیر ضروری رکاوٹیں پیدا کرنے اور معمولی معمولی باتوں کے متعلق نہایت سخت قوانین جاری کرنے سے اس کے دماغ کی بے اعتدالی ظاہر ہوتی ہے۔ حاکم کا قصد اپنی روشنی کے موافق ممکن ہے کہ اچھا ہو مگر اس کی روشنی حیرت انگیز منشوری شکل کی تھی[1]۔

یہ مورخ ایک دوسرے مقام پر کہتا ہے کہ "یہ نوعمر خلیفہ جتنا پبلک کے سامنے آنے لگا اتنا ہی اس کا جنون ظاہر ہونے لگا۔ اس کے مظالم نصاریٰ ہی پر محدود نہ تھے بلکہ تمام بنی نوع انسان اس میں شریک تھے۔ اس کے وزیر نصرانی ہوں یا مسلمان بغیر کسی طرفداری کے قتل کیے گئے۔ عہدہ دار مکھیوں کی طرح مار ڈالے گئے۔ بعض کے ہاتھ اُڑا دیے گئے اور بعض کی زبانیں کاٹ ڈالی گئیں۔ بہر حال ہر قسم کا عذاب نازل کیا گیا[2]۔ اس سفاکی کے باوجود حاکم میں ہوشیاری اور تقوے کی بھی جھلک تھی۔ مذہبی اور رفاہ عام کے کاموں سے اس کا عہد خالی نہ تھا۔ اس نے کئی مسجدیں بنوائیں اور شیعی مذہب کو فروغ دینے کے لیے دارالحکمۃ کا افتتاح کیا[3]۔"

حجۃ العراقین باب الابواب احمد حمید الدین کرمانی جو خود قاہرہ میں حاکم کے عہد کا دیکھنے والا تھا اور جو اسمٰعیلیوں کے ہاں بہت بلند پایہ رکنِ دعوت سمجھا جاتا ہے وہ لکھتا ہے کہ "حاکم کے افعال

---

[1] His lights were strangely prismatic (Lane-Poole, p. 126)

[2] ملاحظہ ہو اسی فصل میں "حاکم کے وزیروں۔ قاضیوں وغیرہ کا قتل"

[3] ملاحظہ ہو اسی فصل میں "حاکم کے رفاہ عام کے کام"

تاریک ہیں جو عقول کو پریشان کرتے ہیں۔ یہ افعال دعوت کے لیے عذاب اور امتحان عظیم ہیں۔ اسی کے عہد میں اس فترت کے بعد اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ پورا کرے گا اور یہ ظلمت دور ہو گی اور حق بالکلیہ بیت النبوة کی طرف عود کرے گا۔[1] یہی داعی اپنی ایک دوسری کتاب میں کہتا ہے کہ "حاکم کے قتل کے لیے کئی دفعہ لشکر اور امیروں سے بیعت لی گئی"۔ اس معتبر روایت سے حاکم کے قتل کی تائید ہوتی ہے۔[2]

داعی احمد بن محمد نیسابوری جس نے حاکم کے آخری زمانے میں وفات پائی اپنی کتاب "اثبات الامامة" میں لکھتا ہے کہ امام حاکم کی سنجا مومن اور کافر۔ بر اور فاجر میں فرق نہیں کرتی تھی۔ اس کے افعال خدا کے افعال سے مشابہ ہیں۔ ان میں جو حکمت ہے وہ ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔ امام حاکم کے افعال کو بندوں کے افعال پر قیاس کرنے سے لوگ متحیر اور پریشان ہو گئے۔ امام حاکم اپنی تلوار کے زور سے تمام عالم فتح کرے گا۔[3]

---

[1] رسالة مباسم البشارات فی اثبات امامة الحاکم (تیرہ رسائل۔ فصل ۹) اس پیشین گوئی کے مطابق کوئی واقعہ پیش نہیں آیا۔

[2] کتاب المصابیح فی اثبات الامامة (البرهان السادس من المصباح السابع من المقالة الثانیہ)

[3] اثبات الامامة صفحہ ۱۳۲ - ۱۵۳۔

ابو معد علی الظاہر (لاعزاز دین اللہ)

۴۱۱ - ۴۲۷

ولادت روز چہارشنبہ ۳ ماہ رمضان [1] ۳۹۵ھ — آغازِ حکومت صفر ۴۱۱ھ — وفات شعبان ۴۲۷ھ

ظاہر کی بیعت حاکم نے اپنی غیبت سے پہلے اپنے اکلوتے بیٹے ظاہر پر نص کر کے اُسے اپنا ولیعہد مقرر کر دیا تھا۔ جس روز حاکم غائب ہوا اُسی روز ظاہر نے اپنے خاص خاص پیرودں سے بیعت لی۔ لیکن عوام کو اس کی اطلاع نہیں دی گئی بلکہ حاکم کے غائب ہونے کا بھی اعلان نہیں کیا گیا۔ ان دونوں خبروں کو تقریباً تین ماہ تک راز میں رکھا گیا۔ ماہ صفر ۴۱۲ھ میں یہ خبر شائع کی گئی کہ ۲۷ شوال ۴۱۱ھ کو حاکم غائب ہوا۔ اس کے بعد عوام سے ظاہر کی امامت کی بیعت لی گئی۔ اس وقت اس کی عمر تقریباً سترہ سال کی تھی۔ یہ عیون الاخبار کی روایت ہے [2] مگر دوسری

---

[1] ۱۰ ارشہر رمضان ۳۹۵ھ (ابن خلکان ۱/۳۶۷) [2] عیون الاخبار ۶/۳۱۴

تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حاکم نے اپنی غیبت سے سات سال پہلے یعنی ۴۰۴ھ ہی میں عبدالرحیم بن الیاس بن احمد بن مہدی کو اپنا ولیعہد مقرر کردیا تھا۔ جس کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ اور سکے بھی مسکوک کیے گئے۔ کچھ مدت تک یہی سلطنت کے امور انجام دیتا رہا[۱]۔ لیکن خلافت اسے نہ ملی اور یہ جیسا کہ آگے معلوم ہوگا۔ قید کرلیا گیا۔ حاکم کی غیبت کے بعد پانچ روز تک لشکر کے سرداروں نے حاکم کا انتظار کیا۔ پھر وہ سب اس کی بڑی بہن (ست الملک) کے پاس گئے اور اس سے حاکم کے متعلق پوچھا۔ اُس نے جواب دیا کہ وہ میرے پاس یہ اطلاعی رقعہ آیا ہے کہ ہمارے مولا (یعنی حاکم) پرسوں واپس ہوں گے۔ پھر اس نے قائد سیف الدولہ حسن بن دوّاس الکتامی کے ذریعے لشکر کے سرداروں میں روپیہ تقسیم کیا اور حاکم کے بیٹے علی کو جو ابھی پورا بالغ بھی نہ ہوا تھا عمدہ لباس پہنا کر وزیر ابوالحسن عمار بن محمد کے ساتھ عوام میں بھیجا اور سرداروں سے اس کے نام کی بیعت لی اور اُسے "الظاہر لاعزاز دین اللہ" کا لقب دیا[۲]۔

بہر حال ۲۷ شوال کو حاکم غائب ہوا۔ لوگ اس کے ظہور کی امید اور اس کی تلاش میں تھے۔ جب انھیں اس کی موت کا یقین ہوگیا تو انھوں نے ۱۰ ذی الحجہ ۴۱۱ھ کو اس کے بیٹے ظاہر سے بیعت کی[۳]۔

ولیعہد عبدالرحیم کی گرفتاری اور سیف الدولہ یوسف بن دوّاس الکتامی کا قتل

اس بیعت کی تکمیل کے بعد حاکم کی بہن (ست الملک) نے

---

[۱] (ا) مقریزی (ب) رسائل دروزیہ (ج) British Museum, Cat., p. 140 No. 218 or 1435

[۲] ابن الاثیر ۹/۱۳۲

[۳] المقریزی ۲/۱۶۹ ابن خلکان ۱/۳۶۷ ابن الصیرفی ۸۰

جو سیاسی امور میں ظاہر کی شریک۔ ہا کرتی تھی ولیعہد عبدالرحیم کو طلب کیا۔
جو اس وقت دمشق کا والی تھا تاکہ وہ مصر آکر ظاہر سے بیعت کرے۔
یہ حکم پہنچتے ہی عبدالرحیم نے دمشق میں خودمختاری کا اعلان کر دیا۔
اہل دمشق اس کے ساتھ ہو گئے۔ مگر تھوڑے ہی دنوں میں اس کے
ظلم اور زیادتی اور بے جا محاصل شامیوں پر عائد کرنے سے دمشقی اس
سے بیزار ہو گئے۔ حاکم کی بہن نے اُسے گرفتار کروا کر مصر بلوا لیا۔ یہاں
وہ چند سال تک قید میں رہا اور اسی حالت میں مر گیا۔

عبدالرحیم کی گرفتاری کے بعد حاکم کی بہن نے وزیر سیف الدولہ یوسف
بن دوآس کو بھی دھوکے سے مروا ڈالا۔ طلب کرنے پر جب وہ حاضر
ہوا تو اُسے سنو غلام بطور انعام دیے گئے۔ واپسی پر ابھی وہ راستے ہی
میں تھا کہ حاکم کی بہن نے اس کے پیچھے اپنے غلام نسیم کو چند اور
غلاموں کے ساتھ یہ حکم دے کر دوڑایا کہ وہ یوسف کو قتل کر ڈالیں
کیونکہ وہ حاکم کے قتل میں شریک تھا[1]۔ ان غلاموں نے اس حکم کی
پوری تعمیل کی۔

حاکم کی بہن کا اقتدار اور ظاہر کے وزراء

حاکم کی بہن چار سال زندہ رہی۔
اس عرصے میں پہلا وزیر الحسن عمار
بن محمد (رئیس الرؤساء) ہوا۔ جس کے تحت دیوان انشاء وغیرہ بھی تھے۔
حاکم کی غیبت میں بھی یہی وزارت کا کام انجام دیتا تھا۔ اور اسی نے
ظاہر کی بیعت لوگوں سے لی تھی۔ بیعت کے ایک مہینہ بعد
ربیع الاول ۴۱۲ھ میں یہ قتل کر دیا گیا۔ مگر مورخین نے اس کا کوئی
سبب نہیں بتایا۔ اس کے بعد بدر الدولہ ابوالفتوح موسیٰ بن الحسین
وزیر ہوا۔ یہ بھی ماہ شوال ۴۱۳ھ میں موت کے گھاٹ اتارا گیا۔
اس کے پاس چھ لاکھ بیس ہزار دینار نکلے جن پر حکومت نے قبضہ کر لیا۔

---

[1] فصل ۱۶ (حاکم کا مفقود ہو جانا) ابن خلدون ۴/۶۱ ابن الاثیر ۹/۱۳۲

اس کا قائم مقام شمس الملک مسعود بن طاہر الوزّان ہوا۔ اس کی وزارت بھی تقریباً ایک ہی سال رہی[۱]۔ ۴۱۵ھ میں حاکم کی بہن کا انتقال ہوا۔ اس کے انتقال کے بعد حکومت کی باگ اُن تین سرداروں الشریف الکبیر العجمی الشیخ ابو القاسم۔ علی بن احمد نجیب الدولہ الجرجرائی اور الشیخ العمید محسن بن بادوس کے ہاتھوں میں رہی جنھوں نے اپنی ایک مجلس شوریٰ بنائی[۲]۔ یہ لوگ ہر روز ایک دفعہ معضاد غلام کے ساتھ جسے عزالدولہ کا خطاب دیا گیا تھا ظاہر کے پاس جایا کرتے اور اس کی ملاقات کے بعد سلطنت کے کام انجام دیتے تھے۔ فوجداری کے افسر مظفر شمس الملک۔ محکمہ انشاء کے صدر ابن خیران۔ نقیب بنی طالب۔ داعی الدعاۃ اور قاضی القضاۃ کو تقریباً تین ہفتوں میں ایک دفعہ خلیفہ کے پاس جانے کی اجازت تھی۔ ان کے سوا اور کسی کو یہ قدرت نہ تھی کہ وہ خلیفہ سے ملے۔ وہ خود اپنے خانگی معاملات میں مصروف رہتا اور سیاسی امور میں حصہ نہیں لیتا تھا[۳]۔ مستشرق میاکڈونلڈ حاکم کے ذکر میں لکھتا ہے کہ "یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ خلیفۂ وقت کا ہمیشہ سازشی جماعت کا صدر ہونا ضروری نہ تھا۔ نہ یہ امر لازمی تھا کہ اس نے دعوت کی تعلیم کے تمام مدارج طے کیے ہوں۔ فاطمی حکومت کے پچھلے زمانے میں ہم ایک ایسی قوت کے نمایاں آثار پاتے ہیں جو تخت کے پیچھے تھی اور جس میں ہم خیال کر سکتے ہیں کہ ایسے داعیوں کی اولاد اور شاگرد شامل تھے جو تمام تعلیمی مدارج کی تکمیل کر چکے تھے۔ حاکم کے

---

[۱] ۔ ابن طاہر الوزان کے بعد ابو محمد حسن بن صالح الرود باری اور علی بن احمد الجرجرائی وزیر ہوئے (ابن الصیرفی ۷۸ - ۷۹)۔

[۲] ۔ مقریزی $\frac{۲}{۱۶۸}$

[۳] ۔ مقریزی $\frac{۲}{۱۶۸}$

معاملے میں ایک حد تک ایسی تعلیم کے نتیجے کا سراغ لگانا ممکن ہے۔[1]

مصر میں تین سالہ قحط ۴۱۶ھ سے ۴۱۸ھ تک

حاکم کی بہن کے انتقال کے بعد برابر تین سال تک نیل کی آمدنی میں کمی ہوئی۔ جس کی وجہ سے مصر میں بڑا قحط پڑا۔ روٹی کا ملنا بھی دشوار ہو گیا۔ مویشی کا نشان تک نہ رہا۔ یہاں تک کہ ایک گائے پچاس دینار کو بکنے لگی۔ ملک کے امن و امان میں خلل پڑ گیا۔ لشکریوں نے اپنی تنخواہ کے لیے شور مچایا مگر کوئی ان کی دادرسی نہیں کر سکتا تھا۔ حکومت کے افسروں میں جھگڑا ہو گیا۔ جس میں مجلس شوریٰ کا جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے ایک رکن محسن بن بادوس مارا گیا۔ لوٹ اور غارتگری ایسی عام ہوئی کہ برکۃ الجب سے روانہ ہونے والے حاجی بھی لوٹ لیے گئے۔ خلیفہ نے یہ حالت دیکھ کر قرض کا ایک فنڈ کھولا تاکہ ملک کے مالدار طبقے سے رقم جمع کر کے غریبوں کی مدد کرے۔ مگر سوائے چند اشخاص کے کسی نے اس کا ساتھ نہیں دیا۔ تقریباً ایک ہزار غلام شہر کو لوٹنے اور عہدہ داروں کو مارنے پر آمادہ ہو گئے۔ ان کے ظلم اور سختی سے وزیر ابوالقاسم علی بن احمد جرجرائی[2] کو بھی جو ابو محمد حسن بن صالح رودباری کے بعد وزیر ہوا[3] کچھ عرصے تک محل میں قید رہنا پڑا۔ لیکن غلام معضاد نے کچھ لشکر کو ساتھ لے کر غلاموں کی سرکوبی کی اور ان کے سرگروہوں کو

---

[1] Development of Muslim Theo, Juris, and Constitutional Theory, P. 47
اس کا سبب شاید یہ ہو کہ حاکم اور اس کے بعد کے خلفاء سب کم سن تھے

[2] فصل ۱۸ (مستنصر کا ابتدائی زمانہ) اس کا خطاب نجیب الدولہ تھا۔ جرجرایا ایک شہر تھا جو نہروانِ اسفل کے اعمال (مضافات) میں شامل تھا (معجم البلدان $\frac{۲}{۵۴}$)

[3] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مجلس شوریٰ کے بعد حسن بن صالح رودباری وزیر ہوا۔ اسکے بعد علی ابن احمد جرجرائی کو سنہ ۴۱۸ھ میں وزارت کا عہدہ دیا گیا۔ (مقریزی $\frac{۲}{۱۶۹}$)

قتل کیا۔ اس ہنگامے کے بعد نیل کی آمدنی بڑھنے لگی جس سے قحط دور ہوا اور ملک میں خوش حالی پھیل گئی۔

فرقۂ مالکیہ کے فقیہوں کا مصر سے نکالا جانا ۴۱۶ھ

اس تاریخ کے پڑھنے والوں کو یاد ہوگا کہ سنہ ۴۰۰ھ میں خود حاکم نے فقہ مالکی کی تعلیم کے لیے مصر میں ایک مدرسہ کھولا تھا[1] جو ۴۱۶ھ میں بند کر دیا گیا۔ اس سال خلیفۂ ظاہر نے یہ احکام نافذ کیے کہ تمام مالکی فقہا مصر سے نکال دیے جائیں اور اپنے داعیوں کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو دعائم الاسلام اور مختصر المصنف زبانی یاد کر دائیں۔ زبانی یاد کرنے والوں کے لیے کچھ انعام بھی مقرر کیا گیا۔ ابتدا میں مصری مالکی مذہب پر تھے۔ اس کے بعد شافعی مذہب کا اثر ہوا[2]۔

شام کے کھوئے ہوئے مقبوضات پر پھر بنو فاطمہ کا قبضہ ۴۱۶-۴۲۰ھ

ظاہر کی ابتدائی حکومت میں شام کی سیاسی حالت بہت ابتر ہو گئی تھی۔ عربوں کے سردار صالح بن مرداس نے مرتضی الدولہ[3] سے جو بنو فاطمہ کا والی تھا ۴۱۶ھ میں حلب چھین کر اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا تھا۔ اسکے مقابلے کے لیے ظاہر نے سنہ ۴۲۰ھ میں قیساریہ کے والی انوشتگین دزبری[4] کو جو بہت قابل سپہ سالار تھا شام کی طرف بھیجا۔ انوشتگین نے صالح کو موضع Uqhuwana پر شکست دی اور اسے قتل کر دیا۔

۱۔ فصل ۱۶ (احکام مذکورہ بالا کی منسوخی)۔ ۲۔ مقریزی $\frac{۲}{۱۶۹}$

۳۔ اس کا پورا نام "مرتضی الدولہ بن لؤلؤ الجراحی" ہے یہ ابو الفضائل سعد الدولہ بن سیف الدولۃ الحمدانی کا غلام تھا۔

۴۔ تزبری درست ہے۔ کیونکہ یہ غلام اپنے آقا قائد تزبر بن ادنیم الدیلمی کی طرف منسوب تھا (ذیل ابن تغری بردی $\frac{۴}{۲۵۲}$)

اس کے بعد وہ والی رملۃ حسان بن مفرج کی سرکوبی کے لیے آگے بڑھا۔ جس نے شام کے اکثر شہروں میں بغاوت کا علم بلند کر دیا تھا۔ حسان انوشتگین کا مقابلہ نہ کر سکا اور بھاگ کر رومیوں کے پاس پناہ لی بہر حال انوشتگین کی انتھک کوشش سے شام کے کھوئے ہوئے شہر پھر بنو فاطمہ کے قبضے میں آ گئے۔ خلیفۂ ظاہر کے آخری زمانے میں شام اور فلسطین کے بعض شہروں میں پھر فاطمی حکومت مستحکم ہو گئی۔[۱]

روم (بازنطینیوں) سے بنو فاطمہ کی مصالحت ۴۱۸ھ

جب تحط دور ہو گیا اور ملک کو ایک گونہ اطمینان و سکون حاصل ہوا تو ظاہر نے ۴۱۸ھ میں شہنشاہ روم قسطنطین ہشتم سے صلح کر لی۔ آپس میں یہ شرائط طے پائے کہ بازنطینی ممالک کی ہر مسجد میں بنو فاطمہ کا خطبہ پڑھا جائے اور قسطنطنیہ کی جس مسجد کو رومیوں نے گرا دیا تھا وہ پھر تعمیر کرا دی جائے اس کے معاوضے میں ظاہر نے بیت المقدس کے کنیسہ قمامہ کو بنانے کی اجازت دی جس کو مسلمانوں نے ڈھا دیا تھا۔[۲] جو نصرانی امام حاکم کے زمانے میں مسلمان ہو گئے تھے ان کو بھی یہ اختیار دیا گیا کہ اگر وہ چاہیں تو پھر نصرانیت اختیار کر سکتے ہیں۔ ایسے بہت سے لوگ پھر نصرانی ہو گئے۔

۱۔ مسجد اور قبۂ صخرۃ (بیت المقدس) کی چھتوں کے درمیان لکڑی کے ستونوں پر یہ تاریخی عبارت منقوش ہے:۔ انما یعمر مساجد اللہ من آمن باللہ۔ امر بعمارۃ ہذہ القبۃ مولانا الامام ابو الحسن علی الظاہر لاعزاز دین اللہ ابن الحاکم بامر اللہ امیر المومنین صلوات علیہ وعلی آبائہ الطاہرین الاکرمین علی ید علی بن احمد اتا بد اللہ فی سنہ ۴۱۳ ...... واللہ یدیم العز والتمکین لمولانا امیر المومنین ویملکہ مشارق الارض ومغاربھا وبحمدہ مبادئ الامور وعواقبہا۔

۲۔ مقریزی $\frac{2}{169}$

مغاربہ اور اتراک کے درمیان جھگڑا ۴۲۰ھ

۴۲۰ھ میں مغاربہ اور ترکوں میں ایک بڑا جھگڑا ہوا جس میں طرفین کے آدمی مارے گئے۔

عراق میں دعوت اسمٰعیلیہ کی اشاعت

۴۲۵ھ میں ظاہر نے چند داعی اسمٰعیلی دعوت کی تبلیغ کے لیے عراق کے شہروں میں بھیجے۔ ترکوں کے اختلاف کی وجہ سے ان کو بغداد میں بڑی کامیابی ہوئی۔ بہت سے لوگوں نے ان کی دعوت قبول کی اور اسمٰعیلی ہو گئے[۱]

ظاہر کا انتقال ۴۲۷ھ اور اس کی سیرت

۴۲۷ھ کے صفر میں ظاہر کا وبا سے انتقال ہوا۔ اسکی عمر اس وقت تقریباً ۳۲ سال کی تھی۔ اس کے متعلق مقریزی لکھتا ہے کہ "وہ اکثر اپنا وقت لہو ولعب میں گزارتا۔ سلطنت کے امور میں زیادہ حصہ نہیں لیتا تھا۔ غنا کا اس کو بہت شوق تھا شراب خود بھی پیتا اور لوگوں کو بھی پینے پلانے کی اجازت دیدی تھی۔ کھانے کی جتنی چیزیں حاکم نے حرام قرار دی تھیں وہ سب اس نے حلال کر دیں[۲] نجوم وغیرہ کے متعلق اپنے بزرگوں کے ناجائز دعوے سے پرہیز کرتا تھا۔ خصوصاً ۴۱۳ھ میں جب ایک مصری نے حجر اسود کو توڑنے کی کوشش کی اور ظاہر کو اس کی اطلاع ملی تو اس نے ایک طولانی معذرت نامہ شایع کیا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ "نصیریوں نے ہمارے والد حضرت علیؓ کی شان میں بہت غلو کیا اور نصاریٰ کی طرح جھوٹے دعوے کیے۔ انھی میں سے ایک اور گمراہ فرقہ پیدا ہوا جس نے ہمارے اسلاف کی شان میں غلو کیا اور ناروا باتیں ہم سے منسوب کیں۔ ہم ان سے بالکل بری ہیں اور ہم نے ان کو مصر سے نکال دیا ہے۔

۱۔ مقریزی $\frac{2}{169}$ ۲۔ مقریزی $\frac{2}{169}$

افسوس کہ ان میں سے ایک آدمی بھاگ کر بیت اللہ چلا گیا اور وہاں جا کر حجر اسود کی بے حرمتی کی۔ اس کو اپنے فعل بد کی سزا جلد مل گئی اور وہ مار ڈالا گیا۔ ایسے کافروں کے لیے دنیا میں رسوائی اور آخرت میں عذاب عظیم ہے۔[۱]

ظاہر کو جواہرات کا بہت شوق تھا۔ اس نے بہت سے جواہرات خریدے۔ اپنے غلاموں کے لیے اس نے ایک تعلیم گاہ بنوائی تھی جس میں وہ ان کو فن سپاہ گری کے علاوہ علم کے دوسرے شعبوں کی بھی تعلیم دیتا تھا۔ جنگی پھریروں کے لیے ایک خاص کارخانہ بنام خزانۃ البنود کھولا تھا جس میں تین ہزار کاریگر کام کرتے تھے۔ بادشاہوں سے اس نے مراسلت کی۔ اس کی حکومت افریقیہ۔ مصر۔ شام اور حجاز میں تھی۔ قصر لؤلؤ اسی کے زمانے کی عمارت ہے۔[۲] ابن الاثیر کہتا ہے کہ ظاہر نیک سیرت۔ انصاف پسند شخص تھا۔ اس کی سیاست بھی اچھی تھی۔ لیکن چونکہ وہ عیاش اور آرام طلب تھا اس لیے اس نے ریاست کے امور اپنے وزیر علی بن احمد جرجرائی کے سپرد کر دیے تھے۔ کیونکہ وہ اسے امین سمجھتا تھا۔[۳] ظاہر نے ۴۱۳ھ میں اپنے باپ حاکم کی طرح محمود بن سبکتگین سے مراسلت کی اور اسے اپنا طرفدار بنانے کی کوشش کی لیکن اس میں کوئی کامیابی نہ ہوئی۔ محمود نے خلیفہ عباسی قادر باللہ سے دوستی پیدا کی اور اسے لئی بیش قیمت خلعت بھیجے۔[۴]

۱۔ ابن تغری بردی $\frac{۴}{۲۴۹}$ بحوالۂ ہلال بن الصابی

۲۔ مقریزی $\frac{۲}{۱۶۹}$ یہ محل باب القنطرہ کے قریب تھا۔ یہ ایک سیرگاہ تھی جہاں خلفاء ایام النیل میں اقامت کرتے تھے۔

۳۔ ابن الاثیر $\frac{۹}{۱۸۶}$ وکانت سیرۃ الظاھر جیدۃ (السیوطی $\frac{۲}{۱۴}$) ظاہر عاقل۔ سخی۔ دیندار۔ اور پرہیز گار تھا۔ اس کی طبیعت میں حلم بھی تھا اور تواضع بھی (تغری بردی $\frac{۴}{۲۴۸}$)

۴۔ ابن تغری بردی $\frac{۴}{۲۵۱}$

مستنصر کا قیام ۴۲۷ھ

ظاہر کے انتقال کے بعد اس کے بیٹے مستنصر کو حکومت ملی۔ جس کی عمر اس وقت ۷ رسال دو مہینے کی تھی۔ اس پر اس نے سنہ ۴۲۱ھ ہی میں جب وہ آٹھ مہینے کا تھا نص کر کے اس کو اپنا ولیعہد مقرر کر دیا تھا۔ اس تقریب میں ارباب دولت کو بہت سے خلعت دیے گئے اور عوام میں ایک بڑی رقم تقسیم کی گئی[1]۔ اسی نص کے مطابق اس کے انتقال کے بعد اس کے وزیر جرجرائی نے لوگوں سے مستنصر کی بیعت لی۔ مستنصر کے قمیص کی آستین بارہ گز لانبی تھی جس کو پکڑ کر لوگ بیعت کیا کرتے تھے۔ یہ لڑکا اس حبشی کنیز کے بطن سے تھا جس کو ظاہر نے مصر کے ایک مشہور تاجر ابوسعد ابراہیم سے خریدا تھا۔ یہ اپنے بھائی ابونصر ہارون کے ساتھ جو صرافہ کا کام کیا کرتا تھا مصر میں رہتا تھا۔ یہ دونوں یہودی سہل تستری[3] کے بیٹے تھے۔ انھوں نے حاکم کے زمانے میں بڑی ترقی کی اور مصر کے مالدار تاجروں میں شمار کیے جاتے تھے[2]۔ مستنصر کے خلیفہ ہونے کے بعد اس کی ماں نے اس کا درجہ اور بلند کر دیا۔

مستنصر کی بیعت کی کیفیت

ظاہر کے انتقال کے بعد اس کے وزیر جرجرائی نے تمام امرا کو محل میں جمع کیا اور انھیں ایک پردے کے سامنے بیٹھنے کا حکم دے کر ان سے یہ کہا کہ مولانا ظاہر سخت بیمار ہیں اور اس پردے کے پیچھے سے تمھیں دیکھ رہے ہیں اور تمھاری باتیں سن رہے ہیں۔ انھوں نے اپنے بیٹے مستنصر کو اپنا ولیعہد مقرر کیا ہے

---

[1] مقریزی $\frac{۲}{۱۶۹}$

[2] مقریزی $\frac{۲}{۲۷۰}$

[3] تُستر (شوستر کا معرب) ضلع خوزستان کا بہت بڑا شہر ہے (معجم البلدان $\frac{۱}{۸۴۸}$)

[4] مقریزی $\frac{۲}{۲۷۹}$ (ذکر خزانۃ البنود)

جیسا کہ تم جانتے ہو۔ پس تم اس سے بعیت کرو"۔ جب بعیت ہو چکی تو اس وزیر نے فوج کے افسروں کو تلواریں علم کرنے کا حکم دے کر کہنے لگا کہ امیر المومنین ظاہر کا انتقال ہو چکا ہے۔ پھر اس نے پردہ اٹھایا اور تمام حاضرین نے دوبارہ بعیت کی اور اس کے سامنے زمین بوسی کرکے اس کی آستین کو بوسہ دیا۔[1]

---

[1] - عیون الاخبار $\frac{٦}{٣٣٥}$

ابو تمیم معد المستنصر باللہ ۴۲۷ھ - ۴۸۷ھ

ولادت شنبہ ۱۶ ؍ شہر رمضان ۴۲۰ھ[1] آغاز حکومت شعبان ۴۲۷ھ وفات ۱۸ ؍ ذوالحجہ ۴۸۷ھ

حکومت مستنصر کا امتیاز

مستنصر کی حکومت کو چند باتوں کی وجہ سے جو امتیاز حاصل ہوا وہ دوسرے فاطمیین کو نصیب نہ ہو سکا۔ ان میں سے پہلی بات یہ ہے کہ اس کے نام کا خطبہ خود بغداد اور عراق کے دوسرے شہروں میں ایک سال تک پڑھا گیا۔ دوسری یہ کہ اسی کے زمانے میں اس کے داعی علی بن محمد الصلیحی نے تقریباً تمام یمن فتح کر لیا۔ تیسری یہ کہ اس کی حکومت کا زمانہ فاطمیین اور غیر فاطمیین کل حاکموں کے زمانوں سے زیادہ طولانی رہا یعنی اس نے پورے ساٹھ سال اور چار مہینے حکومت کی۔ چوتھی یہ کہ اس کو بہت کم سنی میں حکومت ملگئی۔ ظاہر کے انتقال کے وقت اس کی عمر صرف سات سال

[1] عیون الاخبار ۶/۳۳۴ نصف شعبان (مقریزی ۲/۱۶۰) سہ شنبہ ۱۳ ؍ جمادی الآخرہ (ابن خلکان ۲/۱۰۲)

کی تھی۔ پانچویں یہ کہ اسی کی خلافت میں بلاد مغرب اور شام بنو فاطمہ کی حکومت سے نکل گئے۔ حجاز میں بھی ان کے نام کا خطبہ موقوف ہوگیا چھٹی یہ کہ اسی کے زمانے میں مصر میں ایسا قحط پڑا جو یوسف کے زمانے سے اس وقت تک نہیں پڑا تھا۔

مستنصر کا ابتدائی عہد اور دو وزیروں ابن الانباری اور صدقہ بن یوسف کا قتل

مستنصر کی کم سنی کے سبب سے حکومت کی باگ اس کے وزیر علی بن احمد جرجرائی ہی کے ہاتھ میں رہی جو عزیز کے آخری زمانے میں بھی وزارت کا کام انجام دیا کرتا تھا۔ اسی نے لوگوں سے مستنصر کی بیعت بھی لی جس کا ذکر ہوچکا ہے۔ اس کی وزارت بہت کامیاب رہی۔ مصر میں خوشحالی اور امن کا زمانہ تھا۔ ۴۲۹ھ میں بنو فاطمہ اور قیصر قسطنطنیہ کے درمیان صلح ہو جانے سے حلب اور شام کے دوسرے شہر محفوظ ہو گئے۔ ۴۳۶ھ میں جرجرائی کے انتقال کے بعد وزارت کا عہدہ حسن بن علی معروف بہ ابن الانباری کو ملا۔ مگر چونکہ اس کے اور مصر کے مشہور یہودی تاجر ابو سعد ابراہیم کے درمیان جس کا ذکر ظاہر کی خلافت میں گزر چکا ہے[1] کچھ جھگڑا ہو گیا۔ اس لیے تاجر مذکور نے مستنصر کی والدہ کے اثر سے اسے معزول کروادیا۔ سیاسی معاملات میں عورت کے بڑھتے ہوئے اقتدار کی حکومت فاطمیہ میں یہ تیسری نظیر ہے[2]۔ اس کے بعد اس تاجر نے اپنی کوشش سے ایک یہودی صدقہ بن یوسف فلاحی کو وزارت دلوادی۔ جس کی وجہ سے یہ وزیر ہمیشہ اس تاجر کے دباؤ میں رہا[3]۔ اور اس کی مرضی کے موافق عمل کرتا رہا۔ ابن الانباری کی معزولی کے بعد بھی ابو سعد ابراہیم نے

---

[1] فصل ۱۷ (مستنصر کا قیام)۔ [2] پہلی نظیر عزیز کی نصرانی بیوی۔ دوسری نظیر حاکم کی سیاسی بہن (فصل ۱۷ حاکم کی بہن کا اقتدار)۔ [3] السیرۃ المویدیہ صفحہ ۶۴۔

اس کا پیچھا نہ چھوڑا۔ اسی تاک میں لگا رہتا تھا کہ اس کو کسی نہ کسی الزام میں گرفتار کرے۔ ہمیشہ مستنصر سے اس کی چغلی کھاتا اور اس کی نسبت ایسی باتیں بیان کرتا جنہیں سن کر مستنصر کو اس پر غصہ آئے۔ آخر یہ اپنی سازش میں کامیاب ہوا۔ ابن الانباری پر اس کے عہدہ وزارت کے متعلق بہت سے الزامات عائد کئے بلکہ خود اسے قید کر کے اس کی تمام جائداد ضبط کرادی اور سنہ ۴۴۰ھ میں اسے قتل کرادیا۔ اس کا قایم مقام صدقہ بھی تاجر مذکور کے دباؤ سے تنگ آگیا۔ اسے بھی اپنی جان کا خوف ہوا۔ اس نے چند ترکی سپاہیوں کے ہاتھوں تاجر مذکور اور اس کے بھائی ابو نصر دونوں کو ایک ہی دن میں مروا ڈالا۔ ان دونوں کے انتقام میں مستنصر کی والدہ نے خود صدقے کا خاتمہ کردیا[1]۔ اس کے بعد ابو البرکات صفی الدین حسین بن محمد بن احمد جرجرائی وزیر مقرر کیا گیا۔ اس نے بہت سے حبشیوں کو فوج میں بھرتی کیا تاکہ ان میں اور ترکوں میں توازن قایم رہے۔ لیکن یہ بھی معزول کردیا گیا۔ اس کا قایم مقام ابو الفضل قاسم بن مسعود ہوا[2]۔ مگر صرف تین مہینے ہی میں اس سے بھی وزارت چھین لی گئی۔ اس کے بعد سنہ ۴۴۲ھ میں یازوری وزیر مقرر کیا گیا جس کی آٹھ سالہ وزارت بہت کامیاب رہی[3]۔ اس کی اصلاحیں ہم آیندہ بیان کریں گے۔

مصر میں ایک نیا فتنہ سنہ ۴۳۴ھ

سنہ ۴۳۴ھ میں مصر میں ایک آدمی ظاہر ہوا۔ جس نے یہ دعوی کیا کہ وہ حاکم بامر اللہ ہے۔ اس کا نام سکون تھا اور حاکم بامر اللہ سے مشابہت رکھتا

۱۔ مقریزی ۲/۲۸۰ (ذکر خزانۃ البنود)۔ ۲۔ یہ شخص وزارت کے عہدہ پر مقرر نہیں کیا گیا۔ اسے صرف "واسطہ" کہتے تھے (مقریزی ۲/۱۲۰)۔ ۳۔ سیوطی کی روایت ہے کہ اس وزیر کو ایک مہینے تک سکے پر خلیفہ کے نام کے ساتھ اپنا نام بھی شریک کرنے کی اجازت ملی لیکن اس کا کوئی تاریخی ثبوت نہیں ہے۔ (S. Lane Poole p.142

تھا۔ جو لوگ حاکم کی رجعت کے قائل تھے وہ اس کے ساتھ حاکم کے محل پر چڑھ آئے۔ محل کے سپاہی پہلے پہل تو اس سے ڈرے۔ مگر آخر میں اس کا دعوے باطل ثابت ہوا اور وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ قتل کر دیا گیا۔[1]

انوشتگین کی حسن سیاست شام اور اس کا افسوسناک انجام ۴۳۳ھ

ظاہر کے زمانے سے ۴۳۳ھ تک انوشتگین شام کا والی رہا۔ اس نے اپنے عدل و انصاف اور حسن سیاست سے بلاد شام کی حالت بہت درست کر دی تھی۔ مستنصر بھی اس کی بہت عزت کرتا تھا۔ کیونکہ یہ ایک ایسا زبردست والی تھا جس کو دوسری اسلامی حکومتوں کے حکمران بھی وقعت کی نظر سے دیکھتے تھے اور روم (بازنطینی) بھی اس سے بہت ڈرتے تھے۔ شاید یہی بات تھی کہ وزیر جرجرائی اس سے جلتا۔ اور اس کو دشمن کی نظر سے دیکھتا تھا۔ ہمیشہ اسی فکر میں لگا رہتا کہ اس کو کسی الزام میں پھانس کر ولایت شام سے معزول کر دے۔ مگر کوئی موقع نہ ملتا۔ اتفاق سے جرجرائی کو یہ خبر ملی کہ انوشتگین کا سکریٹری خود انوشتگین کو بنو فاطمہ سے منحرف بنانا چاہتا ہے اس لیے اس نے انوشتگین کو یہ حکم دیا کہ وہ اپنے سکریٹری کو برطرف کر دے۔ انوشتگین نے اس حکم کو نہ مانا۔ پھر جرجرائی نے انوشتگین کے ساتھیوں کو اس کی مخالفت پر آمادہ کیا۔ بدقسمتی سے انوشتگین کے لشکر کے بعض سپاہی تنخواہیں نہ ملنے کی وجہ سے اس سے پھر گئے۔ غرض کہ ان تمام لوگوں نے مل کر اس کے محل پر چڑھائی کی۔ انوشتگین اپنے چند ساتھیوں کو لے کر بعلبک اور حماۃ کی طرف نکل گیا۔ یہاں کے عاملوں نے اس کو اپنے شہروں میں داخل ہونے

---

[1] ابن الاثیر ۹/۲۱۴۔

سے روکا اور اس کو کوئی پناہ نہ دی۔ اس کے بعد وہ حلب پہنچا اور کچھ عرصے کے بعد یہیں انتقال کر گیا۔ انوشتگین کے دمشق سے بھاگ جانے کے بعد جرجرائی نے ناصر الدولہ حسین بن حمدان کو اس کی جگہ مقرر کیا اور ولایت شام اس کے سپرد کی۔ مگر ناصر الدولہ کی ولایت کامیاب ثابت نہ ہوئی۔ شام کی حالت روز بروز خراب ہوتی گئی۔ عربوں نے بغاوت کر دی۔ حسان بن مفرج طائی نے فلسطین پر چڑھائی کی۔ اور معز الدولہ بن صالح کلابی نے حلب پر حملہ کیا جیسا آیندہ معلوم ہوگا۔[۱]

زوال شام ۴۳۳ھ

صالح بن مدراس کے ۴۲۰ھ میں قتل ہونے کے بعد اس کا لڑکا نصیر بن صالح (شبل الدولہ) انوشتگین کی گرفت سے چھوٹ کر حلب کی طرف بھاگا اور اس پر قبضہ کر لیا ۴۲۹ھ تک ہی اس کا مالک رہا۔[۲] یہ مستنصر کی امامت کا دوسرا سال تھا۔ مستنصر نے انوشتگین کو ایک بڑا لشکر دے کر شبل الدولہ کے مقابلے کے لیے روانہ کیا۔ حماۃ کے قریب لڑائی ہوئی جس میں شبل الدولہ مارا گیا اور اس کا بھائی ثمال ابو علوان (معز الدولہ) بھاگ گیا۔ ماہ رمضان ۴۲۹ھ میں انوشتگین نے صرف حلب پر ہی نہیں بلکہ شام کے تمام شہروں پر سوائے ان شمالی مقامات کے جو روم کے قبضے میں تھے قبضہ کر لیا۔ حران۔ رقہ وغیرہ تمام شہروں میں بنو فاطمہ کا خطبہ پڑھا جانے لگا۔[۳] انوشتگین نے اپنے انتقال تک جو ۴۳۳ھ میں ہوا شام کے تمام شہروں پر بہت ہی عمدگی سے حکومت کی۔ ملک میں بہبودی اور خوش حالی پھیلی۔ اس

---

[۱]۔ ابن الاثیر $\frac{9}{207-209}$ ۔ [۲]۔ فصل ۱۷ (شام کے کھوئے ہوئے مقبوضات پر پھر بنو فاطمہ کا قبضہ)۔ [۳]۔ چونکہ یہ حلب پر قابض ہو گیا تھا اس لیے مستنصر نے اس شہر کی ولایت اسے دی۔ اس نے بہت سے تحفے بھیج کر مستنصر سے صلح کر لی۔ دو سال بعد موقع پا کر انوشتگین نے پھر اس سے مقابلہ کیا۔ [۴]۔ سنہ ۴۳۰ھ میں حران اور رقہ بنو فاطمہ کے قبضے میں آگئے اور ان شہروں میں مستنصر کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ (ابن الاثیر $\frac{9}{193}$)

کے انتقال کے بعد ۴۳۳ھ سے شام میں فاطمیین کی حکومت کو زوال شروع ہوا جب معزالدولہ کو اس کے مرنے کی خبر ملی تو ۴۳۴ھ میں اس نے پھر حلب پر چڑھائی کی۔ ناصر الدولہ بن حمدان جس کو مستنصر نے دمشق کا والی بنا کر بھیجا تھا اس کا مقابلہ نہ کر سکا۔ حلب کو معزالدولہ نے فتح کر لیا۔ مستنصر نے ۴۴۰ھ میں مصر سے ایک لشکر بھیجا مگر حلب فتح نہ ہو سکا دوسرے سال یعنی ۴۴۱ھ پھر تیس ہزار مصری فوج روانہ کی گئی مگر اسے بھی کامیابی نہ ہوئی گو معزالدولہ نے حلب پر قبضہ کر لیا مگر وہاں کے عرب بنی کلاب نے اس کا پیچھا نہ چھوڑا۔ ہمیشہ اسے ستاتے رہے۔ ناچار ہو کر اس نے ۴۴۹ھ میں مستنصر سے صلح کر لی اور حلب اس کے حوالے کر کے اس کے معاوضے میں بیروت۔ عکہ اور جبیل کی ولایت حاصل کر لی۔ اس صلح نامے کی تکمیل کے لیے وہ خود مصر بھی گیا۔ مستنصر نے حلب پر اپنے ایک قائد حسن بن علی بن ملہم (مکین الدولہ) کو والی مقرر کیا جس کی ولایت کامیاب ثابت ہوئی۔ رعایا اس سے بہت خوش تھی۔ مگر بنی کلاب نے معزالدولہ کے بھتیجے محمود کو حلب پر حملہ کرنے کے لیے آمادہ کیا۔ مکین الدولہ کو قلعہ چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔ اس کے بعد حلب پر پھر بنو فاطمہ کا قبضہ نہ ہو سکا۔ اور شام کے دوسرے شہر بھی آہستہ آہستہ ان کی حکومت سے نکلتے چلے گئے۔[1]

زوال بلاد مغرب ۴۳۶ھ تا ۴۴۳ھ

جس طرح مستنصر کے عہد میں بلاد شام فاطمیین کی حکومت سے نکل گئے۔ اسی طرح بلاد مغرب میں بھی ان کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ ۳۶۲ھ میں معز نے مغرب سے اپنی روانگی کے وقت بلکین بن زیری بن مناد (حمیری صنہاجی) کو مغرب کے تمام علاقوں کا والی مقرر کیا تھا۔[2] اس کے بعد اسی کی نسل میں یکے بعد دیگرے تین اور والی منصور۔ بادیس اور معز

---

[1] ابوالفدا $\frac{2}{170}$ ۔ [2] فصل ۱۴ (معز کی روانگی مغرب سے مصر کو)

ہوئے جو بنو فاطمہ کی طرف سے مغرب میں والی مقرر کیے گئے تھے۔ ان کی حکومت کا مرکز مہدیہ تھا۔ یہ لوگ بنو فاطمہ کے نام کا خطبہ پڑھتے تھے اور انہی کا سکہ ان کی ولایت میں چلتا تھا۔ ان میں منصور پہلا والی تھا جس نے خودمختاری کی طرف قدم بڑھایا جیساکہ بیان کیا جا چکا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس کے باپ یوسف کی طاعت بھی خوشامد پر مبنی[1] تھی۔ ۴۰۷ھ میں خلیفہ حاکم نے معز کو شرف الدولہ کے لقب سے سرفراز کیا اور خلعت بھی دیا اسی والی نے بنو فاطمہ کی مخالفت شروع کی۔ عام طور پر افریقیہ میں حنفی مذہب رائج تھا۔ مگر معز بن بادیس نے اس کو موقوف کرکے مالکی مذہب رائج کیا[2]۔ ظاہر نے اپنے زمانے میں مالکی فقیہوں کو مصر سے نکال دینے کے احکام جاری کیے تھے۔ بہت ممکن ہے کہ معز بن بادیس نے ان احکام کی وجہ سے بنو فاطمہ کی مخالفت شروع کی ہو۔ بعض روایتوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ معز بن بادیس اور وزیر یازوری کے درمیان کچھ ایسی ناخوش گوار مراسلت ہوئی جس کے باعث معز فاطمیین سے پھر گیا[3]۔ بہرحال ۴۳۶ھ میں اس نے کھلم کھلا مالکی مذہب کا اعلان کردیا اور ۴۴۰ھ سے قایم (خلیفۂ عباسی) کے نام کا خطبہ پڑھنے لگا[4]۔ اس خلیفہ نے اس کو بلاد مغرب کی ولایت دی۔ مستنصر کو جب یہ خبر معلوم ہوئی تو اس نے مصر سے امین الدولہ حسن بن ملہم کو مغرب روانہ کیا تاکہ وہ وہاں کے شیعہ باشندوں کے قلوب کی تالیف کرے اور ان کو معز کے خلاف ابھارے[5]۔ اس کے بعد اس نے مصر سے بنو ہلال کے عربوں کو ان کی مدد کے لیے بھیجا۔ ان عربوں میں بنو زغبہ اور دوسرا بنو ریاح دو گروہ تھے جو آپس میں ہمیشہ لڑتے جھگڑتے رہتے تھے۔ وزیر یازوری نے ان میں صلح کرادی اور ان کو اس شرط پر مغرب بھیجا کہ جو گروہ جس شہر کو

---

[1]۔ ابن الاثیر ۸/۲۶۳ [2]۔ ابن خلکان ۲/۱۰۴-۱۰۵۔ [3]۔ ابن خلدون ۶/۲۲۔
[4]۔ ابن الاثیر کے مطابق ۴۳۵ھ (۹/۲۱۸)۔ [5]۔ عیون الاخبار ۷/۱۰۶-۱۱۲۔

فتح کرے وہ اس کا مالک بنا دیا جائے۔ ان میں اور معز بن بادیس کے لشکر میں کئی لڑائیاں ہوئیں۔ آخر کار انھوں نے برقہ اور طرابلس فتح کرلیا۔ مگر اور آگے بڑھ نہ سکے۔ معز بن بادیس اگرچہ ناکام ہوا اور اس کے لشکر کے ہزاروں آدمی مارے گئے۔ تاہم مہدیہ میں اس نے اپنی خود مختاری برقرار رکھی[۱]۔ اس کے بعد افریقیہ میں اور دوسری خود مختار ریاستیں قایم ہو گئیں اور تقریباً ۴۴۳ھ میں اس علاقے کے تمام شہر فاطمیین کے قبضے سے نکل گئے۔

زوال صقلیہ

مہدی کے عہد میں صقلیہ فاطمیین کے قبضے میں تھا لیکن چونکہ یہ دار الخلافہ سے بہت دور تھا اس کی حکومت کا انتظام خاطر خواہ نہ ہو سکا۔ یہاں کے والی اکثر موقع پاکر استقلال حاصل کر لیتے تھے۔ چنانچہ معز نے اپنے عہد میں یہاں کے والی کو اس کی نافرمانی کی وجہ سے معزول کرکے افریقیہ بھیج دیا تھا اور اس کی جگہ دوسرے والی کو مقرر کیا تھا۔ مستنصر کے زمانے میں صقلیہ کی حالت بہت ابتر ہو گئی۔ اس کے فرنگی باشندے ہمیشہ مسلمانوں کی حکومت سے نکل جانے کی کوشش میں لگے رہتے تھے۔ بشومی قسمت سے اس وقت مسلمانوں میں دو فریق ہو گئے۔ جن میں سے ایک کا سردار ابن ثمامہ تھا۔ دوسرے فریق کی مدد معز بن بادیس نے فوج سے کی۔ فرنگیوں کے سردار روجر نے اس خانہ جنگی سے خوب فائدہ اٹھایا اور ۴۵۳ھ میں صقلیہ پر قبضہ کرلیا[۲]۔

قاہرہ میں سیاح ناصر خسرو کا ورود ۷ صفر ۴۳۹ھ

مستنصر کی حکومت کے اہم واقعات میں ناصر خسرو کا ورود بھی شامل ہے۔ یہ سیاح اپنے وطن قبادیان[۳] سے روانہ ہو کر ۷ صفر ۴۳۹ھ میں قاہرہ پہنچا[۴]۔ اس نے اپنے سفرنامے میں کئی چشم دید واقعات

۱۔ ابن خلدون ۴/۶۲-۶۳۔ ۲۔ جرجی زیدان ۱/۲۴۴۔ ۳۔ بلخ کے قریب ایک موضع کا نام ہے۔ ۴۔ اس کی تصنیفوں کے لیے ملاحظہ ہو فصل (۲۹)
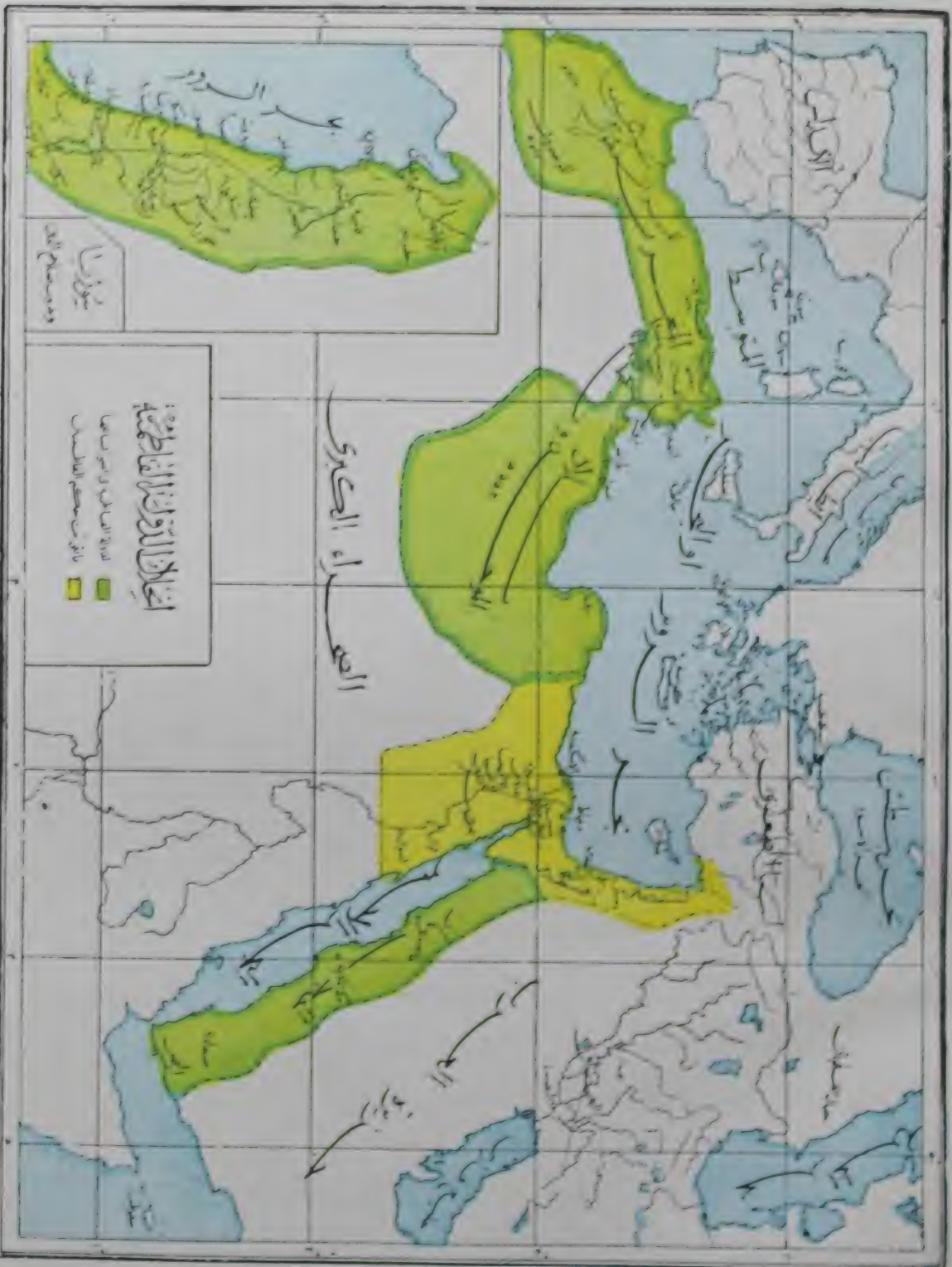
انحلال الدولة الفاطمية
الصحراء الكبرى
بحر الروم
الأندلس
المتوسط

قلمبند کیے ہیں جن سے شہر قاہرہ کی خوشحالی۔ فوج کی تعداد۔ قصر شاہی کی شان و شوکت۔ صنعت و حرفت کی ترقی۔ رعیت کے امن و امان۔ شریعت احکام کی پابندی۔ اور تجارتی معاملات میں راست بازی وغیرہ پر روشنی پڑتی ہے۔ یہ سیاح ایران اور عراق کے شاداب اور مہذب ممالک اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا تھا پھر بھی قاہرہ اور اس کی درباری شان و شوکت کے نظارے نے اسے بہت حیرت زدہ کر دیا۔ آخری حکمران عاضد کے زمانے میں جب فاطمی دولت کا ستارہ ڈوب رہا تھا مغرب کے صلیبیوں پر بھی اسی طرح کی حیرت چھا گئی[1]۔ ذیل کا بیان سفرنامے کے کچھ حصے کا مختصر ترجمہ ہے۔

شہر قاہرہ کی تعریف

"قاہرہ ایک عظیم الشان شہر ہے جس کے پانچ دروازے ہیں (۱) باب النصر (۲) باب الفتوح (۳) باب القنطرہ (۴) باب الزویلہ (۵) باب الخلیج گو شہر کی کوئی فصیل نہیں ہے لیکن اس کے مکانات فصیل سے بھی زیادہ بلند اور مضبوط ہیں۔ کل مکانات کی تعداد تقریباً بیس ہزار ہو گی۔ ان میں سے اکثر پانچ یا چھ منزلہ ہیں جو گچ اور اینٹوں کے بنے ہوئے ہیں۔ اینٹیں اس خوبی سے جوڑی گئی ہیں کہ عمارت گویا ایک مربع پتھر کا ٹکڑا نظر آتی ہے۔ ہر عمارت ایک دوسرے سے علٰحدہ ہے۔ ایک کی دیوار کو دوسرے سے کوئی تعلق نہیں تاکہ مکان کا مالک اپنے پڑوسی کو کسی قسم کا نقصان پہنچائے بغیر آزادی سے اپنی عمارت میں تبدیل و ترمیم کر سکے۔ ان میں عمدہ باغات اور چمن لگے ہوئے ہیں جو کنوؤں اور پن چکیوں سے سیراب کیے جاتے ہیں۔ چار منزلہ معمولی رقبہ کے مکان کا کرایہ ماہانہ (۱۱) دینار ہے جو تقریباً ستر پونڈ سالانہ کے برابر ہے[2]۔ دکانوں کی تعداد بھی تقریباً بیس ہزار ہے۔

۱ھ۔ O' Leary, p.198 فصل ۲۴ (املریک کی عاضد کے محل میں باریابی)

۲ھ۔ Lane - Poole, p.129

ان کا ماہانہ کرایہ دو اور دس دینار کے درمیان ہے۔ شہر میں جتنے مکانات دکانیں اور زمینیں ہیں وہ سب سوائے ان املاک کے جنھیں لوگوں نے خرید لیا ہے خلیفہ کی ملک ہیں[1]۔ ان کا کرایہ ہر ماہ حکومت وصول کرتی ہے جملہ کرایہ کا حساب اگر (۵) دینار جیسے کم اوسط سے بھی لگایا جائے تو ہر سال تقریباً چھ لاکھ پچاس ہزار پونڈ حکومت کو وصول ہوتے ہوں گے[2]۔ میں نے ایک کاروان سرا دیکھی جسے دارالوزیر کہتے ہیں۔ اس کے مہتمم سے دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ اس کا سالانہ کرایہ بیس ہزار دینار (مغربی) تھا۔ لیکن اس کے ایک حصے کے خراب ہو جانے کی وجہ سے اب صرف بارہ ہزار دینار وصول ہوتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اس شہر میں ایسی اور اس سے بڑی بیس ہزار سرائیں ہیں۔ عمارات کی تعداد دس ہزار ہے[3]

مصر (فسطاط) کی حالت

قاہرہ اور مصر (فسطاط) کے درمیان ایک میل کا فاصلہ ہے جس میں باغات اور چمن لگے ہوئے ہیں۔ جب نیل کو طغیانی ہوتی ہے تو یہ قطعہ پانی سے بھر کر ایک چھلکتے ہوئے تالاب کے مانند دکھائی دیتا ہے۔ اسی وجہ سے اسے برکۃ الحبش کہتے ہیں۔ اس کے اطراف کے باغات مصریوں کے لیے ایک بڑی دلچسپ سیر گاہ ہیں۔ مصر کی بنا ایک بلند مقام پر ڈالی گئی ہے تاکہ وہ نیل کی طغیانی سے محفوظ رہے۔ اس شہر میں جو مکانات ہیں ان کی بلندی سات منزلوں سے لے کر چودہ منزلوں تک کی ہے۔ اکثر سرائیں ایسی ہیں جن میں متعدد حجرے ہیں جو کرایہ پر دیے

---

[1] قائد جوہر نے معز کے حکم سے شہر قاہرہ بنایا۔ اس لحاظ سے شہر کے مکانات اور دکانیں سرکاری ملک میں داخل ہوں گی۔ [2] Lane - Poole. p.149

[3] حارہ برجوان ۔ حارہ زویلہ ۔ حارۃ الجودریہ ۔ حارۃ الامرا ۔ حارۃ الدیالمہ ۔ حارۃ الروم ۔ حارۃ الباطلیہ ۔ قصر الشوک ۔ عبید الشری ۔ حارۃ المصامدۃ ۔

جاتے ہیں۔ ان میں سے ہر سرائے کا رقبہ تیس در تیس ارش ہے اور ہر ایک میں تقریباً تین سو آدمیوں کے رہنے کی گنجایش ہے۔ کچھ گلیاں چھت پڑی ہوئی اور اوپر سے ڈھکی ہوئی ہیں۔ ان میں قندیلوں کے ذریعے روشنی کی جاتی ہے۔ مصر میں سات جامع مسجدیں ہیں۔ جامع ابن طولون میں سلطان مصر (یعنی خلیفہ) ماہ رمضان اور جمعہ کی نمازیں ادا کرتا ہے۔ جامع عمرو بن العاص میں قاضی القضاۃ کا محکمہ واقع ہے۔ اس وسیع مسجد میں طلبہ اور مسافروں وغیرہ کی تعداد تقریباً پانچ ہزار سما جاتی ہے۔ قاہرہ میں (۸) جامع مسجدیں ہیں جن میں سب سے بڑی جامع ازہر ہے۔ مصر اور جزیرہ کے درمیان چھتیس کشتیوں کا ایک پل ہے لیکن جزیرہ اور جیزہ کے درمیان کوئی پل نہیں ہے۔ کشتی کے ذریعے لوگ آتے جاتے ہیں۔ قاہرہ اور مصر دونوں شہروں میں تقریباً آٹھ ہزار سرائیں ہیں جو سب خلیفہ کی ملک ہیں۔

مستنصر کا محل (قصر)

۴۴۱ھ کی عید الفطر کی تقریب میں مجھے خلیفہ کے محل میں جانے کا اتفاق ہوا۔ جو شہر قاہرہ کے درمیان واقع ہے۔ اور جس کے دس دروازے ہیں۔[1] جب میں اندر داخل ہوا تو دیکھتا گیا ہوں کہ ایک نہایت بلند مستحکم عمارت ہے جو دور سے ایک پہاڑ معلوم ہوتی ہے۔ اس میں کئی قلعے اور دالان ہیں۔ اس کی وسعت شہر میا فارقین کے برابر ہوگی۔ اس کے اطراف کشادہ میدان ہیں کوئی عمارت اس سے متصل نہیں ہے۔ پانسو پیادہ اور پانسو سوار سب ایک ہزار سپاہی اس کی حفاظت کرتے ہیں اس میں رہنے والوں کی تعداد تیس ہزار (۳۰۰۰۰) ہے جن میں بارہ ہزار (۱۲۰۰۰) خدمتگار ہیں) اس کا ہر قطعہ ایک قصر کہلاتا ہے۔[2]

---

[1] (۱) باب الذہب (۲) باب البحر (۳) باب السریج (۴) باب الزہومۃ (۵) باب السلام (۶) باب الزمرد (۷) باب العید (۸) باب الفتوح (۹) باب الزلاقۃ (۱۰) باب السریہ (ناصر خسرو۔ سفر نامہ ۲۲)

[2] مقریزی نے ان علاحدہ علاحدہ قصروں کی تفصیل بیان کی ہے (مقریزی ج ۲ ص ۲) مناظر خلفا اور سیرگاہوں کے لیے ملاحظہ ہو (مقریزی ج ۲ ص ۲)۔

جس کا رقبہ سو در سو ارش ہے ایسے بارہ قطعے ہیں۔ ایک قطعے میں زمین سے چار گز اونچا خلیفہ کا تخت رکھا ہے جو تین طرف سے سونے کا ہے۔ تخت پر شکارگاہ اور میدان وغیرہ کے نقشے بنے ہوئے اور نہایت خوشخط عبارت لکھی ہوئی ہے۔ اس پر قسطنطنیہ کے ریشمی کپڑے کا فرش ہے ہر جگہ کے لحاظ سے اس کا رنگ علیحدہ ہے۔ دیوار سے متصل تخت کی جانب چاندی کی سیڑھیاں ہیں۔ یہ تخت ایسا بے نظیر ہے کہ اگر اس کی تعریف میں یہ کتاب ختم ہو جائے تو اس کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔

"محل میں زمین کے اندر ایک بڑی لمبی چوڑی گھاٹی بنائی گئی ہے جس میں سے آدمی سوار ہو کر گزر سکتا ہے۔ اس سے باہر نکلنے کا دروازہ محل کے باہر کھلتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک پتھر کی چٹان تراش کر آر پار راستہ نکالا گیا ہے۔ یہ گھاٹی خلیفہ ہی کے لیے مخصوص ہے۔ تاکہ بغیر اس کے کہ کسی انسان کی نظر اس پر پڑے وہ محل سے نکل کر باہر جا سکے۔ محل کا شرقی حصہ قصر کبیر شرقی اور مغربی حصہ قصر کبیر غربی کہلاتا ہے۔ ان دونوں حصوں کے درمیان جو میدان ہے اسے "میدان مابین القصرین" کہتے ہیں۔"

فتح خلیج کے روز مستنصر کی شاندار سواری اور فوج کی تفصیل

عام طور پر دولت فاطمیہ کے زمانے میں فتح خلیج کے روز بڑی عید منائی جاتی تھی۔ خود خلیفہ اس میں شریک ہوتا تھا اتفاقاً ایک سال یہ داعی بھی اس موقع پر قاہرہ میں تھا۔ وہ کہتا ہے کہ "سلطان کی سواری بڑے تزک و احتشام سے نکلی۔ دس ہزار گھوڑے جن کے زرین زین جواہر سے مرصع اور جن پر طرح طرح کے ریشمی نمدے پڑے ہوئے تھے اس کی سلامی کے لیے کھڑے تھے۔ وہ خود حضرت

ہ۔ مقریزی ٢/٢٣٢۔ فاطمیین سوائے ایام مواسم کے بہت کم اپنے محلات سے باہر نکلتے۔ ضرورت کے وقت "سرادیبا" استعمال کرتے تھے۔ لوگ ان کو ایک دفعہ بھی دیکھ لینا باعث برکت سمجھا جاتا تھا۔ (ابن الصیرفی صفحہ ٨٠)

شکار اور رقص و سرود کے منظر ۔
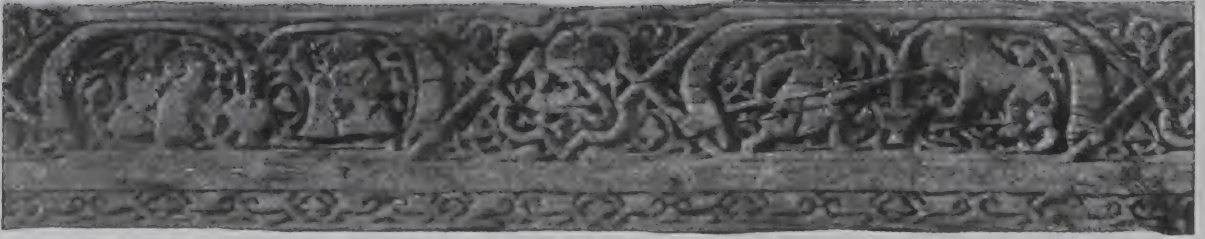
چرند و پرند کے شکار کے منظر اور گانے والوں کی ایک جماعت ۔

امام حسین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خاندان کا ایک خوبصورت نوجوان تھا۔ جس خچر پر وہ سوار تھا اس کا زین نہایت سادہ تھا۔ ایک ایسے دبیقی کپڑے کا ڈھیلا ڈھالا لباس وہ پہنے تھے جس کی قیمت تقریباً ایک ہزار دینار ہوگی۔ تین سو دیلمی سپاہی زربفت رومی کی وردیاں پہنے تمام ہتیاروں سے لیس اس کے سامنے چل رہے تھے۔ ایک بڑا افسر اس پر جواہر دوز چھتر[له] کا سایہ کیے ہوئے تھا۔ دائیں اور بائیں جانب خدمت گار اپنے ہاتھوں میں مجمر لیے ہوئے تھے جن میں عود و عنبر جلایا جاتا تھا۔ جہاں کہیں سلطان کی سواری پہنچتی لوگ اس کے سامنے سجدہ کرتے اور اس پر درود پڑھتے۔ سلطان کے پیچھے قاضی القضاۃ۔ علماء اور عہدہ داروں کا مجمع رہتا تھا۔ نہر نیل پر سلطان نے اپنے ہاتھ سے خلیج کے افتتاح کی رسم ادا کی۔ اس کے بعد لوگوں نے کشتیاں ڈالیں۔ لیکن جو پہلی کشتی ڈالی گئی وہ گونگوں کی تھی۔ اس روز سلطان کی طرف سے انھیں بہت صدقہ دیا گیا۔ یہ طریقہ شاید برکت حاصل کرنے کے لیے اختیار کیا جاتا ہوگا۔" اس موقع پر سیاح مذکور نے فوج کے مختلف گروہوں کی جو تفصیل لکھی ہے وہ حسب ذیل ہے۔

(ا) سوار

(۱) بیس ہزار کتامی بربری جن کے اسلاف معز کے ساتھ مغرب (افریقیہ) سے آئے تھے (۲) پندرہ ہزار باطلی۔ یہ بھی مغرب (افریقیہ) کے باشندے تھے جو سلطان مصر کے آنے سے پہلے مصر میں موجود تھے (۳) پچاس ہزار حجازی بدوی نیزہ بردار (۴) تیس ہزار خرید کردہ غلام سفید و سیاہ فام (نوبی

له۔ اسے مظلہ کہتے تھے۔ یہ چھتر شاندار ہوتا تھا۔ اس میں موتی اور جواہر ٹکے ہوتے تھے۔ اس کی کمانیوں پر سونا چڑھا ہوتا تھا۔ (مقریزی ۲/ ۳۱۷-۳۱۸)

سوڈانی وغیرہ) کل سوار فوج کی تعداد ایک لاکھ پندرہ ہزار تھی۔

(ب) پیدل

(۱) بیس ہزار مصمودی جو سیاہ فام تھے (۲) دس ہزار مشارقہ یعنی شاہی۔ ترکی اور کردی جن میں سے اکثر کی پیدائش مصر کی تھی (۳) تیس ہزار غلام جو خریدے گئے تھے۔ بہت ممکن ہے کہ یہ غلام وسط ایشیا سے لائے گئے ہوں۔ (۴) دس ہزار سرائی (یعنی خلیفہ کی حرم سرا اور دوسری سراؤں کے محافظ) (۵) تیس ہزار زنگی۔ پیدل سپاہ کی کل تعداد ایک لاکھ ہے۔ اس طرح فوج کی کل تعداد دو لاکھ پندرہ ہزار ہے۔ ان سب کی تنخواہیں حکومت دیتی ہے۔

صنعت وحرفت کی ترقی۔ معاملات میں راست بازی اور شرع کی پابندی

"جامع عمرو بن العاص کے شمال میں ایک بازار ہے جسے سوق القنادیل کہتے ہیں۔ ایسا بازار اور اس کے سے بکثرت ہر فصل کے پھول ترکاریاں اور میوے میں نے کہیں نہیں دیکھے۔ تعجب تو مجھے اس بات پر ہوا کہ یہ مختلف فصلوں کی پیداوار وقت واحد میں کیسے فراہم کی جاتی ہو گی۔ دنیا بھر کی عجیب عجیب صنعتیں یہاں دیکھنے میں آئیں۔ سخت بلور میں تراشی ہوئی چیزیں جنھیں کاریگروں نے نہایت عمدگی سے تراشا ہے یہاں بکتی ہیں۔ ہر قسم کے مٹی کے برتن ایسے صاف اور شفاف بنتے ہیں کہ دیکھنے والا ان میں اپنا ہاتھ آر پار دیکھ سکتا ہے۔ ان پر رنگ برنگ کے نقوش بھی کیے جاتے ہیں۔ منوں ہاتھی دانت بازار میں بکتا دیکھا۔ یہ تمام دوسرے شہروں کی نسبت سستی بھی ہیں[1]

---

[1] صنعت وحرفت کی مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو فصل ۱۸ (امام مستنصر کے محل کی لوٹ اور ذیل کا نوٹ)

لکڑی کو محرابی شکل میں تراش کر دونوں بازؤں پر "حلزونی" ستون قائم کیے گئے ہیں۔

مقابل صفحہ (۲۵۵)
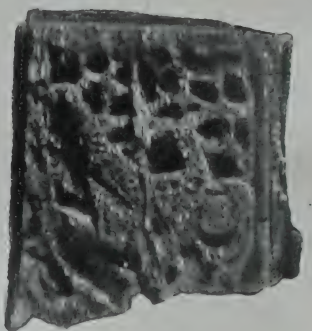
ہاتھی دانت کے ٹکڑے جن پر انسانوں اور حیوانوں کی صورتیں کندہ ہیں اور انہیں بیل بوٹوں سے مزین کیا گیا ہے۔

پروس جامعہ عثمانیہ

بازار والے بہت راست باز ہیں۔ اگر کوئی تاجر خریدار کو دھوکا دے تو اسے اونٹ پر بٹھا کر ایک زنگی کے ساتھ شہر میں پھرایا جاتا ہے۔ وہ یہ کہتا جاتا ہے کہ میں نے برا کام کیا اور برُا کام کرنے والا سزا کا مستحق ہے۔ عوام کی دیانت داری کی یہ حالت ہے کہ جوہری اور صراف اگر کسی ضرورت کے لیے جاتے ہیں تو اپنی دکانیں کھلی چھوڑ جاتے ہیں اور ان کے سامنے صرف ایک رسی لگا دیتے ہیں۔ انھیں اپنے سامان کی حفاظت کا کامل یقین ہے۔ شریعت کے احکام کی سختی سے پابندی کی جاتی ہے۔ شراب اور دوسرے منشیات کی خرید و فروخت بالکل ممنوع ہے۔"

شہر میں امن و اماں

"اہل شہر بہت دولت مند ہیں۔ باوجود اس کے انھیں سلطان کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا اور نہ اسے کسی کے مال کا لالچ ہے۔ یہاں میں نے لوگوں کے پاس ایسی دولت دیکھی کہ اگر اسے بیان کیا جائے تو عجم اسے سچ نہ سمجھیں گے۔ اس کا اندازہ میری قدرت سے باہر ہے۔ یہاں کی سی خوشحالی مجھے کہیں نظر نہیں آئی۔ مصر کے مالدار طبقے میں ایک نصرانی کی دولت۔ املاک اور کشتیوں کا اندازہ کسی طرح سے نہیں کیا جاسکتا۔ ایک سال نہر نیل میں پانی کی کمی ہوئی اور غلہ گراں ہو گیا۔ سلطان کے وزیر نے اس نصرانی سے کہا یہ سال اچھا نہیں۔ سلطان رعایا کی طرف سے بہت متفکر ہے۔ تم قیمت یا قرض پر کتنا غلہ فراہم کر سکتے ہو۔ نصرانی نے کہا سلطان اور اس کے وزیر کی سعادت اور برکت سے میں اتنا غلہ فراہم کر سکتا ہوں کہ جس سے چھ برس تک پورے مصر کو غذا مل سکتی ہے۔ اس وقت مصر کی آبادی کا اگر کم سے کم اندازہ بھی کیا جائے تو شہر نیشاپور سے پانچ گنی ہوگی۔ اعداد و شمار سے واقف افراد سمجھ سکتے ہیں کہ کتنی دولت اس شخص کے پاس ہوگی جو غلے کی اتنی مقدار مہیا کر سکتا ہو۔ اور رعیت کس امن و اماں سے زندگی بسر کرتی ہوگی۔ اور وہ سلطان کیسا عادل ہوگا جس کی حکومت میں ایسی

چیزیں ممکن ہوں۔ باوجود اس کے سلطان نے کسی پر ظلم نہیں کیا۔ نہ اس کی رعیت نے اس سے کوئی چیز چھپائی۔

مصر کی آبادی اور عہدہ داروں اور شاہی خاندان والوں کی تنخواہیں

ناصر خسرو نے مصر کی ٹھیک آبادی نہیں بتائی۔ صرف اتنا لکھا ہے کہ "یہاں میں نے ہر قوم کے لوگ دیکھے۔ مغربی۔ نوبی۔ حبشی۔ ترکی۔ دیلمی اور یمنی۔ یہاں تک کہ خسرو دہلی کے شہزادے بھی یہاں نظر آئے۔ قاہرہ ادیبوں۔ شاعروں اور فقیہوں کا مرکز ہے۔"

"قاضی القضاۃ کی تنخواہ دو ہزار دینار مغربی ماہانہ ہے۔ قصر کے کسی بزرگ زادے کی تنخواہ پانسو دینار سے کم نہیں ہے۔"[1]

وزیر یازوری کی وزارت اور اس کی اصلاحیں ۴۴۲ھ

ابوالفضل قائم بن مسعود کے بعد ۴۴۲ھ میں یازوری[3] (ابو محمد حسن بن عبدالرحمان) کو عہدۂ وزارت ملا۔ اس کی وزارت کا آٹھ سالہ زمانہ بہت خوش حالی اور کامیابی کا ہے۔ یہ ایک معمولی شخص تھا جس کے خاندان کے افراد ملاح تھے۔ ترقی کرتے کرتے پہلے رملہ کا اور اس کے بعد مصر کا قاضی[4] بنا اور پھر وزارت کے عہدہ پر مامور کیا گیا۔ اس کے زمانے میں کسانوں نے غلے کا بھاؤ بہت بڑھا دیا تھا۔ یازوری نے اس کی روک تھام اس طرح کی کہ سرکاری گوداموں کے محفوظ غلے[5] کو بازار کے بھاؤ سے کم نرخ پر بیچنا شروع کیا۔ اس طرز[2] عمل

---

[1] سفرنامہ ۵۸-۵۹-۸۲ ومقریزی (مختلف مقامات پر)۔ [2] فصل ۱۸ (ابتداء عہد مستنصر)۔ [3] ساحل رملہ پر یازور ایک چھوٹا شہر ہے جو اعمال فلسطین میں شامل ہے۔ (معجم البلدان ۴/۱۰۰۲)

[4] قاسم بن عبدالعزیز بن نعمان تقریباً تیرہ سال قاضی رہنے کے بعد معزول کیا گیا۔ اس کی جگہ یازوری کو دی گئی۔ پھر یازوری کو وزارت کا عہدہ دیا گیا۔

[5] سرکاری گوداموں میں تقریباً ایک لاکھ دینار کا غلہ محفوظ رکھا جاتا تھا۔

سے گو سرکاری محاصل بہت گھٹ گئے اور حکومت کو بہت نقصان پہنچا لیکن رعایا کی پریشانی دور ہوئی۔ بدقسمتی سے ۴۴۶ھ میں پھر قحط پڑا۔ مستنصر نے قسطنطنیہ کے قیصرہ تھیوڈرا سے غلہ طلب کیا۔ قیصرہ نے یہ شرط کی کہ دشمن کے حملے کے موقع پر مصری فوج سے ہماری مدد کی جائے۔ مستنصر نے اس شرط کو قبول نہ کیا۔ قیصرہ نے غلہ روک دیا۔ مستنصر نے روم سے لڑنے کے لیے مکین الدولہ حسن بن ملہم کو لاذقیہ روانہ کیا۔[1] افامیہ کے قریب چند معرکے ہوئے۔ رومی کشتیوں نے حسن کو گرفتار کرلیا۔ اس کے بعد مستنصر نے قاضی ابوعبداللہ قضاعی کو دونوں حکومتوں میں صلح کی شرطیں طے کرانے کے لیے قسطنطنیہ بھیجا۔ اتفاق سے اسی موقع پر طغرل بک سلجوقی نے بھی ایک سفیر بھیجا اور قیصر سے یہ خواہش کی کہ جامع قسطنطنیہ میں خلیفۂ عباسی (قائم بامراللہ) کا خطبہ پڑھا جائے۔ رومیوں نے بنو فاطمہ کے مقابلے میں بنو عباس سے صلح کرنا زیادہ مناسب سمجھا اور جامع مذکور میں عباسیوں کا خطبہ پڑھا گیا۔ مستنصر نے قاضی ابوعبداللہ کو یہ احکام بھیجے کہ بیت المقدس کے کنیسۂ قمامہ کا پورا خزانہ ضبط کرلے۔ چنانچہ بہت سا مال ضبط کرلیا گیا۔ اس کے بعد سے بنو فاطمہ اور روم کے تعلقات خراب ہوگئے۔ اور رومیوں نے شام کے اکثر ساحلی شہروں پر جو بنو فاطمہ کے تحت تھے قبضہ کرلیا۔ تھیوڈرا کے غلہ روک دینے سے مصر کو زیادہ نقصان نہیں پہنچا۔ کیونکہ دوسرے ہی سال نیل میں کافی پانی آیا اور قحط دور ہوگیا۔

یازوری کے جدید زرعی احکام اس کا زوال ۴۵۰ھ اور اسکے اسباب

پانی کی قلت نے یازوری کو ایک نیا سبق سکھایا دوسرے سال ۴۴۷ھ میں جب دریائے نیل میں کافی پانی آیا تو اس نے

---

[1] مستنصر نے ناصرالدولہ کو لاذقیہ اور انطاکیہ فتح کرنے کے لیے بھیجا۔ مگر وہ ناکام رہا۔ (جرجی زیدان ۱/۲۲۹)

[2] مقریزی ۲/۱۳۷۔

فلاحین (کاشت کاروں) کے متعلق جدید احکام نافذ کیے۔ اس سے پہلے
تاجر اور سود خوار اناج کی فصل ہی کم قیمت پر خرید لیتے تھے۔ یازوری
نے اس طریقے کو جو کسانوں کے حق میں مضر تھا روک دیا۔ اور حضرت
یوسف کی طرح غلے کی بہت بڑی مقدار فسطاط میں جمع کی تاکہ قحط کے
موقع پر کام آئے ؎۔ لیکن خرابی یہ ہوئی کہ اس طریق عمل نے لوگوں کے
دلوں میں شبہہ پیدا کر دیا کہ یازوری رعیت پر ظلم کر رہا ہے۔ بدقسمتی سے
قبطیوں کے ساتھ اس کا برتاؤ سختی سے خالی نہ تھا۔ چنانچہ اس نے
بطریق کرستودولوس کو ایک شبہہ پر قید کر دیا۔ اور بہت سے بے جا جرمانے
قبطیوں پر عاید کیے۔ علاقہ دمرہ کے اکثر کنیسے بند کرا دیے جن میں سے
بعض تو تباہ کر دیے گئے۔ یہی حکم مصر کے کنیسوں پر بھی جاری کیا گیا۔
کئی بطریق اور اسقف قید کر لیے گئے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یازوری نے
مستنصر کے خلاف عباسیوں سے سازش کی۔ اس بنا پر ۴۵۰ھ میں وہ

؎۔ اسٹانلی لین پول نے اس مقام پر حسب ذیل نوٹ لکھا ہے :۔ "ابن مماتی متوفی
۶۰۶ھ مختلف زمینوں کے محاصل کے حسب ذیل اعداد و شمار بیان کرتا ہے۔ (۱)
گیہوں اور جو کی زمین کی پیداوار تین اردب (مساوی پندرہ بوشل) فی ایکڑ ۵۲۹ھ
تک اور اس کے بعد ڈھائی اردب (۲) باقلی تین سے ساڑھے چار اردب فی ایکڑ (۳)
بٹانہ اور مسور ڈھائی اردب (۴) مختلف اقسام کی السی کے لیے بڑی سے بڑی رقم تین دینار
فی ایکڑ (۵) ولایتی لوسن ایک دینار (۶) لوبین (باقلہ مصری) سوا دینار (۷) خربوزہ اور سفید
بینس تین دینار (۸) کپاس ایک دینار (۹) نے شکر پہلے سال کا پانچ دینار اور سال ۴۹
کا سوا دو دینار (۱۰) اروی پانچ دینار (۱۱) بیگن تین دینار (۱۲) نیل تین دینار (۱۳) انگور اور
میوے کے درخت چھ سال میں تین دینار ـــــ اس فہرست میں دھان یا مکائی یا ذرہ
کا کوئی ذکر نہیں۔ لیکن یہ دعوٰی بھی نہیں کیا گیا ہے کہ یہ فہرست مکمل ہے۔ اس وقت
ربیع کی فصل کی قیمت سات پاونڈ فی ایکڑ اوسط ہے۔" (Lane-Poole, p.143)

گرفتار کر لیا گیا۔ بہر حال اس کی بیجا فراہم کی ہوئی دولت اس کے زوال کا باعث ہوئی۔ وہ ایک لطیف مذاق، تصویروں کا دلدادہ اور علما کا فیاض مربی تھا۔[۵۱]

مستنصر کی کمزور حالت۔ یازوری اور بدر الجمالی کے درمیان وزیروں کے تبادلے

یازوری کے بعد جو زہر سے فوت ہوا وزیروں کے کثرت سے تبادلے ہوئے بدر الجمالی کے مصر پہنچنے تک پندرہ سال میں تقریباً چالیس وزیر مامور اور معزول کیے گئے۔ یہ صرف برائے نام وزیر تھے ان کو کوئی اختیار نہ تھا۔ یہی حال قاضیوں کا تھا جن کی تعداد کو بیالیس ہے[۵۲] بعض وزیروں اور قاضیوں کا دو دو تین تین دفعہ تقرر ہوا۔ پھر ان کو برطرف کر دیا گیا۔ ایسی بار بار تبدیلیوں کا عمل میں آنا خلیفہ کی کمزوری اور دربار اور فوج کی جماعتوں کے باہمی اختلاف کا نتیجہ تھا۔ مستنصر معمولی اشخاص کے ہاتھوں میں پھنس گیا تھا۔[۵۳] یہ لوگ اسے غلط مشورے دیتے اور اس کے تجربے کار افسروں کو اس سے نہ ملنے دیتے اور اسے پریشان کرتے تھے۔ چنانچہ داعی موید شیرازی جیسے دعوت اسماعیلی کے باب الابواب کو نستری جس کا ذکر ہو چکا ہے، تقریباً سوا سو سال تک مستنصر کی ملاقات سے روکتا رہا۔ اس یہودی تاجر کے قتل کے بعد داعی مذکور کو باریابی کا موقع ملا۔ پھر اسے مجبوراً جنگ پر بھیج دیا گیا تاکہ وہ زیادہ مدت تک قاہرہ میں نہ ٹھہر سکے۔[۵۴] اسی طرح داعی ناصر خسرو کو باریابی حاصل کرنے کے لیے ڈیڑھ سال

۵۱۔ Lane-Pool. P.144

۵۲۔ وزیروں اور قاضیوں کی فہرست کے لیے ملاحظہ ہو Wustenfeld. P.253

۵۳ مقریزی ۲/۱۷۱ ۔ ۵۴۔ "السیرۃ المویدیہ" جسے خود موید نے لکھی ہے۔ صفحہ ۷۶ تا ۸۲ - اسی طرح دعوت کے انتظامات میں بھی بڑی کمزوری پیدا ہو گئی تھی۔

انتظار کرنا پڑا[1] روزانہ مستنصر کے پاس تقریباً آٹھ سو درخواستیں شکایتوں کی وصول ہوا کرتی تھیں[2]۔

اب ہم یہاں فتح بغداد اور فتح حجاز و یمن کی کیفیت بیان کرینگے گو یہ فتوحات اس قدر نا پائدار تھیں کہ ان کی کوئی تاریخی اہمیت نہیں ہے۔ اس کے بعد بدر الجمالی کا دور شروع کریں گے جس نے کچھ مدت تک خلافت فاطمیہ کی گرتی ہوئی عمارت کو تھام لیا۔ اگر اس کی جان توڑ کوششیں نہ ہوتیں تو مستنصر ہی خلافت فاطمیہ کا آخری خلیفہ ہوتا۔

حجاز، یمن، اور عراق میں بنو فاطمہ کی حکومت

زوال مغرب اور شام کا اگر بنو فاطمہ کو کچھ بدلا تو حجاز اور یمن میں ملا جہاں داعی علی بن محمد صلیحی نے اسماعیلی دعوت کی اشاعت میں ایسی کامیابی حاصل کی کہ ان شہروں میں ان کے نام کا خطبہ پڑھا جانے لگا اور ان کا سکہ بھی جاری ہوگیا۔ اس کے بعد خود بنو عباس کے دار الخلافت بغداد میں بھی الپ ارسلان بساسیری نے ان کی حکومت قایم کردی۔ مگر عراق کی فتحیابی دیر پا نہ تھی کیونکہ یہاں ان کا خطبہ صرف ایک سال تک پڑھا جاتا رہا البتہ حجاز اور یمن تقریباً بیس[20] سال تک ان کے قبضے میں رہے۔

یمن اور حجاز کی فتح۔ علی بن محمد صلیحی کی کامیابی

ابو القاسم حسن کے بعد جو منصور الیمن کے نام سے مشہور ہے[3]۔ اسماعیلی دعوت کا سلسلہ یمن میں برابر جاری رہا بنو فاطمہ یمن کی دعوت کی حفاظت میں گہری دلچسپی لیتے تھے۔ کیونکہ یہ لوگ یمن کو نہایت مبارک، میموں اور مقدس شہر سمجھتے تھے[4]۔

---

[1] O' Leary, Arabic Thought. P.161　　[2] مقریزی $\frac{2}{181}$ -

[3] فصل ۵ (مہدی کے ظہور کی تیاریاں)

[4] "الدین یمان والحکمۃ یمانیۃ" یہ حدیث اسماعیلیوں کے ہاں بہت صحیح ہے۔

مصر کے خلفا ہمیشہ یمن میں داعیوں کو معین کرتے رہے۔ خلیفہ ظاہر کے زمانے میں سلیمان بن عبداللہ رواحی یمن کا داعی تھا۔ اس کے اور منصور الیمن کی درمیانی مدت میں سات داعی گزرے جو یکے بعد دیگرے خلفائے مصر[1] کی طرف سے مقرر کیے گئے۔ سلیمان تبلیغ میں بہت کامیاب رہا۔ اہل حراز کے اکثر باشندے اس کی دعوت میں داخل ہو گئے۔ ان میں ایک نوجوان علی بن محمد صلیحی بہت ہوشیار اور ذہین تھا۔ زہد و تقویٰ میں بھی یہ سلیمان کے دوسرے شاگردوں پر فوقیت رکھتا تھا۔ سلیمان نے اس کو بہت اچھی تعلیم دی اور کم سنی ہی سے اس کو اپنی طرف مائل کر لیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کے پاس "کتاب الصور" تھی جو "ذخائر قدیمہ" میں شمار کی جاتی تھی۔ اس کتاب میں صلیحی کا حلیہ لکھا ہوا تھا۔ اس نے صلیحی کو پیش آنیوالے واقعات اور اس کی آنے والی کامیابیوں سے بھی واقف کیا۔ یہ تمام باتیں راز میں بتائی گئیں تاکہ اس کے باپ کو خبر نہ ہو آخر کار اس نے صلیحی کو دعوت کے تمام مدارج پر ترقی دے کر اپنے انتقال کے وقت اپنا جانشین بنایا۔ صلیحی کا خاندان بھی بہت شریف تھا۔ چنانچہ اس کا باپ محمد بن علی صلیحی حراز کا قاضی کہلاتا تھا۔[3]

اسماعیلی داعیوں کے دستور کے موافق اس نے پہلے سراۃ اور طائف کے درمیان تقریباً پندرہ سال تک حاجیوں کی رہنمائی کی خدمت اختیار کی۔ اس اثنا میں وہ مختلف شہروں کے لوگوں کو خفیہ طور پر اپنے عقائد کی تبلیغ کرتا رہا اس کے بعد وہ یمن واپس ہوا۔ بہر حال اس نے خلیفہ ظاہر کے زمانے میں بڑی قوت حاصل کر لی۔ جس کے باعث حراز کے بعض باشندے اس کے دشمن ہو گئے۔ ابن ابی جہور والی لہاب

---

[1] عیون الاخبار $\frac{۷}{۱۵۰}$ وفیات الاعیان میں عامر بن عبداللہ الرواحی لکھا ہے (ابن خلکان $\frac{۱}{۳۶۸}$)۔ [2] یمن کا ایک مخلاف (گاؤں) جو زبید کے قریب ہے۔ حراز اصل میں ہمیر کی ایک شاخ ہے۔ [3] اس کا باپ محمد یمن کا قاضی تھا اور اس کا مذہب سنی تھا یمن کے لوگ اس کے بہت

نے اس کے چند تابعین کو قید بھی کر لیا جس میں داعی لمک بن مالک حمادی[1] بھی شامل تھا۔ صلیحی نے جب یہ حالت دیکھی تو اس نے اہل ہوازن اہل لھاب اور بنو قلید کی ایک جماعت تیار کی۔ آہستہ آہستہ ۴۲۹ھ میں اس نے جبل مسار[2] پر قبضہ کر لیا اور اس کے اوپر کے خصے کو آباد کیا۔ مستنصر نے مصر سے مزید فتوحات کی ترغیب دلائی جس سے صلیحی کی ہمت اور بڑھ گئی اس کے اور اس کے مخالفین کے درمیان جن کا سردار جعفر بن عباس زیدی تھا کئی معرکے ہوئے۔ آخری لڑائی میں ابن عباس مارا گیا اور صلیحی کو فتح حاصل ہوئی۔ اس کے بعد جبل شبام بھی عامر بن سلیمان کے ہاتھوں فتح ہو گیا۔ بہرحال ۴۳۹ھ تک اکثر اہل حراز سوائے ابن جہور والی لھاب کے صلیحی کے مطیع ہو گئے۔ صلیحی نے ابن جہور کا مقابلہ کر کے اپنے قیدیوں کو چھڑا لیا اور اس کے قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ جب اس نے دیکھا کہ محاصرہ سے عہدہ برآ ہونا مشکل ہے تو اس نے صلیحی سے صلح کر لی اور اپنا قلعہ اس کے حوالہ کر دیا۔ نجاح والی زبید و تہامہ سے صلیحی نے دوستانہ تعلقات پیدا کیے پھر ۴۵۴ھ میں صنعا کو بھی مسخر کر لیا جس پر ابو حامد بن یحییٰ حکمران تھا۔ اسی طرح یمن اسفل کے تمام شہر اس کے قبضے میں آ گئے۔ چند اہل حجاز بھی اس کے ساتھ ہو گئے۔ جس سے اس کی قوت اور بھی بڑھ گئی۔

جب صلیحی حراز کے تمام پہاڑوں کا مالک ہو گیا تو تہامہ کے والی اس سے ڈرنے لگے۔ اتفاق سے ۴۵۲ھ میں تہامہ اور زبید کے والی نجاح نے موضع کدرا[3] میں وفات پائی[4]۔ بعض روایتوں میں ہے کہ صلیحی نے

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ: مطیع تھے (ابن خلکان $\frac{1}{368}$) [1]۔ فصل ۲۵ (دعاۃ مطلقین)

[2]۔ اس پہاڑ سے صنعا جو بیس گھنٹوں کا راستہ ہے۔ اسی کا پانی اہل صنعا پیتے ہیں (معجم البلدان $\frac{3}{249}$)

[3]۔ کدرا یمن میں ایک موقع ہے جہاں کا چمڑا بہت مشہور ہے۔ [4]۔ داعی ادریس نے نجاح کی موت کا سبب نہیں بیان کیا (عیون الاخبار $\frac{3}{24}$)

ایک خوبصورت لونڈی نجاح کو ہدیۃً دی جس نے اس کو زہر دے کر مار ڈالا[1]
بہرحال نجاح کے انتقال سے صلیحی کو تھامہ کے فتح کرنے میں جو رکاوٹ
تھی وہ دور ہو گئی۔ تھامہ۔ مہجم۔ زبید تینوں شہر صلیحی کے قبضے میں آ گئے۔
صنعا کو اس نے اپنا مستقر بنایا اور اہل یمن کو پوری مذہبی آزادی
دیدی۔ کسی کو اسماعیلی عقائد اختیار کرنے پر مجبور نہ کیا۔ ان دنوں مکہ معظمہ
کا والی شکر نامی بنو حسن سے تھا یہ والی صلیحی کی مخالفت پر آمادہ ہو گیا۔ صلیحی
نے مستنصر سے اس کے مقابلے کی اجازت چاہی مستنصر نے جواب دیا کہ
بیت اللہ کی حرمت ہر حالت میں واجب ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہاں
فتنہ برپا ہو اے صلیحی بنو فاطمہ کی خونریزی سے ڈر۔ جب تو خدا سے
ڈرے تو اس جرم سے بری رہ۔ صلیحی نے اس حکم کی تعمیل کی۔
۴۵۲ھ کے ختم ہونے سے پہلے صلیحی کو یمن کے تمام شہروں پر
قبضہ کرنے میں ایسی شاندار کامیابی ہوئی جس کی نظیر زمانہ جاہلیت میں
ملتی ہے نہ دور اسلام میں[2]۔ اس نے ایک دن جامع جند (یمن) میں خطبہ
پڑھتے ہوئے کہا کہ آج ہی کے دن (یعنی آیندہ جمعہ کو) ہم منبر عدن پر
خطبہ پڑھیں گے۔ کسی نے ہنسی سے "سبوح قدوس" کہہ دیا۔ صلیحی نے
اس کو گرفتار کرنے کا حکم دیا۔ دوسرے جمعہ کو جب صلیحی نے عدن فتح
کر لیا اور اس کی جامع مسجد میں خطبہ پڑھا تو وہی شخص اٹھ کھڑا ہوا۔
اور صلیحی کی مبالغہ آمیز تعریف کر کے اس سے بیعت کی۔ ۴۵۵ھ میں
صنعا پر قابو پانے کے بعد صلیحی نے یمن کے تمام والیوں کو اپنے پاس
بلا لیا اور اپنے ساتھ رکھا تاکہ وہ بغاوت نہ کر سکیں۔ ان کی جگہ قلعوں پر
دوسرے والیوں کو مقرر کیا۔ صنعا میں بہت سے محل بنوائے اور اس کو بہت
آراستہ کیا۔ تھامہ کی ولایت کے متعلق اس نے یہ قسم کھائی کہ یہ ولایت اسی کو دی جائیگی

---

[1] ابن خلدون ۴/۲۱۶ ابن خلکان ۱/۲۶۸ - [2] یہ شہر اعمال زبید میں داخل ہے۔ یہاں سے زبید تین دن کا راستہ ہے۔ (معجم البلدان ۲/۱۹۲)۔ [3] ابن خلکان ۱/۳۶۸ -

جو ایک لاکھ دینار ادا کرے۔ اس کی زوجہ اسما بنت شہاب نے اپنے بھائی اسعد بن شہاب کی طرف سے رقم مذکور فوراً ادا کر دی۔ صلیحی نے اس سے پوچھا "اے ہماری ملکہ یہ رقم آپ کہاں سے لائیں"۔ اس نے جواب دیا "خدا کے پاس سے۔ خدا جس کو چاہتا ہے۔ بے حساب رزق دیتا ہے"[1]۔ یہ سن کر صلیحی مسکرایا کیونکہ اسے معلوم ہو گیا کہ یہ رقم اسی کے خزانے کی ہے۔ اس نے یہ کہا "یہ ہماری ہی پونجی ہم کو واپس کی گئی ہے"۔ پھر اس کی زوجہ نے کہا "اب ہم اپنے اہل و عیال کے لیے رسد لائیں گے اور اپنے بھائی کی حفاظت کریں گے"[2]۔

اسی زمانے میں کچھ عرصے تک مکہ معظمہ میں بنو فاطمہ کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ لیکن صلیحی کے قتل کے بعد موقوف ہو گیا۔

صلیحی کا قتل ۱۲ ذو القعدہ ۴۷۳ھ

۴۷۳ھ میں صلیحی نے خلیفہ مستنصر کے پاس باریاب ہونے کا قصد کیا۔ اس کی اجازت کے لیے اس نے اپنے داعی لمک بن مالک کو مصر بھیجا۔ مگر چونکہ حج کا موسم قریب آگیا تھا اس لیے اجازت حاصل ہونے سے قبل ہی وہ صنعا سے دو ہزار سواروں کو لے کر ماہ ذو القعدہ میں روانہ ہو گیا تاکہ حج کرتا ہوا خلیفہ کے دربار میں پہنچے۔ اس نے یمن کے والیوں کو بھی ساتھ لیا جن کی بغاوت کا اسے خوف تھا۔ صنعا پر اپنے فرزند "ملک مکرم" کو اپنا نائب مقرر کیا۔ وہ دہیم اور ام معبد تک پہنچا ہی تھا کہ خیمہ میں ایک شور مچا کہ صلیحی قتل ہو گیا۔ قافلے والے گھبرائے۔ دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ نجاح (سابق والی تہامہ) جس کو صلیحی نے ایک لونڈی کے ذریعے مروا ڈالا تھا اس کے بیٹے سعید احول

۱۔ انی لک ھذا قالت ھو من عند اللہ۔ ان اللہ یرزق من یشاء بغیر حساب۔ (القرآن ۳/۳۷) ۲۔ ھذہ بضاعتنا ردت الینا۔ ونمیر اھلنا ونحفظ اخانا (القرآن ۱۲/۶۵)

نے صلیحی کو دھوکے سے قتل کر دیا۔[۱] اس کے بعد اس کا بھائی عبد اللہ اور اکثر صلیحی خاندان کے افراد بھی قتل کر دیے گئے۔ پھر سعید اس لشکر کے پانچ ہزار سپاہیوں کو جنھیں صلیحی نے اس کے مقابلے کے لیے روانہ کیا تھا کہلا بھیجا کہ صلیحی قتل ہو گیا ہے۔ میں تمہارا ہی ایک آدمی ہوں میں نے اپنے باپ کا انتقام لیا ہے۔ یہ لوگ سعید کے پاس پہنچے اور اس کی اطاعت قبول کر لی۔ ان کی مدد سے اس نے صلیحی کے لشکر سے جنگ کی اور اس پر غالب آیا۔ پھر صلیحی کا سر اسی چتر پر بلند کیا گیا جس چتر میں وہ اپنی فتح کے جلوس کے وقت نکلا تھا۔ اس کے بعد سعید زبید اور بلاد تہامہ کا حاکم بن گیا۔ تقریباً آٹھ سال اس کی حکومت باقی رہی۔ ۴۸۱ھ میں صلیحی کی بیوی اسما بنت شہاب نے اسے کسی حیلے سے قتل کرا دیا۔[۲]

صلیحی کے قتل کے بعد اس کا لڑکا احمد (ملک کرم) جسے وہ مکہ روانہ ہوتے وقت صنعا میں چھوڑ گیا تھا اس کا جانشین بنا۔ اس کے اور اس کے بعد آنے والے داعیوں کے واقعات فصل (۲۵) میں بیان کیے جائیں گے۔

اب ہم یہاں بغداد کی فتح کے اسباب بیان کرتے ہیں۔

بغداد کی سیاسی حالت ۴۴۷ھ — ۵۰۰ھ

بغداد میں آل بویہ کے بعد جن کی حکومت تقریباً سوا سو سال رہی سلجوقیوں کا دور شروع ہوا ۴۴۷ھ میں طغرل بک سلجوقی نے کافی قوت حاصل کر لی۔ یہ ترک اپنی بے شمار جماعتوں کے ساتھ مشرق سے نکل کر شام اور ارمینیہ پر حملہ آور ہوا۔ اس کے بعد اس

---

[۱] کہا جاتا ہے کہ صلیحی نے یہ پیشین گوئی کی تھی کہ میں دھیم اور ام معبد ہی میں مروں گا۔ لیکن اسے یہ خبر نہ ہوئی کہ وہ اس مقام تک پہنچ گیا ہے۔

[۲] عیون الاخبار ۷/۱۸۲-۱۸۰ ابن خلکان ۱/۲۶۹۔

نے بغداد کی طرف توجہ کی۔ اس زمانے میں بغداد کی حالت بہت خراب ہو گئی تھی۔ خلیفہ کے تمام اختیارات بو یہی حاکموں نے چھین لیے تھے۔ بلکہ اکثر اس کو اپنی جان بچانے کے لیے بغداد چھوڑ کر بھاگنا پڑتا تھا۔ عہدہ دار آپس میں جھگڑتے رہتے تھے۔ بنی بویہ کے دیلمی قائد الپ ارسلان بساسیری نے خلافت عباسیہ کے وزیر ابن سلمہ پر جو رئیس الرؤسا کہلاتا تھا یہ الزام لگایا کہ وہ سلجوقیوں سے ملا ہوا ہے اور طغرل بیگ کو بغداد فتح کرنے کی ترغیب دے رہا ہے تاکہ بغداد میں آل بویہ کی حکومت کا خاتمہ کر دیا جائے۔ وزیر مذکور نے بساسیری کے خلاف یہ خبر پھیلائی کہ وہ شیعہ ہونے کی وجہ سے خلیفۂ مصر سے مراسلت کر رہا ہے اور اس کو خلافت عباسیہ کے تخت و تاج کا مالک بنانا چاہتا ہے۔ اس خبر سے بغداد کی رعایا اس کے خلاف ہو گئی ان لوگوں نے خلیفہ کی اجازت سے اس پر حملہ کیا اور اس کا مال و اسباب لوٹ کر اس کا گھر جلا دیا۔ یہاں تک نوبت پہنچی کہ خلیفہ نے اس کو ملک رحیم کے ذریعہ شہر بدر کروا دیا۔ وہ بغداد سے نکل کر شام چلا گیا اور وہاں کے لوگوں کو مستنصر کی طرف دعوت کرنے لگا۔[۱] اس موقع پر طغرل بک ری (فارس) سے فارغ ہو کر ہمدان کی طرف لوٹ چکا تھا۔ ۴۴۸ھ میں اس نے خلیفہ عباسی کو یہ باور کرایا کہ اس کا ارادہ حج کے راستے سے شام ہو کر مصر کا ہے تاکہ وہ مستنصر کو تخت حکومت سے اتارے۔ مگر حقیقت میں اس کا ارادہ بغداد کی طرف بڑھنے کا تھا۔ کیونکہ اس نے خفیہ طور پر اپنے ان ساتھیوں کو جو دینور[۲] اور حلوان میں تھے غلہ اور چارہ جمع کرنے کا حکم دیا۔ جب یہ خبر بغداد پہنچی تو ترکوں نے بہت شور مچایا۔ اور خلیفہ سے فریاد کی۔ اس اثنا میں طغرل بک حلوان پہنچ گیا۔ اس کے بعد اس نے خلیفہ کو اپنی مصالحت بلکہ اطاعت کا یقین دلاتے ہوئے

---

[۱] - ابن الاثیر ۹/۲۵۳ - [۲] - دینور اور ہمدان کے درمیان تقریباً ۲۰ فرسخ کا فاصلہ ہے (معجم البلدان ۲/۲۱۴)۔

بغداد میں داخل ہونے کی اجازت چاہی۔ گو ترک اور عام رعایا بھی اس سے ناراض تھی۔ تاہم خلیفہ نے بہت خوشی سے اس کو اجازت دے دی بلکہ اس کا نام بھی اپنے نام کے ساتھ روز جمعہ ۲۲ ماہ رمضان ۴۴۷ھ کو خطبے میں شریک کیا۔ بہرحال طغرل بک کچھ اپنی حیلہ سازی اور کچھ وزیر ابن سلمہ کی مدد سے یہ قسم کھاکر کہ وہ صرف خلیفہ ہی کا نہیں بلکہ ملک رحیم کا بھی وفادار رہے گا بغداد میں داخل ہو گیا۔ لیکن موقع پاتے ہی اس نے ملک رحیم کو قید کرکے عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی۔ اس طرح بو یہی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ ان کے زمانے کے اکثر دیلمی سپاہی برطرف کر دیے گئے۔ یہ سپاہی عراق سے نکل کر بساسیری کے ارد گرد جمع ہو گئے جس نے بغداد سے نکال دیے جانے کے بعد شام میں پناہ لی تھی اور وہاں فاطمی دعوت پھیلا رہا تھا۔ آہستہ آہستہ اس نے اتنی قوت حاصل کر لی کہ اس کو شام میں طغرل بک کے ایک فوجی دستے پر حملہ کرنے کی جرأت ہو گئی۔

بساسیری کی مدد کیلئے داعی موید شیرازی کی مصر سے روانگی سنجار کی لڑائی اور موصل میں بنو فاطمہ کا خطبہ

بساسیری کی مدد کے لیے مستنصر نے اپنے داعی موئد شیرازی کو زر کثیر اور تین ہزار سپاہیوں کے ساتھ شام کی طرف روانہ کیا۔ داعی مذکور نے پہلے ثمال بن صالح والی حلب کو کچھ اپنی تبلیغ کے اثر سے اور کچھ مال کی رغبت دلا کر اپنا بنا لیا۔ اس کے بعد وہ والی مذکور اور بنی کلاب کو اپنے ساتھ لے کر رحبہ کی طرف بڑھا۔ جہاں اس نے بساسیری سے ملنے کا وعدہ کیا تھا[1]۔ نور الدولہ دبیس بن مزید بھی ان لوگوں کے ساتھ ہو گیا۔ یہ سب مل کر موصل کے والی قریش بن بدران کے

[1] السیرۃ المؤیدیۃ ۱۲۵ - ۲۰۴ -

مقابلے کے لیے نکلے جس کے ساتھ طغرل بیگ کا چچیرا بھائی قتلمش تھا بمقام سنجار[1] پر گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ قریش بن بدران کو زخمی ہو کر بساسیری کی اطاعت قبول کرنی پڑی۔ غرضکہ موصل میں بنو فاطمہ کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ اس فتح کی خوشخبری مصر بھیجی گئی جہاں سے مستنصر نے فاتحوں کو خلعتوں سے سرفراز کیا۔

جب طغرل کو یہ خبر پہنچی کہ بساسیری روز بروز پیش قدمی کرتا ہوا بغداد کی طرف بڑھ رہا ہے تو وہ ترکوں اور خراسانیوں کا ایک لشکر لے کر موصل روانہ ہوا۔ راستے میں تکریت[2] کو فتح کرتا ہوا نصیبین پہنچا اور وہاں سے ہزار اسب کو قریش۔ دبیس اور اہل حمان سے جنگ کرنے کے لیے بھیجا۔ ہزار اسب نے بعض آدمیوں کو قتل کیا اور بعض کو گرفتار کر لیا۔ یہ حالت دیکھ کر قریش اور دبیس بساسیری سے پھر گئے۔ اور طغرل بیگ کی اطاعت قبول کر لی۔ اس نے ان دونوں والیوں کو اپنے اپنے شہروں کی طرف بھیج دیا۔ ادھر بساسیری پسپا ہو کر رحبہ کی طرف لوٹ گیا۔ ادھر طغرل اپنے بھائی ابراہیم ینال کو سنجار موصل وغیرہ کی ولایت دے کر بغداد کو واپس گیا۔ اس واقعے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ قریش بن بدران اپنی اصلی جگہ موصل سے ہٹ کر پھر بساسیری سے مل گیا۔

بغداد کی فتح ۵۰ھ

بساسیری بغداد فتح کرنے کا موقع ڈھونڈ ہی رہا تھا کہ طغرل بیگ کو اپنے بھائی ابراہیم ینال کے بغاوت کی وجہ سے بغداد چھوڑنا پڑا۔ اس کے اور اس کے بھائی میں ہمیشہ جھگڑا

---

[1] ۔ سنجار "الجزیرہ" کے نواح میں ایک مشہور شہر ہے۔ اس کے اور موصل کے درمیان تین دن کا فاصلہ ہے۔ (معجم البلدان $\frac{3}{158}$)۔

[2] ۔ بغداد اور موصل کے درمیان ایک مشہور شہر ہے جس کا قلعہ نہایت مضبوط ہے۔ یہ بغداد سے تیس فرسخ دور ہے (معجم البلدان $\frac{1}{861}$)

ہوا کرتا مگر وہ درگزر کرتا رہتا تھا اس دفعہ اس نے یہ ارادہ کرلیا کہ اپنے بھائی کو ایسی سزا دے کہ پھر وہ سر نہ اٹھا سکے۔ اس لیے جب اسے یہ خبر ملی کہ اس کا بھائی ابراہیم ینال بغاوت کے ارادے سے موصل سے ہمدان روانہ ہوا ہے تو وہ بھی اس کے پیچھے پیچھے بغداد روانہ ہوا۔ یہ دیکھتے ہی بساسیری نے فوراً بغداد کی طرف توجہ کی۔ اس شہر کی سیاسی حالت پہلے ہی سے بہت خراب تھی۔ طغرل بیک کی حکومت سے جس امن و اماں کی رعایا متوقع تھی وہ انھیں حاصل نہ ہوا کیونکہ طغرل بیک کے ترکی لشکر نے ان پر اپنے ظلم و تشدد کا بہت بڑا اثر ڈالا شیعہ بھلا کیوں طغرل بیک کی حکومت کو پسند کرتے وہ پہلے ہی سے بنو فاطمہ کے داعیوں کے زیر اثر آچکے تھے جو مدت سے بغداد میں شیعی مذہب کی تبلیغ خفیہ طور پر کر رہے تھے۔ سنی بھی اسی وجہ سے اس سے ناخوش تھے[لہ] یہ تمام اسباب ایسے پیدا ہو گئے جن کے زور سے بغداد کی فتح کا دروازہ بآسانی کھل گیا۔ بساسیری قریش بن بدران اور دو سو سپاہیوں کو ساتھ لے کر جامع منصور تک پہنچ گیا اور اس میں مستنصر کے نام کا خطبہ پڑھ دیا۔ دوسرے جمعہ کو جامع رصافہ[کہ] میں یہ عمل ہوا۔ ان دو جمعوں کے درمیان بساسیری اور اہل بغداد میں چند لڑائیاں بھی ہوئیں جو زیادہ اہمیت نہیں رکھتیں۔ خلیفہ قائم نے جب یہ حالت دیکھی تو رئیس الروسا کو ساتھ لے کر اپنے منظرہ پر چڑھا اور امن کی درخواست کی۔ بساسیری نے اس بات پر اصرار کیا کہ رئیس الروسا کو تو وہ ہرگز نہیں چھوڑے گا کیونکہ وہ اس کا جانی دشمن ہے۔ اس نے اس کو اسی وقت قید کرلیا۔ اور بغداد کے بازاروں میں پھرا کر اس کو سولی دے دی۔ البتہ خلیفہ کو بہت ہی عزت کے ساتھ قریش بن بدران کے چچیرے بھائی مہارش کے سپرد کیا

لہ۔ ابن الاثیر $\frac{9}{265}$ ۔ کہ۔ یہ خلیفہ مہدی عباسی کی تعمیر کردہ مسجد ہے۔

تاکہ اس کو اپنی حفاظت میں رکھے۔ خلیفہ کی والدہ کو جس کی عمر تقریباً (۹۰) سال کی ہو چکی تھی ایک خاص محل دیا۔ اور اس کی تنخواہ جاری کر کے اس کی خدمت میں لونڈیاں مقرر کر دیں۔ خلافت سے جتنی چیزیں مخصوص تھیں مثلاً خلیفہ کا تخت۔ عمامہ۔ منبر اور عصیٰ وغیرہ مصر بھیج دیے گئے۔ سب سے بڑا دانشمندانہ کام یہ کیا کہ بغداد میں داخل ہونے کے بعد اہل شہر کو اسماعیلی عقائد اختیار کرنے پر مجبور نہیں کیا۔ اور عہدہ داروں کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا[له] بغداد کے بعد کوفہ اور واسط بھی اس کی حکومت میں داخل ہو گئے۔ ان فتوحات کی خوشخبری مصر بھیجی گئی[ے] مگر وزیر ابن المغربی نے خلیفہ کے سامنے بساسیری کی تحسین نہیں کی بلکہ اس کے خطرناک انجام سے اس کو ڈرایا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ خود وزیر ان لوگوں میں شامل تھا جو بساسیری سے ڈر کر بھاگ گئے تھے۔

ایک سال بعد بغداد میں پھر خلافت عباسیہ کا قیام

عراق کے شہروں میں بنو فاطمہ کا خطبہ (۱۶ ذی قعدہ ۴۵۰ھ سے ۱۶ ذی قعدہ ۴۵۱ھ تک) ایک سال بھر پڑھا جاتا رہا۔ یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ بساسیری

له - ابن الاثیر $\frac{9}{266}$ - ے - ان فتوحات سے متعلق یہ دو شعر دلچسپ ہیں :-

یا بنی العباس ردوا ملک الامر معد

ملککم ملک معار - والعوادی تسترد

یہ شعر ایک طبل بجانے والی عورت گایا کرتی تھی۔ مستنصر نے جب یہ شعر سنے تو خوش ہو کر اس عورت کو کچھ زمین بخشش دے دی۔ یہ زمین ایک زمانے تک "ارض الطبالہ" سے مشہور تھی۔ یہ عورت عیدوں اور خلیفہ کے جلوسوں کے موقعوں پر گایا کرتی تھی۔ اس کے ساتھ اس کا طائفہ بھی ہوتا تھا (مقریزی $\frac{3}{204}$) مستنصر نے خلیفہ عباسی کے لیے مصر میں ایک محل بھی بنوایا جس پر بیس لاکھ دینار صرف کیے گئے لیکن اس کی مراد پوری نہ ہوئی F. Wustenfeld. P. 248 بحوالہ مقریزی $\frac{1}{454}$)

نے جس تاریخ کو بغداد فتح کیا تھا اسی تاریخ کو اسے بغداد سے بھاگنا پڑا اور اس کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ جب طغرل بک اپنے بھائی ینال کی بغاوت کو فرو کرنے میں کامیاب ہوا اور اسے قتل کر ڈالا تو اس نے بغداد کی طرف توجہ کی اور خلافت عباسیہ کو دوبارہ قایم کرنے کی کوشش کی۔ اس نے بساسیری اور قریش بن بدران کو یہ کہلا بھیجا کہ "تم خلیفہ قایم کو اس کے محل میں واپس بھیج دو اور بنو فاطمہ کے خطبے اور سکے پر قناعت کرو۔ میں عراق کو واپس نہیں آتا" بساسیری اس بات پر راضی نہ ہوا اور طغرل بک نے بغداد کا رخ کیا۔ اس کا شہر کے قریب پہنچنا ہی تھا کہ بساسیری اپنے متعلقین کے ساتھ وہاں سے نکل گیا۔ بغداد پہنچکر طغرل بک نے خلیفہ کو جو حدیثہ کے پاس تھا بلوایا اور اس کی ملاقات کا بڑے پیمانے پر انتظام کیا۔ خلیفہ ۲۴ ذی قعدہ کو نہروان پہنچا ادھر سے طغرل بک اس کے استقبال کے لیے روانہ ہوا۔ جب دونوں ملے تو طغرل بک نے خلیفہ کے سامنے زمین بوسی کر کے عذر خواہی کی اور اپنے بھائی کی بغاوت کا حال بیان کیا۔ پھر وہ خلیفہ کے خچر کی لگام پکڑے ہوئے اس کو محل میں لے گیا۔ اور اس سے یہ کہ کر اب میں بساسیری کی خبر لیتا ہوں اس کے پیچھے ایک لشکر لے کر روانہ ہوا لڑائی میں بساسیری کے ساتھی بھاگ گئے اور وہ خود بھی قتل ہوا۔ اس کا سر باب نوبی پر نصب کیا گیا۔ بغداد میں ایک سال بعد پھر خلافت عباسیہ کا دور شروع ہوا بنو فاطمہ کی عراق کی حکومت عارضی تھی۔ اور صرف ایک سال قایم رہ سکی۔

دولت فاطمیہ نے لشکر کی تاریخ

مستنصر کے زمانے میں مصر کی ترکی اور حبشی فوجوں میں بہت خونریز لڑائیاں ہوئیں۔ ان کی کیفیت بیان کرنے سے پہلے دولت فاطمیہ کے لشکر کی تاریخ پر روشنی ڈالنا زیادہ مناسب ہے تاکہ ان لڑائیوں کے اسباب اچھی طرح سمجھ میں آئیں۔

اہل حکومت کی نوعیت کے لحاظ سے دولت فاطمیہ میں تین دور گزرے جس طرح دولت عباسیہ میں۔ دولت عباسیہ کی ابتدا میں حکومت عربوں اور عجمیوں دونوں کے ہاتھوں میں تھی۔ پھر عجمیوں کی حکومت قایم ہوئی اور ان کے بعد ترکوں کی۔ اسی طرح دولت فاطمیین کے شروع میں عرب اور بربر دونوں حکومت میں حصہ لیتے تھے۔ کیونکہ بنو فاطمہ خود عرب تھے اور بربر کی مدد سے ان کی حکومت قایم ہوئی۔ کچھ عرصے کے بعد بربر زیادہ قوی ہو گئے اور ان کے بعد ترک۔

بربر ایک قوی اور طاقتور قوم ہے جو شمالی افریقیہ میں رہتی ہے۔ ان لوگوں نے بلاد مغرب میں شیعوں کی مدد کی جس طرح عجمیوں نے مشرق میں ان کی تائید کی۔ عربی قبیلوں کی طرح ان کے بھی کئی قبیلے ہیں ان کے زیر کرنے میں مسلمانوں کو بڑی سختیاں اٹھانی پڑیں۔ کئی دفعہ یہ لوگ مسلمان ہو کر مرتد ہو گئے اور متعدد مرتبہ انھوں نے مسلمانوں پر حملہ کیا۔ البتہ موسیٰ بن نصیر کے زمانے میں یعنی پہلی صدی ہجری کے اواخر میں ان کا اسلام پختہ ہو گیا۔ جب لوگوں نے بنو امیہ سے ان کے قومی تعصب کی وجہ سے انتقام لیا تو یہ لوگ بھی انتقام لینے والوں کے ساتھ شامل ہو گئے۔ ان کو دولت بنی امیہ کے زوال سے بڑی خوشی ہوئی۔ لیکن پھر جب اندلس میں حکومت بنی امیہ قایم ہوئی تو انھیں رنج ہوا۔ کیونکہ یہ ان کے ہمسایہ تھے۔ اسی لیے انھوں نے بنو فاطمہ کی امداد کی[1] سوائے ان لوگوں کے جنھیں اندلس کے بنی امیہ نے مال و دولت دے کر اپنا بنا لیا تھا۔ بہرحال اس قوم نے اواسط افریقیہ میں اسلام پھیلانے میں بڑا حصہ لیا جس طرح ترکوں نے اواسط ایشیا میں۔

جب مصر میں دولت فاطمیہ قایم ہوئی۔ تو بربر نے اس کی بڑی

---

[1] فصل ۸ (داعی ابو عبداللہ شیعی کی فتوحات اور اس کے اسباب)

مدد کی اور یہی لوگ اس کی پشت و پناہ بنے۔ خاص کر کتامہ، صنہاجہ اور
ہوارہ کے قبیلوں نے اس کے قیام میں بڑے کارہائے نمایاں انجام دیے۔
خلیفہ اول مہدی باللہ نے ان کو اپنا رازداں بنایا اور عہدہ داروں
کو انھی میں سے منتخب کیا۔ اس کے بعد قائم۔ منصور اور معز نے اپنے
زمانوں میں یہی طرز عمل جاری رکھا۔ فوج میں بھی زیادہ تر اسی قوم
کے افراد شریک کیے جاتے تھے۔ جب یہ لوگ جادہ اعتدال سے ہٹنے
پھرے اور ان کی سرکشی اور شرارت اتنی بڑھ گئی کہ یہ خود خلافت کی
بربادی کے درپے ہوئے تو عزیز نے ان کا زور توڑنے کے لیے
عباسیوں کی طرح ترکوں اور دیلمیوں کی ایک فوج تیار کی۔ اب یہ
دونوں بربری اور ترکی فوجیں ایک دوسرے سے جلنے اور آپس میں
لڑنے لگیں۔ حاکم کے زمانے میں ابن عمار کتامی کی وجہ سے بربر کو قوت
حاصل ہوگئی اور ترکوں کا زور گھٹ گیا۔ ترکوں نے برجوان کو سردار
بناکر ابن عمار کو عہدۂ وساطت سے ہٹا دیا۔ برجوان نے ترکوں کو
مقدم کیا اور انھی میں سے قصر شاہی کے کئی ملازموں کو مامور کیا۔ ابن
عمار کتامی کے قتل کے بعد بربر حکومت میں بالکل کمزور ہو گئے اور ان
کی جگہ ترکوں نے لے لی۔ حاکم کے بیٹے ظاہر کا بھی میلان ترکوں ہی
کی طرف تھا۔ جس کی وجہ سے بربر قریب قریب نابود ہونے لگے۔

مستنصر کی ماں چونکہ حبشن تھی اور اس کا میلان حبشیوں کی
طرف زیادہ رہا اس لیے اس نے اپنے اثر سے بہت سے حبشی غلام
فوج میں بھرتی کرائے جن کی تعداد تقریباً پچاس ہزار تک پہنچ گئی۔
اب فوج میں دو فریق ہو گئے ایک ترکی اور دوسرا حبشی۔ ہر فریق
چاہتا تھا کہ دوسرے فریق پر غالب آجائے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ
ترکی اور حبشی فوجیں بجائے اس کے کہ اپنے متفقہ دشمنوں کا مقابلہ
کرتیں آپس میں لڑنے لگیں۔ غرضکہ ان دونوں جماعتوں میں ایسے
زبردست معرکے ظہور میں آئے جو مصر کی تباہی کا سبب بنے۔ مستنصر

کا اقتدار بالکل جاتا رہا اور خزانہ خالی ہو گیا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ اس کو اپنی مدد کے لیے شام سے امیر الجیوش بدر الجمالی کو بلانا پڑا۔ اس وزیر نے مصر میں ایک ارمنی لشکر تیار کیا جس کے بعد بربر کا حکومت میں کوئی اثر نہ رہا اور اب عام رعایا میں ان کا شمار ہونے لگا[1]

مصر کی ترکی اور حبشی فوجوں کی آپس میں لڑائی ۴۵۴-۴۶۰ھ

۴۵۴ھ میں مستنصر اپنے قبیلے اور ساتھیوں کو لے کر جب عمیرہ کی طرف جا رہا تھا جو قاہرہ سے باہر واقع ہے۔ راستے میں ایک ترکی سپاہی نے نشہ میں مستنصر کے ایک حبشی غلام پر تلوار نکالی۔ جسے دیکھ کر بہت سے حبشی جمع ہو گئے اور اس ترکی سپاہی کو قتل کر دیا۔ ترک برافروختہ ہو کر مستنصر کے پاس پہنچے اور اس سے کہا کہ یہ واقعہ اگر آپ کی رضامندی سے ہوا ہے تو خیر۔ ورنہ ہم اپنے آدمی کا بدلہ لیں گے۔ مستنصر نے اس واقعے سے لاعلمی ظاہر کی۔ ترک حبشیوں پر ٹوٹ پڑے۔ فریقین کے درمیان مقام کوم شریک کے قریب کئی زبردست معرکے ہوئے جس میں بہت سے حبشی مارے گئے اور بہت سے بھاگ گئے۔

مستنصر کی والدہ کو یہ واقعہ بہت شاق گزرا کیونکہ اسی نے کثیر تعداد میں حبشیوں کو فراہم کیا تھا۔ سیاسی معاملات میں اس کا اثر اتنا بڑھا کہ اس نے اپنے آقا ابو سعد ابراہیم کو ترکی فوجوں سے بدلہ لینے پر آمادہ کیا اور خود بھی اسلحہ اور مال سے حبشیوں کی خفیہ مدد کرنے لگی۔ اتفاق سے یہ راز ایک ترکی پر ظاہر ہو گیا۔ ترک پھر مستنصر کے پاس پہنچے۔ اس دفعہ بھی اس نے اپنی بےخبری کا عذر کیا۔ آپس میں پھر لڑائی شروع ہوئی۔ مستنصر نے ابوالفرج مغربی کو بھیجا تاکہ وہ دونوں جماعتوں میں صلح کرا دے۔ شرط یہ قرار پائی کہ قاتل ترکوں کے حوالے کر دیا جائے

---

[1] جرجی زیدان ۱/۲۳۲۔

گو ظاہر میں صلح ہو گئی اور حبشی دمہورہ کی طرف نکل گئے مگر کینے کی آگ ۴۵۹ھ تک نہ بجھی۔

ترکوں کی شوکت روز بروز بڑھتی گئی اور وہ مستنصر سے زیادہ تنخواہیں مانگنے لگے۔ شاہی خزانہ خالی ہوتا گیا۔ مستنصر کی ماں نے حبشیوں کے قائدوں کو پھر ترکوں کے خلاف بھڑکایا۔ ترک جیزہ میں جمع ہوئے اور اپنے افسر ناصر الدولہ بن حمدان کے ساتھ پھر حبشیوں کے مقابلے کے لیے نکلے۔ یہ ناصر الدولہ وہی شخص تھا جس کو مستنصر نے شام کا والی بنا کر بھیجا تھا۔ مگر اس کے ناقابل ثابت ہونے کی وجہ سے اس کو دمشق میں واپس بلا لیا تھا اور ترکی کی افواج کا سپہ سالار مقرر کیا تھا۔ اب یہ شخص اس فکر میں تھا کہ مستنصر سے کسی نہ کسی طرح انتقام لے یہ موقع اسے اچھا ہاتھ لگا۔ غرض کہ فریقین میں پھر کئی لڑائیاں ہوئیں کبھی حبشی غالب آتے تھے اور کبھی ترک۔ آخر میں ترک کامیاب ہوئے اور حبشیوں کو صعید کی طرف بھگا دیا۔ اب ناصر الدولہ کا زور اور بھی بڑھ گیا اور وہ مستنصر کی ہتک کرنے لگا۔ تنخواہوں میں اضافہ کا مطالبہ کیا۔ اس سے پیشتر ترکی فوجوں کی تنخواہوں کا تخمینہ اٹھارہ ہزار دینار تھا اب چار لاکھ دینار تک پہنچ گیا۔ اس پر بھی ترکوں نے اکتفا نہ کر کے اپنے بے جا مطالبات کے لیے خلیفہ کو قصر شاہی کے بیش قیمت ذخیرے بیچنے پر مجبور کیا۔ نایاب اور نادر چیزیں کوڑیوں کے مول فروخت کر دی گئیں۔

۴۶۰ھ کی ابتدا میں تقریباً پندرہ ہزار حبشی پھر صعید اور اسکندریہ میں جمع ہو کر اودھم مچانے لگے۔ ناصر الدولہ ان سے مقابلہ کرنے کے لیے قاہرہ سے روانہ ہوا۔ اس دفعہ حبشیوں نے ترکوں کو بڑی سخت شکست دی اور ان پر حملہ کر کے ان کو جیزہ کی طرف بھگا دیا۔ اس شکست نے ترکوں کو مستنصر سے اور بھی بدظن کر دیا۔ کسی قسم کی مدد حبشیوں کو نہ دینے کی مستنصر نے قسم کھائی۔ یہ پورا سال لڑائیوں میں

گزرا۔ آخر میں ناصر الدولہ نے اپنی فوج کو تیار کر کے ایک فیصلہ کن حملہ کیا اور حبشیوں کو ایسی شکست فاش دی کہ پھر وہ سر نہ اٹھا سکے۔ اس کے بعد وہ اسکندریہ روانہ ہوا اور وہاں کے حبشیوں کو بھی زیر کر کے انھیں وہاں سے نکال دیا۔ اب حبشیوں کی پوری قوت ٹوٹ گئی اور وہ ادھر ادھر منتشر ہو گئے۔ ان فوجی لڑائیوں سے مصر کا ملک برباد ہو گیا۔[۱]

ناصر الدولہ کا استبداد اور اس کے اور مستنصر کے درمیان لڑائیاں

جب تک حبشیوں کا زور باقی تھا ناصر الدولہ ان سے لڑتا رہا ان کی شکست کے بعد اس کا گھمنڈ بڑھا جس سے وہ خود تباہ ہو گیا۔ مستنصر کے خزانے سے جتنی دولت اس نے دونوں ہاتھوں سے سمیٹی تھی اسے اس نے خود ہضم کرنا چاہا۔ یہ دیکھکر اس کے ساتھی اس سے پھر گئے۔ فوج میں پھوٹ پڑ گئی۔ بہر حال اس کی طمع اور ظلم سے اکثر ترک بد دل ہو گئے اور وزیر کے پاس اپنی شکایت لے گئے۔ وزیر نے اس کو مستنصر کے ذریعے قاہرہ سے نکلوا دیا۔ یہاں سے نکل کر وہ جیزہ کی طرف چلا گیا۔ مگر رات کو خفیہ طور سے پھر قاہرہ میں آیا اور شادی نام ایک قائد سے جس کا خطاب تاج الملوک تھا مل کر اس سے ایک ترک افسر دکز اور وزیر کے خلاف مدد چاہی۔ شادی اس کے ساتھ ہو گیا۔ دوسرے دن جب وزیر کی سواری نکلی تو شادی نے اس پر حملہ کر کے اس کا کام تمام کر دیا مگر دکز بھاگ گیا۔ اور اس نے خلیفہ کے محل میں پناہ لی۔ وزیر کے قتل ہوتے ہی ناصر الدولہ اپنی فوج ہموار کر کے موقع پر پہنچ گیا۔ ادھر سے مستنصر خود زرہ بکتر پہنکر اپنی فوج کیساتھ محل سے نکلا۔ دونوں فوجوں میں متعدد لڑائیاں ہوئیں۔ آخر ناصر الدولہ نے شکست کھائی اور اس کے بہت سے آدمی کام آئے۔ پھر وہ اپنے ساتھیوں کو لے کر بحیرہ چلا گیا اور وہاں کے

---

[۱] ۔ مقریزی $\frac{۲}{۱۳۷-۱۳۹}$ وعیون الاخبار $\frac{۷}{۱۰۷-۱۱۱}$ ۔

باشندوں یعنی بنی اسیس سے تعلقات پیدا کیے۔ ان لڑائیوں میں مصر کے ہزاروں آدمی ہلاک ہوئے اور ملک کی حالت روز بروز ابتر ہوتی گئی۔ ۴۶۲ھ کے آخر تک ان لڑائیوں کا سلسلہ جاری رہا۔

۴۶۳ھ میں مستنصر نے ناصر الدولہ کے مقابلے کے لیے بحیرہ کو لشکر بھیجا مگر بدقسمتی سے یہ لشکر ناکام رہا۔ جس قدر مال و متاع اس کے ساتھ تھا اس کو ناصر الدولہ نے لوٹ لیا جس کی وجہ سے وہ بہت قوی ہو گیا۔ اکثر ساحلی مقامات مثلاً اسکندریہ دمیاط وغیرہ میں اس نے مستنصر کا خطبہ موقوف کر کے خلیفہ عباسی کا خطبہ پڑھا۔ اور مستنصر کو تنگ کرنے کے لیے مصر کو جو غلہ جاتا تھا اسے روک دیا۔ مصر پہلے ہی لڑائیوں کی مصیبت میں مبتلا تھا۔ غلے کے بند ہو جانے سے مصری اور بھی پریشان اور مضطرب ہو گئے۔ جن لوگوں میں کچھ سکت تھی وہ تو شام اور عراق کی طرف روانہ ہو گئے۔ اور جن لوگوں کو اتنی قدرت نہ تھی ان کا وہیں خاتمہ ہو گیا۔ محتاجوں اور مفلسوں کے حال کا کیا پوچھنا ان میں سے اکثر موت کا شکار ہوئے۔ قحط اور بیماری کا یہ عالم تھا کہ گھر کے گھر چوبیس گھنٹوں میں بند اور خاندان کے خاندان تباہ ہو جاتے تھے۔ امراء اور عہدہ داروں کی یہ گت بن گئی تھی کہ اپنا پیٹ بھرنے کے لیے نہایت پست خدمتیں انجام دینے لگے۔ غسل خانوں اور حماموں میں نہلانے، بال صاف کرنے، سڑکوں پر جھاڑو دینے کا کام انہی کو کرنا پڑتا تھا۔ جو شخص حمام میں داخل ہوتا تو حمام کا داروغہ اس سے یہ پوچھتا کہ تم کس سے خدمت لینا چاہتے ہو۔ یہاں تمھاری خدمت کے لیے فخر الدولہ اور سعد الدولہ سب تیار ہیں۔ یہ لوگ اس زمانے کے بڑے امراء کہلاتے تھے۔ دولت مند عورتوں کو اپنے قیمتی زیورات بیچنے پر بھی کافی روٹی نہ ملتی تھی۔ ایک عورت نے تھوڑے سے آٹے کے لیے اپنا ہار بیچ ڈالا جس کی قیمت ایک ہزار دینار تھی۔ اس نے اس کی ایک روٹی پکا کر لوگوں کے سامنے پیش کی اور کہا " اے قاہرہ کے لوگو تم اپنے مولی الخلیفہ

کے حق میں دعا کرو کہ اس کے زمانے میں ہمیں یہ برکت اور راحت نصیب ہوئی۔ اس کا شکر ہے کہ اس روٹی کے لیے مجھے ایک ہزار دینار دینے پڑے"۔ مستنصر نے ان تاجروں کو جنھوں نے گیہوں کے بڑے بڑے ذخیرے اپنے قبضے میں لے لیے تھے اوسط نرخوں پر گیہوں بیچنے کے لیے بہت سمجھایا۔ مگر انھوں نے نہ مانا۔

مستنصر کے محل کی لوٹ اور اس کے نفیس ذخیروں کی تباہی

مصری رعایا کی تو یہ افسوسناک حالت تھی۔ اس پر غضب یہ ہوا کہ فوجوں کو بھی تنخواہیں نہ ملیں انھوں نے مستنصر کے محل کو لوٹ لیا۔ مقریزی نے ان شاہی خزانوں کی تفصیل بیان کی ہے جن کو فوجوں نے تباہ کر دیا جو حیرت انگیز ہے۔ اس کے پڑھنے سے بنو فاطمہ کی دولت اور ثروت کا اندازہ ہوتا ہے[1]۔

[1] ۔ خزاین القصر کی تفصیل مقریزی نے تقریباً (۲۷) صفحوں میں لکھی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے:۔ "بعض اشیا اس زمانے کی صنعت اور عیش پسندی کے لحاظ سے دلچسپ ہیں۔ قیمتی پتھروں (مثلاً ایک ایسا صندوق جس میں سات مد یعنی دس پاونڈ زمرد کے ٹکڑے تھے جن کی قیمت تین لاکھ دینار تھی۔ سات ویبہ یعنی دو سو پچاس پاونڈ کے نفیس موتی۔ یاقوت کی انگوٹھیاں وغیرہ) کے حذف کرنے کے بعد مستنصر کے خزانوں میں حسب ذیل قیمتی چیزیں تھیں۔ ہزاروں قسم کے بڑے بلور کے گلدان جن میں بعض پر عزیز کا نام کندہ تھا۔ سونے کی رکابیاں جن پر مختلف رنگوں کی پچی کاری اور مینا کاری تھی۔ زہرمہرہ کے پیالے جن پر ہارون رشید کا نام کندہ تھا۔ سونے چاندی۔ آبنوس۔ ہاتھی دانت۔ اگر اور دوسری اقسام کی لکڑیوں کی دواتیں (ممکن ہے دوات سے مراد قلمدان ہو) جن میں بعض تراشی ہوئی بعض پچی کاری کی ہوئی اور بعض جواہرات سے مرصع تھیں)۔ چینی کے بڑے مرتبان جن میں قیصور کا کافور بھرا ہوا۔ عنبر کے پیالے۔ مشک کی بوتلیں۔ تپائی پر رکھے ہوئے بڑے گنگال جو جانوروں کی شکل کے بنے ہوئے تھے جن میں سے ہر ایک کی قیمت ایک ہزار دینار۔ سفید چینی کے انڈے (شاید ہاتھوں کو گرمانے کے لیے)

شمع دان (برونز) -
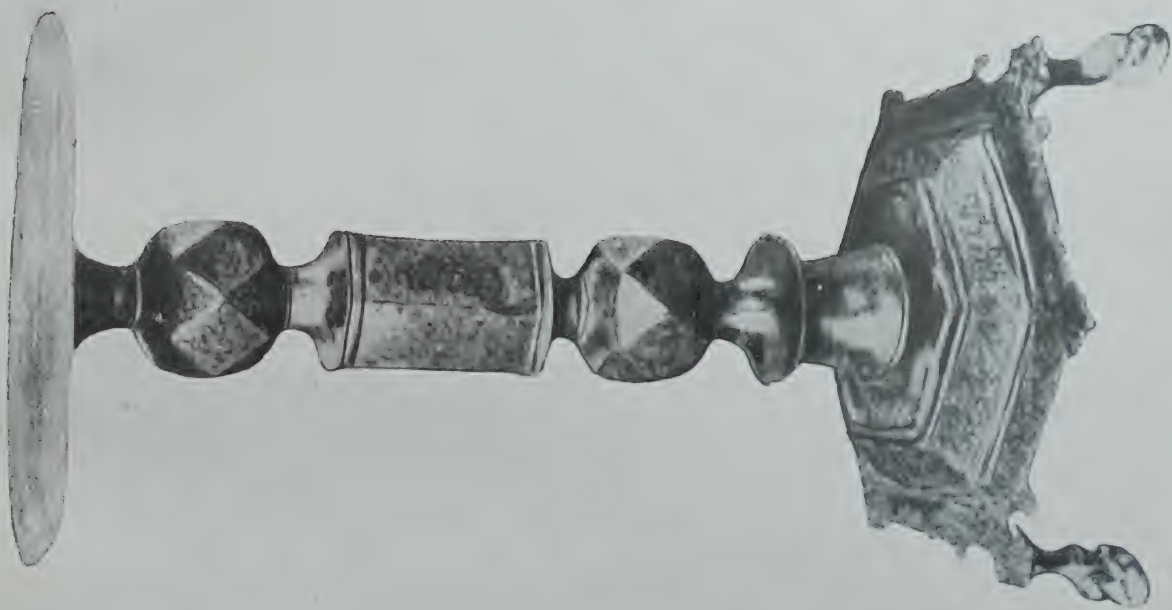
پشت آئینہ (برونز) -

مستنصر کی بے بسی	مستنصر کا تمام اقتدار جاتا رہا۔ ۴۶۳ھ کا پورا سال اس

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ:۔ سونے کی چٹائی جس پر خلیفہ مامون کسی خوشی کے موقع پر سویا تھا۔ مینا کاری کی ہوئی رکابیاں جنھیں شہنشاہ روم نے عزیز کو تحفۃً بھیجا تھا۔ فولادی آئینے۔ کانچ اور مٹی کے بے شمار برتن۔ سونے اور چاندی کی لکڑیوں کے چھوٹے چھتر۔ مینا کاری کیے ہوئے مختلف اشکال کے چاندی کے برتن۔ ریشمی کار چوبی شطرنج اور چوسر کی بساطیں سونے۔ چاندی۔ ہاتھی دانت اور آبنوس کے مہروں کے۔ چار ہزار سونے کے گلدان گل نرگس کے لیے اور دو ہزار گل بنفشہ کے لیے۔ مصنوعی میوے اور دوسرے کھلونے عنبر اور کافور کے بنے ہوئے۔ ایک جواہرات سے مرصع عمامہ جس کی قیمت ایک لاکھ تیس ہزار دینار تھی اور جس کے جواہرات کا وزن سترہ پاونڈ تھا۔ مختلف قسموں کے عطروں کے بہت سے کنستر۔ ایک سونے کا مور جس کی آنکھیں یاقوت کی اور پروں پر مینا کاری تھی۔ ایک سونے کا مرغ جس کی کلغی اور آنکھیں یاقوت کی بنی ہوئیں۔ ایک ہرن جو موتیوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ ایک میز جو سرڈانکس (ایک قسم کے عقیق) کی بنی ہوئی تھی۔ ایک سونے کا کھجور کا درخت جس میں قیمتی جواہرات کی کھجوریں لگی ہوئیں۔ ۳۸ ذہبیات (شاہی کشتیوں) میں جو بحر نیل کے جلوسوں کے لیے تیار کی گئی تھیں ایک کشتی ایسی تھی جو خلیفہ کے لیے وزیر جرجرائی کے حکم سے تیرہ ہزار دینار کے مصارف سے تیار کی گئی تھی۔ ایک دوسری چاندی کی کشتی جو مستنصر کی ماں کو اس کے مالک ابو سعد تستری کی طرف سے تحفۃً بھیجی گئی تھی۔ ریشم۔ کارچوب۔ مخمل اور دیگر اقسام کے کپڑے جن میں ایک سرخ دمشقی کپڑے پر زربفت کا کام کیا ہوا اور سبزہ زاروں کے نقشے کھینچے ہوئے جن میں ہاتھی گھوم رہے تھے۔ ریشمی کپڑے جن پر کارچوب سے مشرق کے حکمران خاندانوں کی تاریخیں اور ان کے کارنامے لکھے ہوئے تھے اور جن پر ان کے مشہور لوگوں کی تصویریں تھیں ایک قالین جو معز کے لیے شہر تستر میں تیار کیا گیا تھا اور جس پر دنیا کا ایک نقشہ کھینچا گیا تھا جس میں پہاڑ۔ ندیاں۔ شہر اور خاص طور پر مکہ اور مدینہ بنائے گئے تھے۔ دیبق۔ کلمون۔ بھنسا۔ دمشق اور چین کے بے شمار قیمتی کپڑے جواہرات سے مرصع خنجر۔ تلواریں۔ خلنجی نیزے۔ خطی بھالے اور ہر قسم کے بہت سے ہتھیار

کے محل کی غارتگری میں گزرا۔ اس پر بھی فوجوں کا پیٹ نہ بھرا۔ ناچار انھیں ناصر الدولہ کے ساتھ صلح کرنی پڑی تاکہ وہ غلے کے رکے ہوئے راستوں کو کھول دے۔ شرط یہ طے پائی کہ ناصر الدولہ اپنی جگہ پر بحیرہ ہی میں ٹھہرا رہے اور اسے ایک مقررہ رقم بھیجی جائے۔ اس کی طرف سے قائد شادی قاہرہ میں نیابت کرے۔ اس صلح کے بعد غلہ مصر میں آنے لگا اور مصریوں کی کچھ تکلیف دور ہوئی۔ مگر ابھی پورا ایک مہینہ بھی نہ ہوا تھا کہ پھر جھگڑا شروع ہوا۔ ناصر الدولہ نے پھر قاہرہ کا محاصرہ کر لیا اور کئی گھروں کو لوٹ کر بحیرہ واپس چلا گیا۔ ۴۶۲ھ کے آخر تک یہی حالت رہی۔ اس کے بعد ناصر الدولہ نے شادی کو جو مصر میں خود مختار بن گیا تھا گرفتار کر لیا اور دوبارہ مصر پر حملہ کرنے کی کوشش کی مگر اس دفعہ مستنصر کے لشکر نے اسے بھگا دیا۔ پھر وہ بحیرہ واپس ہو گیا اور

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ :- جن میں معدیکرب۔ حمزہ اور قاسم کی تلواریں۔ حضرت حسینؓ کا زرہ بکتر۔ حمزہ کی ڈھال۔ مشہور ذوالفقار اور خود رسول خدا صلعم کی تلوار بھی شامل تھی۔ ریشمی اور سنہری خیمے جن میں سے بعض پر آدمیوں۔ جانوروں اور پرندوں کی تصویریں بنی ہوئی تھیں اور ان کی چوبوں پر سونے کا طمع تھا۔ خاص کر ایک بڑا ڈیرہ جو یازوری کے لیے تیس ہزار دینار کی لاگت پر بنا تھا۔ اس کی چوب (۶۵) کیوبٹ اونچی اور اس کا محیط (۵۰) کیوبٹ (ذراع) تھا۔ اس کے اور اس کے فرنیچر اٹھانے کے لیے سو آدمی کی ضرورت پڑتی تھی۔ اس پر نقشے اترے ہوئے تھے۔ یہ اتنا بڑا تھا کہ اس کو تیار کرنے کے لیے پچاس کاریگروں کو نو سال لگے۔ خلیفہ ظاہر کا ڈیرا خالص سنہری تاروں کا بنا ہوا تھا جو چھ چاندی کے چوبوں پر ایستادہ کیا جاتا تھا۔ ایک دوسرا بڑا ڈیرا حلب میں بنایا گیا تھا جس کی قیمت تیس ہزار دینار تھی۔ اس کا نام ہی قاتل رکھا گیا۔ کیونکہ یہ اتنا وزنی تھا کہ اس کے ایستادہ کرنے میں ایک یا دو آدمی ہلاک ہو گئے تھے۔ (مقریزی ۲ / ۲۵۲-۲۸۰) کیوبٹ کو عربی میں ذراع کہتے ہیں جس کی حد ہاتھ کی کہنی سے بیچ کی انگلی کے سرے تک ہے۔ اس کا پیمانہ اٹھارہ اور بائیس انچ کے درمیان ہے۔

کتان اور ریشم سے بُنا ہوا جھالر دار پارچہ۔

ریشم کا پارچہ جسکی زرد زمین پر پرندوں کی صورتیں
بُنی ہوئی ہیں۔

مقابل صفحہ (۲۸۰)
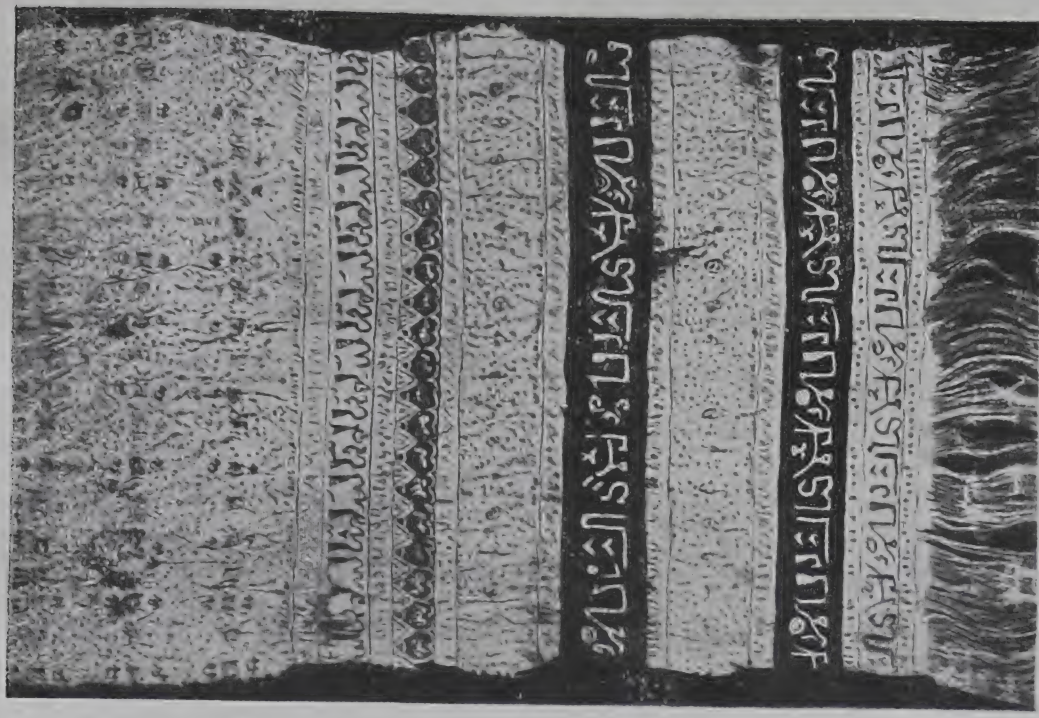
پروسس جامعہ عثمانیہ

خلیفہ عباسی کا خطبہ جاری کرنے کی کوشش کی۔ مستنصر کی حالت مصر میں بہت خراب ہو گئی۔ اس کا تمام محل لوٹ لیا گیا۔ اب ناصر الدولہ کو مصر آنے میں کوئی رکاوٹ نہ رہی۔ اس نے مصر پر قبضہ کر لیا۔ مستنصر کو اپنے محل میں پناہ لینی پڑی۔ خلافت کی تمام شان و شوکت جاتی رہی۔ ہاتھ میں اتنا پیسہ بھی نہ رہا کہ وہ اپنی خانگی زندگی بسر کر سکے۔ مشہور نحوی بابشاذ کی ایک لڑکی روزانہ دو روٹیاں بھجا کرتی تھی۔ ترکی فوجوں کے ظلم نے اس کو اس حالت پر پہنچا دیا۔ جب ناصر الدولہ نے اپنا ایلچی اس کے محل میں بھیجا تو اس نے دیکھا کہ مستنصر ایک چٹائی پر بے بسی کی حالت میں بیٹھا ہوا ہے۔ محل میں سوائے تین نوکروں کے کوئی اور اس کی خدمت کے لیے باقی نہیں۔ ایلچی نے جب اس سے کہا کہ مجھے ناصر الدولہ نے آپ سے روپیہ طلب کرنے کے لیے بھیجا ہے تو اس نے جواب دیا "کیا ناصر الدولہ کو میرا ایسی حالت میں رہنا بھی کافی نہیں ہے" یہ سن کر اس کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو نکل پڑے۔ ناصر الدولہ کو جب یہ خبر ملی تو اس نے مستنصر کے نام ماہانہ سو دینار جاری کیے۔ لیکن اس کی ماں کو سخت سزا دی اور اس کے پاس جتنا مال تھا سب ضبط کر لیا۔ مستنصر کے اکثر عزیز و اقارب بھوک کی تاب نہ لا کر شام اور عراق چلے گئے۔ اب ناصر الدولہ نے مصر کی پوری حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی۔ اور مستنصر کو محل میں قید کر دیا۔

ناصر الدولہ کا قتل

حکومت کا ملنا ہی تھا کہ ناصر الدولہ اپنی سرشت کے موافق پھر ظلم ڈھانے لگا۔ خود ترکی فوجوں کے بعض قائد اس سے برگشتہ ہو گئے۔ چنانچہ دکز اس کا دشمن ہو گیا ۴۶۵ھ میں ایک روز وہ اپنے گھر سے باہر نکل ہی رہا تھا کہ دکز نے اس کا کام تمام کر دیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ناصر الدولہ مصر میں خلیفہ عباسی کا خطبہ پڑھانا چاہتا تھا۔ اس کی خبر دکز کو ہو گئی جس نے اسے قتل کر دیا۔

بدر الجمالی کا مصر میں ورود ۴۶۶ھ

جب خلافت کی حالت اس درجے

کو پہنچی اور مصر میں کوئی ایسا وزیر باقی نہ رہا جو ترکی فوجوں کا زور توڑ کے ملک میں امن و امان قایم کر سکے اور جب ریف پر لواتہ اور صعید پر حبشی قابض ہو گئے تو خلیفہ نے بدر الجمالی کو طلب کیا جو اس وقت عکہ کا والی تھا۔ یہ شخص اصل میں ارمینیہ کا باشندہ اور جمال الدین والی دمشق کا غلام تھا۔ اس نے شام کی لڑائیوں میں بڑا نام پیدا کیا اور متعدد موقعوں پر خلیفہ کی طرف سے دمشق میں نائب بھی رہا۔ یہ وہی شخص تھا جس نے مستنصر کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر شام میں استقلال حاصل کر لیا تھا۔ اس نے اس شرط پر وزارت قبول کی کہ اس کو اپنا ارمنی لشکر مصر میں لانے کی اجازت دی جائے۔ بہرحال بدر الجمالی سو جہاز لے کر عین سردی کے موسم میں عکہ سے روانہ ہوا جب کہ طوفان کے خوف سے کوئی شخص سمندر کا سفر نہیں کرتا تھا۔ حسن اتفاق سے سمندر میں خلاف معمول سکون رہا اور بدر الجمالی اپنے ارمنی لشکر کے ساتھ صحیح و سالم مصر پہنچ گیا۔ دوران سفر میں اس نے تنیس اور دمیاط کے تاجروں اور دولت مندوں سے بہت سا مال قرض لیا۔ اہل بحیرہ کے سردار سلیمان لواتی نے غلے سے اس کی بڑی مدد کی۔ قلیوب پہنچکر اس نے خلیفہ کو یہ پیام بھیجا کہ جبتک بلاکوش (اسد الدولہ) جو ناصر الدولہ کا قاتل ہے گرفتار نہ کر لیا جائے اس وقت تک اس کا مصر میں داخل ہونا مفید ثابت نہ ہوگا۔ خلیفہ نے فوراً بلاکوش کو خزانۃ البنود کے قید خانے میں بند کر دیا۔ اس کے بعد ۴۶۶ھ میں بدر الجمالی مصر میں داخل ہوا۔[۱]

مصر کی ترکی فوجوں کو اس بات کا علم نہ تھا کہ خلیفہ نے بدر الجمالی کو ان کی سرکوبی کے لیے بلایا ہے۔ تمام ترکی سرداروں نے اس کا دوستانہ استقبال کیا۔ بدر الجمالی نے بھی ان کی ایک رات دعوت کی

---

[۱] کتاب الاشارہ میں ربیع الآخر ۴۶۶ھ ہے۔ (ابن الصیرفی ۵۸)۔

لیکن دعوت کے مکان میں مخفی طور پر ان کے قتل کا انتظام بھی کیا۔ اپنی فوج کے سرداروں کو یہ ترغیب دی کہ جو شخص جس ترکی سردار کو قتل کرے گا اس کو مقتول کی جائداد انعام میں دی جائے گی۔ جب صبح ہوئی تو بدر الجمالی کے سامنے تمام ترکی سرداروں کے سر حاضر کیے گئے۔ ان کے قتل کے بعد بدر الجمالی نے مصر پر پورا قابو حاصل کر لیا۔ مستنصر نے اس کو بیش قیمت خلعتوں سے سرفراز کیا اور سیف و قلم کی وزارت کا عہدہ دیا۔ تمام قاضی اور داعی اس کے ماتحت ہو گئے۔ اس کے خطابات میں "وزیر الجیوش۔ کافل قضاۃ المسلمین اور ہادی دعاۃ المومنین" کا اضافہ کیا گیا۔

مصر کے بڑے بڑے فتنے پردازوں کو قتل کرنے کے بعد اس نے وجہ بحری کی طرف توجہ کی۔ اور قبیلۂ لواتہ کے مفسدوں کو تہ تیغ کیا اور ان کی جائدادیں ضبط کر لیں۔ صعید میں سرکش جبشیوں کا بھی خاتمہ کر کے بر شرقی کی جانب روانہ ہوا۔ یہاں بھی باغیوں کا قلع قمع کر کے اسکندریہ پہنچا اور کچھ مدت تک اس شہر کا محاصرہ کیا۔ آخر اس کو بھی مسخر کر لیا۔ اس شہر کے لوگوں سے جس قدر مصادرات کا مال وصول کیا اس کی مدد سے وہاں ایک جامع مسجد بنوائی جس کی تعمیر ۴۷۹ھ میں ختم ہوئی اور جو جامع العطارین کے نام سے مشہور رہے اس کے بعد اسوان کے باغی امیر محمد (کنز الدولہ) کو بھی قتل کیا۔ کہا جاتا ہے۔ صرف اہل بحیرہ میں بیس ہزار باغی مار ڈالے گئے۔[۱]

مصر میں بغاوت کی آگ بجھانے کے بعد بدر الجمالی نے بلاد شام کی طرف لشکر روانہ کیا۔ طرابلس میں ابن عمار۔ عسقلان میں ابن معرف اور صور میں بنی عقیل کو شکست دیکر ان کی قوت توڑ دی۔ دمیاط پر جن عربوں نے غلبہ پالیا تھا ان کو بھی نیچا دکھایا۔

۱۔ ابن خلدون ۴/۶۴۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ بدرالجمالی کو مصر اور شام کی بغاوت فرو کرنے میں بڑی سختی سے کام لینا پڑا۔ سینکڑوں ہزاروں فتنہ پرداز تہ تیغ کیے گئے لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بغاوت کی آگ جو بھڑک رہی تھی بجھ گئی اور ملک میں امن وامان کا دور دورہ شروع ہوا۔

بدرالجمالی کی کامیاب اور بہترین کارگزاریاں

بہرحال بدرالجمالی اپنی کوشش و جانفشانی سے ممالک فاطمیہ کو ان کی اصلی رونق پر لایا۔ ملک میں فلاح و بہبودی کے آثار نمایاں ہونے لگے۔ مصر کی شان و شوکت پھر تازہ ہو گئی۔
کاشتکاروں کی بری حالت پر اس نے خاص توجہ کی۔ پورے تین سال کا محصول معاف کر دیا جس سے وہ خوشحال ہو گئے اور عام رعایا کو غلہ وافر ملنے لگا۔ اہل تجارت اور اہل صنعت و حرفت جو مارے خوف کے مصر چھوڑ کر بھاگ گئے تھے پھر واپس آ گئے۔ ملک کی خوش حالی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ۴۸۳ھ میں جب مصر کے خراج کا حساب لگایا گیا اور اس کا مقابلہ پہلے زمانے کے خراج سے کیا گیا تو معلوم ہوا کہ اگلا خراج کبھی بیس لاکھ آٹھ سو دینار سے نہیں بڑھا۔ لیکن بدرالجمالی کے دور کا خراج تیس لاکھ سے بھی زیادہ ہو گیا[1]۔ غرضکہ زراعت اور تجارت وغیرہ نے حیرت انگیز ترقی کی۔ تقریباً بیس سال حاکم مطلق کی حیثیت سے بدرالجمالی نے مصر پر حکومت کی اور ۸۰ سال کی عمر میں وفات پائی۔ مصریوں کے ہاں وہ عمرو بن العاص اور احمد بن طولون کا درجہ رکھتا ہے[2]۔ اسماعیلی اسے باب الابواب کہتے ہیں جو دعوت کا سب سے بڑا رکن ہے۔ مقریزی نے لکھا ہے کہ اسے داعی الدعاۃ اور قاضی القضاۃ کے عہدے بھی دیے گئے تھے[3]۔ سیاسی قابلیت کے علاوہ اسے علم و ادب سے بھی بڑی دلچسپی تھی۔

---

[1]۔ فصل (۳۰) بعنوان "ممالک فاطمیہ کے محاصل کی مختلف قسمیں۔
[2]۔ جرجی زیدان $\frac{1}{۲۴۳}$ ۔ [3]۔ مقریزی $\frac{1}{۲۲۲}$ ۔

کوہ مقطم پر جامع الجیوشی کا بیرونی منظر

پریس جامعہ عثمانیہ

مقابل صفحہ (۲۰۲)

عالموں اور شاعروں کی بہت قدر کرتا تھا۔ شاعروں میں مشہور علقمہ بن عبدالرزاق العلیمی ہے۔ جس کے چند شعر ان کی فصاحت و بلاغت کی وجہ سے اکثر مورخوں نے نقل کیے ہیں؎۱۔ قاہرہ کے حصار جدید کی ابتدا اسی نے کی۔ اور اس کے تین عالیشان دروازے بھی اسی کے زمانے میں بنے؎۲۔

بلاد شام کی مضطرب حالت سنہ ۴۶۳ھ۔ سنہ ۴۶۷ھ بیت المقدس پر سلجوقیوں کا حملہ

اس زمانے میں حکومت بغداد کی باگ سلجوقی ترکوں کے ہاتھوں میں تھی۔ ان میں اور بنی فاطمہ میں مذہبی سخت مخالفت تھی۔ انھوں نے مصر کی ترکی فوجوں کی بغاوت سے فائدہ اٹھاکر سنہ ۴۶۳ھ میں بیت المقدس پر قبضہ کرلیا اور چند دنوں بعد دمشق بھی لے لیا جس کے بعد پھر کبھی یہ شہر بنی فاطمہ کے قبضے میں واپس نہ آیا۔ سلجوقیوں کو بلاد شام میں ایسی زبردست کامیابی ہوئی کہ سنہ ۴۶۹ھ میں ان کے سپہ سالار اتسیز ترکمانی نے خود مصر پر حملہ کرنے کی تیاری کی بلکہ وہ پیش قدمی کرتے ہوئے غزہ اور العریش تک پہنچ گئے۔ اس وقت مصر میں بدرالجمالی ترکی فوجوں کی بغاوت فرو کرنے میں مشغول تھا۔ اس لیے وہ سلجوقیوں کے مقابلے میں کوئی لشکر بھیج نہ سکا۔ مصری اتنے خوف زدہ ہو گئے تھے کہ انھوں نے کشتیاں تیار رکھی تھیں کہ اگر سلجوقی مصر پر حملہ کریں تو حکومت اسکندریہ میں منتقل ہو سکے۔ سلجوقی سپہ سالار کو کچھ رشوت بھی دی گئی تاکہ وہ واپس ہو جائے۔ کہا جاتا ہے کہ اگر سلجوقیوں کو اس مہم میں بغداد سے کافی مدد پہنچتی تو دولت فاطمیہ اپنے اصلی زوال کی تاریخ سے سو سال پیشتر ہی رخصت ہو جاتی؎۳۔

؎۱۔ مقریزی ۲/۱۱ ابن خلکان ۱/۲۲۲ ۔ عبدالرزاق العلیمی (جرجی زیدان ۱/۳۴۴ ، ۴ نسخہ فصل ۲۹ عہد فاطمی کی صنعت و حرفت اور معماری)۔ ؎۲۔ ابن الاثیر ۱۰/۳۴ Azain
S. Lane-poole p. 161 ؎۳ (S. Lane-poole p. 161)

مصر میں امن و امان قائم کرنے کے بعد ۴۷۱ھ میں بدر الجمالی نے سلجوقیوں کے مقابلے کے لیے ایک لشکر شام بھیجا جس نے دمشق کا محاصرہ کر لیا - لیکن ملک شاہ کے بھائی تتش (تاج الدولہ) کے جو شام پر والی مقرر کیا گیا تھا موقع پر پہنچ جانے کی وجہ سے مصریوں کو پیچھے ہٹنا پڑا اور تتش دمشق میں داخل ہو گیا۔ ۴۷۸ھ میں خود بدر الجمالی نے باوجود اپنی پیرانہ سالی کے دمشق پر حملہ کیا - لیکن وہ ناکام رہا - اس کے بعد گو مصریوں کو سواحل شام پر کچھ کامیابی ہوئی اور انھوں نے صور، جبیل، وغیرہ کے باغیوں کو زیر کر کے ان شہروں پر قبضہ کر لیا لیکن یہ کامیابی ایسی نہ تھی جس سے یہ کہا جا سکے کہ بنو فاطمہ کی حکومت مستقل طور پر شام میں پھر قائم ہو گئی - ان واقعات کے کچھ دنوں بعد ہی بدر الجمالی اور خود مستنصر نے یکے بعد دیگرے وفات پائی[۱] - بدر کے بیمار ہو جانے کے بعد مستنصر نے اس کے غلام لاویز[۲] (امین الدولہ) کو وزیر بنانا چاہا - لیکن اس کے دوسرے غلام افتکین (نصیر الدولہ) نے اس کو اس فعل سے روکا بلکہ دھمکی بھی دی اور بدر کے لڑکے افضل شاہنشاہ کو وزارت کا عہدہ دینے کی رائے دی - مستنصر نے اس رائے پر عمل کیا[۳] - حکومت کے معاملات میں اسی طرح اس وزیر کا استبداد

---

۱ - بدر الجمالی کی تربت باب النصر کے باہر ہے (مقریزی ۱/۳۴۸) اس کی وفات کی تاریخ ذو القعدہ یا ذی الحجہ ۴۸۸ھ ہے مستنصر کا انتقال ۱۸ ذی الحجہ ۴۸۷ھ کی رات کو ہوا (عیون الاخبار ۲۵۲ ابن الصیرفی - ۵۷ - ابن خلکان ۱/۲۲۲) لیکن التاریخ الکامل میں بدر الجمالی کے انتقال کی تاریخ ذی القعدہ ۴۸۷ھ ہے (ابن الاثیر ۱۰/۹۷) - ۲ھ - کتاب الاشارہ میں لاوون ہے (ابن الصیرفی - ۵۵) - ۳ھ - ابن خلدون ۴/۶۹ - بدر الجمالی اپنی آخری عمر میں سخت بیمار ہوا - اس کے غلام صدفی ملقب بہ امین الدولہ نے اس کی جانشینی کی بڑی کوشش کی - لیکن مستنصر نے اسے پسند نہ کیا اور اس کے لڑکے افضل کو اس کی جگہ دی (الصیرفی - ۵۶) - یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب بدر الجمالی کا انتقال ہو گیا تو مستنصر کی طرف سے بدر الجمالی کا غلام "لاوون" طلب کیا گیا - وزارت کے خلعت اسے دیے گئے اور وہ مستنصر کے ساتھ محل میں بیٹھنے لگا اس طرز عمل سے تمام امرا مسلح ہو کر قصر کے صحن میں جمع ہوئے - ادھر سے فوج بھی آگئی - اور سب نے متفق ہو کر "لاوون" کی وزارت ماننے سے انکار کیا - مستنصر کو مجبوراً افضل کو طلب کر کے اسے وزارت کا عہدہ دینا پڑا (ابن میسر ۳۱)-

بھی قائم رہا جس طرح اس کے باپ بدر الجمالی کا۔

فرقہ نزاریہ کی بنیاد

مستنصر کی خلافت کو جن واقعات سے امتیاز حاصل ہوا ہے ان میں نزاریہ کی بنیاد بھی شامل ہے۔ اس فرقے کے تفصیلی واقعات ہم آیندہ بیان کریں گے[1] یہاں ہم اس کے بانی حسن بن صباح کے متعلق چند ایسے واقعات درج کریں گے جن کا تعلق مستنصر کی خلافت سے ہے۔

ابتدا میں حسن بن صباح ایک معمولی ایرانی شخص تھا جو شہر طوس میں رہا کرتا تھا۔ وہ اپنے نسب کے سلسلے کو کسی قدیم عربی نژاد نامور صباح حمیری سے ملاتا تھا۔ اپنے مذہب کے متعلق وہ خود کہتا ہے کہ "میں اپنے بزرگوں کی طرح اثنا عشری مذہب کا پابند تھا" لیکن اتفاق سے وہ اسماعیلیوں کے بڑے ایرانی داعی ناصر خسرو کے زیر اثر آ گیا ناصر خسرو نے اس سے مستنصر کی بیعت لی۔ چند دنوں بعد اس کی ملاقات ایک اور اسماعیلی داعی سے ہوئی جس نے اسے مصر جانے کا مشورہ دیا۔ سنہ ۴۷۱ھ[3] میں وہ مصر پہنچا اور اپنی لیاقت اور ہوشیاری سے اسماعیلی دعوت میں بڑی شہرت پائی۔ بلاد عجم میں دعوت پھیلانے کی خواہش پر اسے مستنصر نے اجازت دی۔ خود حسن بن صباح کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میں نے مستنصر سے پوچھا کہ آپ کے بعد میرا امام کون ہے۔ مستنصر نے جواب دیا "میرا بیٹا نزار"[2] اس زمانے میں مستنصر کے دو بیٹے نزار اور عبد اللہ آپس میں امامت پر جھگڑتے تھے۔ ہر ایک خود امام بننا چاہتا تھا۔ اس واقعے کی تصدیق مورخ ادریس نے بھی کی ہے[4] ہر بیٹے کے ساتھ ایک جماعت ہو گئی چنانچہ نزار کے ساتھ حسن بن صباح اور اس کے ہم خیال ہو گئے۔

ان دنوں مصر کا وزیر بدر الجمالی چاہتا تھا کہ مستعلی کو امامت ملے

۱۔ فصل (۳۱)۔ ۲۔ فصل (۲۹) بعنوان "علمائے عہد مستنصر۔ مستعلی۔ آمر"

۳۔ ابن خلدون ۴/۶۶ ابن الاثیر ۱۰/۹۸۔ ۴۔ عیون الاخبار ۷/۲۴۵۔

تاکہ وہ مستعلی کے کم سن ہونے کی وجہ سے تمام حکومت اپنے قابو میں رکھ سکے۔ دربار کے سربرآوردہ عہدہ دار بھی اس کی تائید میں تھے۔ اس سبب سے بدرالجمالی اور حسن بن صباح کے درمیان جو نزار کا حامی تھا مخالفت ہو گئی۔ حسن بن صباح کی شہرت اور مستنصر سے اس کا تقرب۔ انھی باتوں نے اس مخالفت کو اتنا بڑھایا کہ بدرالجمالی حسن بن صباح کو مستنصر کی ملاقات سے بالکل روک دیا۔ اور زبردستی اس کو ایک قافلے کے ساتھ شام کی طرف روانہ کر دیا۔ سمندر میں باوجود طوفان برپا ہونے کے حسن بن صباح صحیح و سالم شام پہنچ گیا۔ وہاں سے وہ اصفہان روانہ ہوا جہاں وہ نزار کی امامت کی تبلیغ کرتا رہا۔ اس کے تابعین کا دایرہ روز بروز وسیع ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ اس نے مشہور قلعہ "الموت" پر قبضہ کر لیا۔ اور اپنے ماننے والوں کو ایسی تعلیم دی کہ وہ سب اس کے ادنیٰ اشارے پر اپنی جان فدا کرتے تھے۔ اسی وجہ سے ان کو "فدائی" کہتے ہیں۔ ان لوگوں نے دوسرے اسلامی ممالک میں ایسی دھاک بٹھا دی کہ تمام حکمران ان کے نام سے کانپتے تھے[1] مصر میں نزاریہ فرقے کو نزار کی شکست کے بعد بہت قوت حاصل ہوئی۔ اسی فرقے کے افراد نے خلیفہ آمر کو قتل کیا۔

مستنصر کی وفات اور اس کی سیرت

ساٹھ سال اور چار مہینے کی حکومت کے بعد بتاریخ ۱۸ ذی الحجہ ۴۸۷ھ مستنصر نے زہر سے وفات پائی[2] اس وقت اس کی عمر ۶۷ سال اور ۵ ماہ تھی مستنصر اس وقت برسر حکومت آیا جبکہ وہ سات سالہ بچہ تھا۔ گو اس کی طفولیت کے زمانے میں اس کی ماں حکومت کا کام انجام دیتی تھی لیکن روز بروز سیاسی قوت گھٹتی گئی۔ مصر میں حبشی غلام اور ترکی سپاہی آپس میں خوب لڑتے

---

[1] فصل ۲۱ - فرقہ نزاریہ - [2] وفاتہ کانت بالسم (عیون الاخبار ۷/۲۴۴) مقریزی ۱/۹۷

جس سے خود فاطمی لشکر کا شیرازہ بکھر گیا۔ وزیروں کا تقرر برائے نام ہوتا تھا۔ ان کو کوئی اختیار نہ تھا۔ کثرت سے ان کے تبادلے ہوئے۔ بعض تو بالکل نا اہل تھے[1]۔ اس بدنظمی سے ملک میں بدامنی پھیل گئی۔ بلادِ مغرب اور شام دولت فاطمیہ کے قبضے سے نکل گئے۔ قحط اور وبا نے یہ مصیبتیں اور بڑھا دیں۔ قصر فاطمی بھی لوٹ اور غارتگری سے نہ بچ سکا۔ بغداد اور یمن کی عارضی فتوحات سے کچھ ترقی کی جھلک نظر آئی۔ لیکن پھر تنزل کی تاریکی چھا گئی۔

اسماعیلی دعوت کے مذہبی نظام میں بھی بہت خلل پیدا ہو گیا۔ مصر کا قاضی القضاۃ قاسم بن عبدالعزیز بن محمد بن نعمان ایک نا اہل شخص تھا۔ جس کی تصدیق خود اسماعیلیوں کے بہت بڑے داعی مؤید شیرازی نے اپنی کتاب "السیرۃ المویدیہ" میں کی ہے[2]۔ اس داعی نے بڑی جد و جہد سے بہت سی اصلاحیں کی۔ یہ قصر فاطمی میں مجلسیں منعقد کرتا تھا جو "مجالس مؤیدیہ" کے نام سے مشہور ہیں۔ یمن کی دعوت کی بنیاد بھی اسی داعی نے ڈالی جیسا کہ ہم آگے بیان کریں گے[3]۔

داعی ادریس کا بیان ہے کہ "مستنصر اپنی رعایا کے ساتھ شفقت و احسان سے پیش آتا تھا۔ کبھی کسی پر اس نے ظلم نہیں کیا۔ مجرموں کا جرم اکثر معاف کر دیتا تھا۔ طبیعت کا فیاض تھا۔ مستحق اور غیر مستحق دونوں اس کی عطا سے بہرہ ور ہوتے تھے۔ اس کے عہد میں ہر شخص آزادی کے ساتھ اپنے عقائد پر عمل کرتا تھا۔ جو خونریزی ہوئی اس کے ذمہ دار اس کے وسائط تھے وہ اس کی طرف منسوب نہیں ہے[4]۔

---

[1] یازوری اور ابوالبرکات وغیرہ (السیرۃ المویدیہ ۶۷)۔ [2] السیرۃ المویدیہ صفحہ ۴۲۔ یہ داعی "باب الابواب" کا رتبہ رکھتا تھا۔ [3] فصل ۲۵ (دعاۃ مطلقین)۔ [4] ولم یرقط اکثر منہ سماحاً ولا ادر منہ عطاء لمن یستحق ومن لا یستحق۔ ولم ینسب الیہ شئی من سفک الدماء التی جرت فی ایامہ بل الی الوسائط۔ ولم یکشف حلاً من المخالفین

ہر سال معمولی وظایف کی فہرست جو تقریباً ایک اور دو لاکھ دیناروں کے درمیان ہوتی تھی مستنصر کی منظوری کے لیے پیش کی جاتی تھی۔ ایک موقع پر اس نے وظیفہ پانے والے کا ایک نام بھی اس فہرست سے نہیں نکالا۔ بلکہ خود یہ تجویز لکھی:۔ "افلاس کا ذائقہ کڑوا ہے اور فقر گردنوں کو جھکا دیتا ہے۔ ہماری کوشش ان کی بہبودی کے لیے دولت کی ایک عام تقسیم میں نمایاں ہوتی ہے۔ اس لیے فیاضی سے ان کو حصے دیے جائیں۔ جو کچھ ہمارے پاس ہے وہ خرچ ہو جائے گا۔ جو خدا کی راہ میں دیا جائے وہ ہمیشہ باقی رہے گا۔"[۱]

بدرالجمالی کی کوششوں سے کچھ مدت کے لیے حکومت فاطمیہ کی بنیاد مستحکم ہو گئی اور ملک میں امن و امان قایم ہوا۔ اگر بدرالجمالی نہ بلایا جاتا تو مستنصر ہی کے عہد میں دولت فاطمیہ ختم ہو جاتی۔ اس وزیر کی وزارت میں مستنصر کو سیاسی معاملات میں دخل دینے کی اجازت نہ تھی[۲]۔ یہی حالت اس کے بعد کے حکمرانوں کی تھی۔ ملک کے تمام نظم و نسق کے مالک وزراء تھے۔ سوائے حافظ کے تمام حکمران کم سن تھے۔ بدرالجمالی کی حسن کارگزاری کے متعلق ایک دلچسپ واقعہ یہ ہے کہ ایک دفعہ وہ مستنصر سے ملنے آیا۔ ایک قاری نے اسے خوش کرنے کے لیے یہ آیت پڑھی:۔ "ولقد نصرکم اللہ ببدر" لیکن صرف اتنا پڑھکر چھوڑ دیا۔ آیت تمام نہ کی۔ مستنصر نے کہا اگر وہ آیت پوری کرتا تو میں اس کی گردن اڑا دیتا۔[۳]

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ:۔ لمذھبہ علی مایذھب الیہ ولا اعترض علی احد فی فطر ولا صوم ولا غیر ذالک (عیون الاخبار ۶/۳۳۶)۔ ۱؎۔ مقریزی ۲/۲۳۸ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مستنصر اپنے دوستوں کو لے کر ہر سال اپنے جب عمیرہ والے قصر کو حاجیوں کی ہیئت اختیار کر کے دل لگی کے طور پر حج منانے کے لیے جایا کرتا تھا۔ اس مقام پر مقریزی نے شریف ابوالحسن علی بن الحسین بن حیدرۃ العقیلی کے چند شعر نقل کیے ہیں جس نے مستنصر کو عید کے دن شراب پینے کی ترغیب دلائی تھی (مقریزی ۲/۳۸۳)۔ ۲؎۔ مقریزی ۲/۱۶۱ ۔ ۳؎۔ القرآن ۳/۱۱۹ پوری
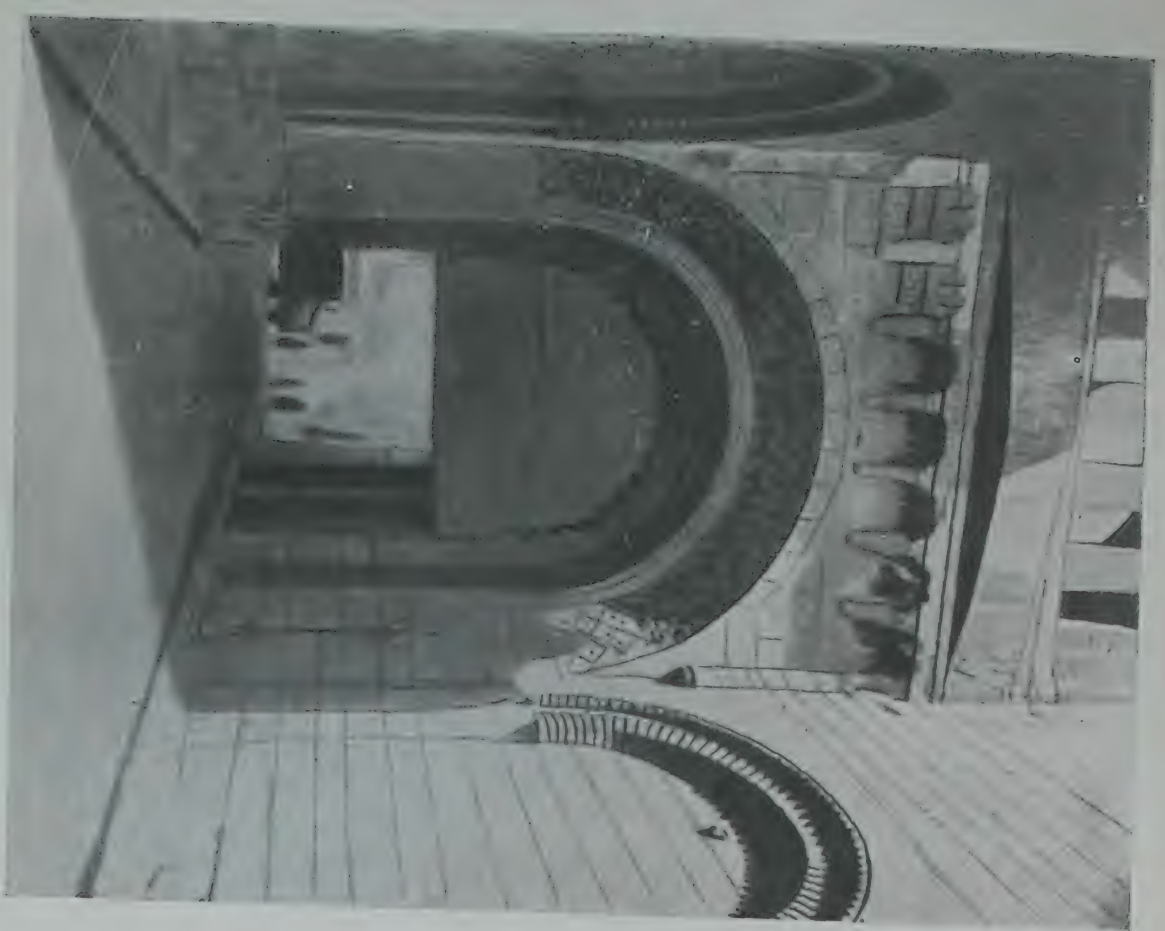
باب النصر جو سنه ۴۸۰ھ میں بنایا گیا -

باب الفتوح جو سنه ۴۸۰ھ میں بنایا گیا -

مقابل صفحه (۲۹۱)

مستنصر کے عہد کی عمارتیں

عزیز کے بعد مستنصر کے زمانے میں پھر عمارتوں کا کام شروع ہوا۔ بدر الجمالی نے قاہرہ کے اطراف اینٹوں کی ایک نئی فصیل کی بنیاد ڈالی۔ لیکن اس کی تکمیل سے پہلے اس کا انتقال ہو گیا۔ اس فصیل میں باب النصر۔ باب الفتوح (۴۸۰ھ) اور باب زویلہ (۴۸۵ھ) تین عالیشان دروازے اب بھی موجود ہیں۔ ان کے معمار تین بھائی شہر رُہا[1] سے آئے تھے۔ ان میں سے ہر ایک نے ایک دروازہ بنایا[2]

=·=·=·=·=·=·=

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ:۔ آیت یہ ہے:۔ ولقد نصرکم اللہ ببدر وانتم اذلّۃ" یعنی بدر کی جنگ میں اللہ نے تمہاری مدد کی حالانکہ تم ذلیل ہو چکے تھے۔ لیکن قاری کا مطلب یہ کہنا تھا کہ اے مستنصر باللہ نے بدر (الجمالی) کے ذریعہ تمہاری مدد کی (حالانکہ تم ذلیل ہو چکے تھے)۔

[1] ۔ Edessa ۔ [2] ۔ مقریزی ۱/۳۸۰ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو (فصل ۲۹ بعنوان دور فاطمی کی صنعت و حرفت اور معماری)

فصل (۱۹)

ابو القاسم احمد المستعلی باللہ

۴۸۷ — ۴۹۵

ولادت محرم ۴۶۷ھ[1] — آغاز حکومت ۴۸۷ھ — وفات ۴۹۵ھ

مستعلی اور نزار کے درمیان امامت پر جھگڑا

مستنصر کے کئی بیٹوں میں سے تین تاریخی حیثیت سے قابل ذکر ہیں۔ اس کا سب سے بڑا بیٹا نزار تھا جس کی عمر اس وقت تقریباً پچاس سال تھی۔ اس کے بعد عبد اللہ اور اس کے بعد مستعلی جو سب سے چھوٹا تھا اور جس کی عمر تقریباً ۲۱ سال تھی۔ مورخ ادریس نے لکھا ہے کہ مستنصر نے مستعلی کی ولادت سے پیشتر اپنے اہل دعوت کو یہ خوشخبری دی تھی کہ میرا آیندہ پیدا ہونے والا بچہ ہی (جس سے اس کی مراد مستعلی تھی) امامت کا وارث ہوگا۔ مستنصر نے ایک دفعہ یہ سنا کہ اس کے دونوں بیٹے نزار اور عبد اللہ امامت کے لیے جھگڑتے ہیں۔ اس نے ان سے کہا کہ تم

[1] عیون الاخبار ۷/۲۴۵ — ۲۰ محرم ۴۶۷ھ (مقریزی ۲/۱۷۱) ۲۰ شعبان ۴۶۷ھ (ابن الاثیر) — ۲۰ محرم ۴۶۹ھ (ابن خلکان)۔

ایسی چیز کے لیے نہ جھگڑو جو تمھیں ملنے والی نہیں۔ اپنی پیٹھ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ امامت کا مالک یہاں ہے۔ یعنی ابھی میرے صلب میں ہے۔ جب مستعلی کی ولادت ہوئی تو مستنصر نے تمام اہل دعوت کو اس کے آیندہ امام ہونے کی خوشخبری دی۔ یمن کے بڑے داعی ملک مکرم (صلیحی) کو اس مضمون کا ایک خط بھیجا کہ "اللہ تعالی نے امیر المومنین کو ایک پاک بیٹا بخشا ہے جس کے سبب سے امامت کو قوت حاصل ہو گی اور جس کی نسل میں اللہ تعالیٰ کا کلمہ قیامت تک باقی رہے گا۔ اس کی ولادت ماہ محرم سنہ ۴۶۷ھ میں ہوئی۔"

پھر اسی مورخ کا بیان ہے کہ مستنصر کی وفات کے دوسرے دن یعنی ۱۸ ذی الحجہ کو مستعلی کی بیعت عمل میں آئی۔ اس وقت اس کی عمر ۲۱ سال تھی۔ بیعت کرنے والوں میں سب سے پہلے اس کے دو بھائی نزار اور عبداللہ تھے۔ مگر ان دونوں نے وفا نہ کی۔ پھر سیف الاسلام بدر الجمالی اور اس کے لڑکے شاہنشاہ افضل[1] اور دوسرے داعیوں اور قاضیوں نے بیعت کی۔[2]

لیکن مقریزی کہتا ہے کہ مستنصر کے انتقال سے پہلے ہی بدر الجمالی وفات پا چکا تھا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا عہدۂ وزارت پر فائز ہوا جو شاہنشاہ افضل کے نام سے مشہور رہے۔ یہ وزیر مستنصر کے انتقال کرتے ہی فوراً محل میں داخل ہوا اور اس کے سب سے چھوٹے بیٹے ابو القاسم کو مستعلی باللہ کا لقب دے کر مسند امامت پر بٹھا دیا۔[3] اس کے بعد اس نے اس کے دوسرے بھائیوں امیر نزار۔ امیر عبداللہ۔ اور امیر اسماعیل کو بلا بھیجا۔ یہ تینوں امیر جب دربار میں پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ان کا چھوٹا بھائی احمد (مستعلی) امامت کے تخت پر بیٹھا ہوا ہے۔ یہ منظر ان پر بہت شاق گزرا۔ افضل نے انھیں حکم دیا کہ مولانا مستعلی باللہ سے بیعت کرو اور ان کے

---

[1] بدر الجمالی کی بیماری کی وجہ سے اس کی موجودگی میں اس کا لڑکا افضل وزیر ہو چکا تھا۔ [2] عیون الاخبار ۷ / ۲۴۵-۲۵۰ ۔ [3] مستعلی بدر الجمالی کا داماد ہوتا تھا۔

سامنے زمین بوس ہو۔ انھیں پر امام مستنصر نے اپنے انتقال سے پہلے نص کی ہے۔ دونوں بھائیوں نے بیعت کرنے سے انکار کر دیا۔ ہر ایک نے کہا کہ میرے باپ نے مجھ سے امامت کا وعدہ کیا تھا۔ امیر نزار نے تو یہ بھی کہا کہ اگر میری بوٹیاں اڑادی جائیں جب بھی کبھی میں اپنے چھوٹے بھائی سے بیعت نہ کروں گا۔ میرے پاس میرے والد کا خط ہے جس میں میری ولی عہدی کی نسبت لکھا ہے۔ یہ کہہ کر نزار محل سے خط لانے کے لیے نکلا۔ جب واپس آنے میں تاخیر ہوئی تو افضل نے اسے دوبارہ بلا بھیجا۔ مگر نزار واپس نہ آیا اور خفیہ طور پر اسکندریہ چلا گیا جہاں اس نے اسکندریہ والوں کو مستعلی کی مخالفت پر آمادہ کیا۔ جب افضل کو یہ خبر پہنچی تو وہ بہت پریشان ہوا۔ کیونکہ اس کے اور نزار کے تعلقات پہلے ہی سے اچھے نہ تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک روز نزار محل سے اس وقت باہر نکل رہا تھا جس وقت افضل سوار ہو کر باب الذہب کے راستے سے محل میں داخل ہو رہا تھا۔ اس جرأت کو دیکھ کر نزار نے اس سے کہا "اے ارمنی الجنس کتے اتر جا"۔ اس دن سے افضل نزار کا دشمن ہو گیا۔ جب مستنصر نے وفات پائی تو اس کو نزار کی طرف سے خوف پیدا ہوا۔ کیونکہ نزار کی شخصیت بڑی تھی اور اس کے کئی مددگار تھے اس لیے افضل نے نزار کو حکومت سے علیحدہ کرنے کی کوشش کی اور اس کوشش میں کامیاب بھی ہوا۔[۱]

ابن خلدون اور ابن الاثیر کا بیان بھی اس امر کی تائید کرتا ہے کہ مستنصر نے نزار کو ولی عہد کیا تھا۔ مگر چونکہ اس کے اور افضل کے درمیان مخالفت پیدا ہو گئی تھی اس لیے افضل نے اپنی قوت کو برقرار رکھنے کے لیے نزار کو امامت سے محروم کر دیا اور مستعلی کو امام بنا دیا۔[۲] نص کی شرط کو پورا کرنے کے لیے اس نے مستعلی کی پھوپھی کو یہ لالچ دے کے ملا لیا کہ اگر وہ مستعلی کے نص کی شہادت دے تو اس کو حکومت

۱۔ مقریزی ۲/۲۷۲ ۲۔ ابن الاثیر ۱۰/۹۸۔ اس تاریخ کے صفحہ ۲۵۷ کا ذیل بھی ملاحظہ فرمائیے

کی کفالت دی جائے گی کیونکہ اس وقت مستعلی کی عمر چھ سال کی تھی۔ پس اس کی پھوپھی نے شہادت دی کہ مستنصر نے مصر کے قاضی[1] اور داعی کے روبرو مستعلی پر نص کی ہے[2]۔ حال ہی میں مستعلی کی نص کے ثبوت میں ایک رسالہ شائع ہوا ہے[3]۔

نزار کا اسکندریہ پر قبضہ کرنا اور اس کی ناکامیابی

اس کے علاوہ افضل نے مستعلی کی حکومت کو مستحکم بنانے کے لیے مصر کے چند امرا کی بھی تائید حاصل کرلی۔ ان میں ابن مصال بھی شریک تھا۔ لیکن اس نے خفیہ طور پر نزار کو افضل کی کارروائی سے مطلع کردیا۔ بلکہ اس کے ساتھ اسکندریہ کو روانہ ہو گیا جہاں بدرالجمالی کا غلام افتکین (ناصر الدولہ) والی تھا۔ اس والی کو نزار اور ابن مصال نے وزارت مصر کی ترغیب دلاکر اپنا بنالیا۔ اس کی مدد سے تمام اہل اسکندریہ نزار کا کلمہ پڑھنے لگے اور اس سے بیعت کرلی۔ نزار نے "المصطفیٰ لدین اللہ" کا لقب اختیار کر کے اسکندریہ پر قبضہ جمالیا۔ اس کے مقابلے کے لیے افضل نے ۴۸۸ھ میں ایک لشکر لے کر اسکندریہ کا محاصرہ کرلیا۔ فریقین میں متعدد معرکے ہوئے۔ ابتدا میں نزاریوں کو کامیابی ہوئی۔ اور افضل کا لشکر بہت دور تک ہٹادیا گیا۔ بڑھتے بڑھتے یہ لوگ قاہرہ کے قریب تک پہنچ گئے۔ اور قاہرہ کے شمال میں جتنے شہر تھے ان کو برباد کردیا۔ افضل نے دوبارہ جنگ کی تیاری کی۔ اور اسکندریہ کے محاصرے کے لیے روانہ ہوا۔ اس دفعہ اس نے نزار کے اکثر ساتھیوں کو اس سے جدا کردیا۔ ابن مصال بھی جو نزار کا بہت بڑا حامی اور مددگار تھا ایک پریشان خواب کی وجہ سے نزار کا ساتھ چھوڑ کر بحری راستے سے مغرب کی طرف بھاگ گیا۔ اب نزار کا ایک قوی بازو ٹوٹ گیا۔ محاصرے کی

---

[1] ابن کحال یا محال Wustenfeld, p. 271. [2] ابن خلدون ۴/۶۶۔
[3] اس رسالے کا نام "الهداية الآمرية" ہے۔ (ماخذ تاریخ فاطمیین مصر)۔

تاب نہ لاکر اس نے اور افتکین نے ہتھیار ڈال دیے اور امان کے طالب ہوئے افضل نے ان کو امان دی اور اسکندریہ میں داخل ہو کر دونوں کو گرفتار کر لیا اور ان کو قاہرہ بھیج دیا۔ مستعلی نے نزار کو دو دیواروں کے بیچ میں کھڑا کر کے اس پر دیواریں چنوا دیں۔ افتکین کو بھی افضل نے مصر پہنچ کر قتل کر دیا۔

نزار کے قیام کا اثر

گو نزار کو اپنے مقصد میں ناکامی ہوئی اور وہ قتل کر دیا گیا تاہم اس کے ساتھیوں نے اس کی تحریک جاری رکھی۔ یہی لوگ مستعلی کے بیٹے آمر کے قتل کا باعث ہوئے۔ ادھر ایران میں حسن بن صباح نے دعوت نزاریہ پھیلانی شروع کی جس کا اثر تقریباً ڈیڑھ سو سال باقی رہا۔ اب بھی اس فرقے کے لوگ موجود ہیں۔ ان کی مفصل تاریخ آیندہ بیان کی جائے گی[1]

افضل کی حکومت

نزار کی شکست کے بعد افضل ہی کے ہاتھ میں ممالک فاطمیہ کی حکومت رہی مستعلی کم سن ہونے کی وجہ سے ریاست کے انتظام میں زیادہ حصہ نہیں لے سکتا تھا[2] وہ صرف پبلک جلسوں میں نمائش کے لیے آتا تھا۔ افضل نے ان شہروں کو جو بنی فاطمہ کے قبضے سے نکل گئے تھے واپس لینے میں بڑی کوشش کی۔ بیت المقدس جس پر خاندان بنی ارتق کا ایک ترکی امیر سکمان قابض ہو گیا تھا پھر ۴۹۱ھ میں ممالک فاطمیہ میں داخل ہو گیا۔

پہلی صلیبی جنگ اور اس کے اسباب و نتائج

سلطنت سلجوقیہ کی شان و شوکت جس کے زیر حکومت اس زمانے میں عباسی ممالک تھے ملک شاہ کے دم تک تھی۔

---

[1] فصل (۳۱) فرقہ نزاریہ۔

[2] داعی ادریس اور مقریزی کی روایتوں کے مطابق مستعلی کی عمر ابتدائے حکومت کے وقت تقریباً اکیس سال تھی۔

اس سلطان کے انتقال کے بعد جو ۴۸۵ھ میں ہوا اس کے رشتہ داروں میں ممالک عراق اور خراسان کے لیے خانہ جنگیاں شروع ہو گئیں۔ اسی طرح ملک شاہ کے بھائی تتش کی وفات کے بعد اس کے دونوں بیٹے بلاد شام کی حکومت کے لیے آپس میں جھگڑنے لگے۔ دقاق دمشق پر قابض ہو گیا۔ رضوان نے حلب میں خود مختاری کا اعلان کر دیا بلکہ اپنے بھائی کے مقابلے میں اپنی قوت کو بڑھانے کے لیے بنو فاطمہ کے ساتھ مل گیا اور اپنے شہروں میں مستعلی کے نام کا خطبہ پڑھنے لگا۔ یہ خطبہ شیزر[1] اور دوسرے ضلعوں میں سوائے انطاکیہ۔ حلب۔ معرۃ النعمان کے چار جمعوں تک پڑھا گیا۔ پھر عباسیوں کا خطبہ پڑھا جانے لگا۔ بہر حال اسلامی ممالک کئی حصوں میں بٹ گئے۔ ہر حصے پر ایک ایسا امیر (اتابک) حاکم بن گیا جو دوسرے کو شکست دے کر اپنی قوت کو بڑھانا چاہتا تھا۔[2]

ادھر مصر کی حکومت نزاریوں کی مخالفت کی وجہ سے کمزور ہو گئی تھی۔ وزیر افضل اپنے حریفوں کو زیر کرنے میں لگا ہوا تھا۔ سواحل شام کو کسی بیرونی حملے سے بچانا تو کجا اسے خود اپنے ملک کا سنبھالنا ہی دشوار تھا۔ مستعلی اپنی کم سنی کی وجہ سے بے بس تھا۔

بہر حال حکمرانان اسلام کے جھگڑے اور آپس کے نفاق سے اور ان کی قوت کے اس طرح منتشر اور کمزور ہو جانے سے نصاریٰ کو ان پر حملہ کرنے کی جرأت ہوئی۔ یورپ کے چند بادشاہوں نے اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہا۔ انھوں نے اس امر کی کوشش کی کہ اپنے اماکن مقدسہ کو مسلمانوں سے چھین لیں۔ ایک راہب نامی "بطرس" نے ان کو اس مہم پر آمادہ کیا۔ عزم بالجزم کے ساتھ انھوں نے ۴۸۹ھ اور ۶۶۲ھ کے درمیان کئی دفعہ مسلمانوں پر حملے کئے۔ یہ لڑائیاں حروب صلیبیہ کے

---

[1] معرۃ النعمان کے قریب بلاد شام میں یہ ایک قلعہ ہے (معجم البلدان ۳/۳۵۳)۔

[2] ابن خلدون ۴/۶۔ ابن الاثیر ۱۰/۱۱۱۔